Have a nice day

of the

nowel

Have a nice day

اس ناول کو غور
سے پڑھنے پر ایک
آدمی کا جوش (جو ایک
سچے مسلمان کی زینت ہے)
ایک گرم لاوے کی طرف
اُبلتا ہے —!

کاش!
ہم دورِ جدید کے مسلمان
بھی ایسے ہی بنتے جیسے
اس کتاب کے مسلمان نے
کر دکھایا ہے —!

— ۰ —

ایک دلچسپ تاریخی اسلامی ناول

معرکۂ شام

مصنفہ

عابد (زاہدی)
(مجاہد)

پرجوش مسلمانوں کی داستان زریں جنھوں نے قیصر و کسرٰے کے ایوانوں
میں زلزلے ڈال دئے اور نعرۂ توحید سے دشت و جبل کے
دل ہلا دیے، کفر و شرک کی ظلمتوں کو مٹا کر اکناف عالم
کو نور توحید سے بھر دیا اور فرقہ و طبقہ کی
تقسیم کی دھجیاں اڑا کر بنی نوع انسان کو اخوت و مساوات کا درس دیا

حسن و عشق کی داستان

رزم و بزم کا افسانہ

شمع رسالت کے پروانوں کی تاریخ

مٹھی بھر پر جوش مسلمانوں کا بے شمار عیسائیوں سے ٹکراؤ

روم و شام کی متحدہ طاقتوں کی شکست فاش

ریگزار عرب کے بادیہ نشینوں کی شجاعت

اللہ والوں کی اللہ کی راہ میں قربانیاں

بندگان توحید کی بندگانِ شرک سے جنگ

قلعۂ حلب

کے استحکام پر مسلمانوں کی ضرب کاری

یوقنا کا تدبر

سیاست

جنگ

یوقنا

کا اسلام۔ مظلومیت اور شہادت

اسلام کا معجزہ اور اس کی ہمہ گیر تسخیر

رابعہ اور ارمانوسہ کے حسن بے پناہ کی

گرمیاں۔ محبت کا ایثار، حق کی فتح کی بے مثال داستان

معرکۂ شام میں دیکھیے۔

زندہ قوم کی تاریخ ہمیشہ زندہ رہتی ہے

لیکن

جب کوئی قوم اپنی زندہ تاریخ اور اس کی روایات سے منہ موڑ لیتی ہے
تو اس کا مرجانا بھی یقینی ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں وہ اس کارگاہ آب و گل میں
سینما کے پردے کی متحرک تصویر کی طرح چلتی، پھرتی، کھاتی اور سوتی ہے
مگر درحقیقت اس میں روح نہیں ہوتی، اسے زندہ نہیں تصور کیا جاتا۔ آج کا
نام نہاد مسلمان خود فراموش ہے شکوک و ظنون میں مبتلا ہے۔ وہ ظلمت
کو نور سمجھکر اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ مصنوعی بجلی کی روشنی میں
چاند سورج کی تکذیب کر رہا ہے۔

خودی، خود اعتمادی، خودداری سے دور آج کا مسلمان اعتماد الٰہی
سے بھی دور ہے۔

ان مسلمانوں کو کبھی کبھی اپنی داستان عظمت بھی پڑھنی چاہیے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

معرکہ شام

آپ کی کھوئی ہوئی عظمت کی

زندہ داستان

ہے

طابع وناشر

رفیق عابد (زاہدی)

باراول

دو ہزار

قیمت

غیر مجلد ے ر

مجلد

ے ۸ ر

۷۸۶

پہلا باب (۱)

کمسن مجاہد

دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں سرزمین عرب کی ہر سیاہ فام پہاڑی جھلس کر اور بھی سیاہ ہو گئی تھی اور ہر چٹان جلتے ہوئے لوہے کی طرح گرم ہو کر شعلے اُگل رہی تھی۔ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ریگ زار آتشِ سیال بن کر دیکھنے والوں کی نگاہوں کو گرم گرم لکوں سے داغ رہا تھا اور بالو کا ہر ذرہ انگارہ بن کر دہک رہا تھا۔ آس پاس میں کہیں بھی ہریالی نہ تھی اور نہ کوسوں کہیں پانی کا پتہ تھا۔ یہ ریگ زار شمالاً جنوباً پھیلا ہوا تھا۔ پچھم جانب بھی حد افق تک بالو ہی بالو نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان بھی اس کی گرمی سے پگھل کر سامنے بہت دور بالو پر گر رہا ہے۔ ایسے میں نہ کوئی چڑیا فضا میں اُڑ رہی تھی نہ زمین پر کوئی چرند نظر آ رہا تھا۔

تاہم ایک گھوڑ سوار اپنے منھ اور سارے جسم پر چادر لپیٹے ہوئے تیزی کے ساتھ بالو میں سفر کر رہا تھا۔ گھوڑا پیاس سے بے دم ہو رہا تھا، اس کی ٹانگیں

گرم بالو میں دھنس رہی تھیں، پھر بھی وفادار گھوڑا سفر میں تساہل نہیں کر رہا تھا۔ وہ چلا جا رہا تھا جس طرح ایک تھکا ہارا مسافر منزل کو قریب تر پا کر اپنے جسم کو کھینچ رہا ہو۔ سوار نے گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ بے زبان گھوڑا جانور ہوتے ہوئے بھی اس قدر فرض شناس تھا کہ وہ اپنی بھوک پیاس کی تکالیف سے بے نیاز اپنے محبوب سوار کو اس کی منزل تک پہنچانے کے لئے اپنے جسم کو گھسیٹ رہا تھا۔ خیریت تھی کہ صحرائے عرب میں طوفان کے جان لیوا جھکڑ نہیں چل رہے تھے اور نہ اس کے آثار تھے۔ ورنہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ طوفان کے خطرناک جھکڑ چلتے اور بالو کے تودوں کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی قافلہ بھی پھنس جاتا ہے تو اسی گرم بالو میں اس کی قبر بن جاتی ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا کہ کسی متنفس کا یہاں وجود تھا۔ اور اگر طوفان ہلکا ہوتا ہے تو بالو کے ذرات کسی بندوق سے نکلے ہوئے گرم گرم چھروں کی طرح گھوڑے اور سواروں کے جسم پر پڑ کر جسم کو جھلس ڈالتے اور بڑے بڑے پھپھولے ڈال دیتے ہیں۔

یہ پھپھولے بڑے مہلک اور تکلیف دہ ہوتے ہیں، ان میں بڑی سوزش ہوتی ہے۔ اس لئے ان حالات میں حتی الامکان مسافر یا کاروان تجارت ان صحراؤں میں سفر کرنے سے رک جاتے اور جہاں ہوتے ہیں وہیں وقتی طور پر بچاؤ کی کوئی صورت نکال کر تھم جاتے ہیں۔

لیکن ہمت کا یہ دھنی مسافر اور اس کا گھوڑا، گو ہیبتش گرمی اور بالو سے ابلتے ہوئے شعلوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

جوں جوں یہ گھوڑا پچھم سے پورب اور شمال کے گوشے میں دمشق کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی شکل و صورت زیادہ واضح نظر آنے لگی تھی۔ گھوڑا نہایت

شان دار مشکی رنگ کا خالص عربی النسل تھا اور اس کا سوار کوئی نوجوان تھا۔ گو
اس نے اپنے چہرے اور جسم کو چادر سے لپیٹ رکھا تھا۔ پھر بھی اس کی وجاہت
نمایاں تھی۔ عربی وضع کی شلوار پر لمبی سفید عبا۔ سر پر صافہ، کمر میں لٹکتی ہوئی تلوار،
دوش پر کمان۔ پشت پر ترکش، کمر میں پٹکہ، پٹکہ میں ایک خوبصورت سا خنجر اُڑسا
ہوا، ایک کندھے پر ڈھال، داہنے ہاتھ میں نیزہ، بائیں ہاتھ میں گھوڑے کی باگ
گو پیاس سے بے حال، دھوپ، گرمی اور لو سے پریشان تھا۔ مگر کیا مجال کہ تیور میں
فرق ہو اور ماتھے پر شکن۔
یکایک گھوڑا گھنٹوں تک گرم بالو میں دھنس گیا اور پیاس سے زبان نکال کر
بلبلا اٹھا۔

سوار نے گھوڑے کی کنوتی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
"میرے وفادار! اللہ اور رسول کی راہ میں جہاد کر۔"
سوار کے اس جملہ پر گھوڑے نے ہنہنا کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار
کیا۔ ایک جھرجھری لی۔ تن فرسودہ میں نئی جان اور نئی توانائی آئی۔ گویا بالکل تازہ دم
ہو گیا۔ بھوک، پیاس کی تکلیف جاتی رہی۔ ریت کی گرمی اور لو کی تپش اور لپٹ کوئی
بھی شے اب مانع نہ رہی۔ گھوڑے نے اپنے قدم ریت سے باہر نکالے اور تیزی
سے آگے بڑھ گیا۔

گھوڑا چلتا رہا اور سوار اسی شان و شوکت کے ساتھ اپنی منزل طے کرتا رہا جیسے
یہ تمام مشکلات اس کی راہ میں کوئی اہمیت اور حقیقت نہیں رکھتیں۔

اور یہ سچ بھی ہے قرونِ اولیٰ کے مسلمان اتنے پرجوش اور اتنے خدا پرست
تھے کہ وہ ان مادی تکالیف کو ہرگز اللہ کی راہ میں کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی

انہیں اللہ کی راہ میں ہبہ تھیں اوران کا مال اللہ کی راہ میں وقف تھا۔ وہ رسولؐ کے شیدائی اور جان نثار تھے۔ وہ اسلام کے پرستار تھے۔ اسلام ہی ان کے لئے سب کچھ تھا۔ رسول کی اطاعت سے بڑھ کر ان کے لئے اور کوئی نعمت نہ تھی اور اللہ کی راہ میں جہاد مسلسل سے زیادہ کوئی اور شے ان کے لئے مرغوب و محبوب نہ تھی۔ بھوک اور پیاس پر وہ بے صبر اور ناشکر ے نہیں ہوتے تھے بلکہ اور زیادہ صابر اور شکر گزار ہو جاتے تھے اسی لئے وہ بھی اللہ کے دوست اور محبوب تھے۔ ان کی ہر مشکل آسان ہو جاتی تھی۔ فتح و نصرت ان کے جلو میں اور عظمت و شوکت ان کے قدموں میں تھی۔

خدا خدا کر کے ریگ زار کا سمندر ختم ہونے کو آیا۔ پہلے کہیں کہیں جھلسے ہوئے درخت ملے پھر کچھ ہریالیاں نظر آئیں۔ پھر ایک پہاڑی کا دامن ملا۔ اس دامن میں ایک چھوٹا سا نخلستان نظر آیا۔ نخلستان ایک چھوٹی سی جھیل کے کنارے واقع تھا۔ گھوڑا ٹھنڈک پا کر تیزی سے نخلستان کی طرف لپکا۔ سوار کو بھی کچھ فرحت و طمانیت حاصل ہوئی اور زیادہ مسرت اس وقت ہوئی جب اس نخلستان میں چمڑے اور کمبلوں کے کچھ خیمے نظر آئے جو دور ہی سے اس بات کا پتہ دے رہے تھے کہ کوئی قافلہ یہاں آکر ٹھہرا ہوا ہے۔

گھوڑا بڑھ کر ایک وسیع خیمے کے سامنے ٹھہر گیا۔ ابھی سوار گھوڑے سے اترا نہیں تھا لیکن اپنے جسم سے چادر ہٹا کر چہرے اور کپڑے سے بالو کے ذرات کو جھاڑنے لگا تھا اتنے میں دو حسین و خوبصورت لڑکیاں پانی کا مشکیزہ لئے ہوئے جھیل کی طرف سے آئیں۔ یہ دونوں لڑکیاں عربی تھیں لباس سے ثابت ہوا کہ بدوی نہیں بلکہ شہر یا قصبہ کی رہنے والیاں ہیں۔ صاف

ستھری۔ مہذب، ریشمی لباس میں ملبوس ان کا حسن چودھویں رات کے چاند کی طرح دمک رہا تھا
شوخ و شنگ، چست و چالاک، چندے آفتاب، چندے ماہتاب، بینا دی جیسے، ملیح و
صبیح رنگ دودھ کی طرح شفاف۔ پندرہ سولہ کا سن، پتلی، نازک کمر، چھریرا بدن، لمبے
لمبے سیاہ اور گھنیرے بال دو چوٹیوں کی صورت میں گندھے سینے پر اس طرح لہرا رہے
تھے جیسے دو ناگ، ان میں جو سب سے آگے تھی وہ بہت زیادہ حسین و نازنین تھی۔
حیا آلود شوخی میں اٹھتی جوانی قیامت کی نشانی، بڑی بڑی کٹیلی اور رسیلی آنکھیں سیاہ
ابروؤں اور تیر مژگاں کے سائے میں خمار آگیں و نیم باز اس طرح کوندرہی تھیں،
جیسے کالی گھٹاؤں میں بے تاب بجلیاں۔ بیاض رخسار گلاب کی نازک پنکھڑیوں کی طرح
تمام تر لطافت و رعنائی سے آراستہ جیسے فطرت نے شفق اور کہکشاں کو دھنک کر
ان کی ساری رنگینیاں عارض تاباں پر چھڑک دی ہوں، ستواں ناک، سرخ سرخ
مدھ بھرے ہونٹ، غنچہ دہن، نازک ٹھوڑی، ہرن جیسی گردن، دوپٹے کے آنچل میں
آغاز شباب کے دو بین و متوازن نشانات سطح سمندر پر حباب کی طرح سر اٹھائے
تنفس کے زیر و بم سے ہچکولے کھاتے تھے اور تموج کی چادر اس کو چھپا لینے سے
قاصر تھی۔ کشیدہ قامت سرو و شمشاد پر خندہ زن۔ گویا حسن و جمال خود اس پیکر ناز پر
نثار اور ناز و ادا قربان۔

اس حسین و مہ جبین دوشیزہ نے جب اپنے خیمہ کے سامنے ایک اجنبی نوجوان کو
موجود پایا تو شرم کے مارے اس کی نگاہیں جھک گئیں اور وہ گردن نہوڑائے باد سحری
کی طرح چل کر خیمے میں داخل ہو گئی۔

یہ خیمہ عاصم بن نعمان کا تھا۔ عاصم بن نعمان ایک بڑے پُرجوش اور تجربہ کار
صحابی تھے۔ یہ طائف کے رئیس تھے۔ اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر وہ مدینہ میں

چلے آئے تھے اور خدمت نبوی میں حاضر رہتے۔ انھوں نے بہت سے غزوات میں دادِ شجاعت دی تھی۔ پھر بحرین، مسلیمہ کذاب وغیرہ کی لڑائی میں حق سپہگری ادا کیا۔ حضرت جعفر طیار کے جھنڈے کے نیچے عیسائیوں سے لڑے۔ اس وقت فارس میں جنگ ہو رہی تھی اور دوسری جانب مسلمانوں کا لشکر حلب کے قلعے کو گھیرے ہوئے پڑا تھا۔ یعنی دو طرف عظیم لڑائیاں ہو رہی تھیں۔

مسلمانوں کے محبوب خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے تھے۔ چوری اور ڈاکے کا کہیں نام و نشان نہیں تھا بڑے اور چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ خود خلیفہ کا یہ حال تھا کہ دن رات مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے متعلق سوچا کرتے تھے۔ زہد و عبادت سے جو وقت بچتا۔ خدمت خلق میں بسر کرتے۔ ساری ساری رات گشت کرتے۔ صبح کی نماز پڑھ کر پہلے فارس کی راہ میں مدینے سے کچھ دور جا کر قاصد کا انتظار کرتے، پھر عصر کی نماز پڑھ کر شام کے راستے میں جا بیٹھتے اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ دونوں جانب مجاہدین کو کمک، پہنچتی رہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت عاصم بن نعمان کے جھنڈے کے نیچے پانچسو غازیان، اسلام کا ایک دستہ بطور کمک حلب جا رہا تھا۔ اس دستے کے ساتھ کچھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ان میں حضرت عاصم بن نعمان کے اہل و عیال بھی تھے۔

وہ ماہ پارہ جو دوسری لڑکی سے آگے آگے تھی وہ حضرت عاصم کی اکلوتی لڑکی رابعہ تھی۔ گل اندام رابعہ جو اس قدر حسین و ذہین واقع ہوئی تھی کہ سارے قبیلے میں مشہور تھی اور وہ نہ صرف ایک نوخیز حسینہ تھی بلکہ دیگر عرب لڑکیوں کی طرح بہترین شہسوار، شمشیر زن، نیزہ کے استعمال سے واقف اور تیر و کمان میں قادر انداز تھی۔

دوسری لڑکی جو اس کے پیچھے تھی۔ اس کا نام خالدہ تھا۔ یہ رابعہ کی چچازاد بہن تھی۔ خالدہ کے باپ ہازم کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس لئے اس کی ماں، خالدہ اور اس سے ایک چھوٹا بھائی عبداللہ یہ سب عاصم ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں تھے عاصم کی بیوی عائشہ خالدہ کو بھی مثل اپنی بچی رابعہ کے چاہتی تھیں۔ خالدہ اور رابعہ میں بڑی گہری محبت تھی دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ یہ دونوں تقریباً ہاہمعر تھیں۔

خیمہ کے سامنے جو تھکا ہارا جوان گھوڑے پر سوار آیا تھا۔ اگرچہ سفر کی صعوبت دھوپ اور لو کی تمازت سے ہلکان ہو رہا تھا تاہم وہ اس قدر وجیہ، دیدہ زیب حسین اور شاندار مکمل مردانہ حسن کا نمونہ تھا کہ اسے دیکھ کر بے ساختہ خدا کی صناعی کا قائل ہونا پڑتا تھا۔ اس کی ہر روش انتہائی شریفانہ، مہذب اور باوقار تھا کہ لوگ بے ساختہ اس کی جانب کھنچ جاتے تھے۔ اس نوجوان کی عمر سترہ اٹھارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ کھلتا ہوا گندمی رنگ، بڑی بڑی آنکھوں میں حلم و ملاطفت کے آثار۔ ریش و بروت کی روئیدگی اب شروع ہو رہی تھی اس کا نام سالم تھا۔

سالم کے باپ مدینے کے رؤسا میں سے تھے۔ وہ عیسائیوں کی ایک جنگ میں شہید ہوچکے تھے۔ ان کا نام کعبؓ تھا۔ گو اس نوجوان کی عمر ابھی بہت کم تھی۔ لیکن عیسائیوں کی دو تین جنگوں میں شریک ہوکر اس نے دل کھول کر جہاد کیا تھا۔ وہ بڑا پرجوش تھا۔ اس نے اپنے باپ کا نام روشن کردیا تھا۔ وہ عیسائیوں کو بھیڑ بکری سمجھ کر ان میں گھس جاتا۔ اس کا نیزہ اور اس کی تلوار بجلی کی طرح کاٹ چھانٹ کا کام شروع کردیتی اور اس کا گھوڑا طوفان باد کی طرح اس

سرے سے اُس سرے تک دشمنوں کو روندتا ہوا گزر جاتا۔

ابھی کچھ دنوں قبل وہ اپنی والدہ کی ملاقات کے لئے مدینہ میں حاضر ہوا تھا۔ اور چند دنوں قیام کر کے حلب واپس جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی والدہ کو بھی ساتھ لیتا جائے۔ لیکن خانگی معاملات اور جائداد کے انتظامات کے تحت یہ ممکن نہ ہو سکا۔ تب یکایک شوقِ جہاد کی فراوانی سے مجبور ہو کر سالم خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپسی کی اجازت طلب کی۔ اتفاق سے عاصم کا دستہ دو روز قبل روانہ ہو چکا تھا۔ اس لئے خلیفہ نے کہا کہ "تم جب دو روز قبل امدادی دستہ کے ساتھ نہ جا سکے تو کچھ دنوں اور ٹھہرو اور جب کوئی دوسرا امدادی دستہ ادھر جائے تو چلے جانا۔

سالم نے ادب سے جواب دیا کہ "اب میرا دل حلب جانے کے لئے بہت بے قرار ہے۔ مجھے اجازت دیجئے، میں تیز جانے کی کوشش کروں گا تاکہ حضرت عاصم کے دستے سے مل جاؤں"۔

حضرت خلیفہ نے جب نوجوان سالم کی اس بیتابی اور شوقِ جہاد کو دیکھا تو اسے چند نصیحتیں فرما کر اجازت دے دی اور دعا فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو بخیر و عافیت تمہاری منزلِ مقصود تک پہنچائے۔

اس طرح سالم مدینہ منورہ سے تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور دو منزلہ کر کے دوسرے ہی دن اس مشہور ریگزار کو عبور کرنے لگ گیا۔ جس میں دن کو دھوپ میں پرواز کرتے ہوئے پرندوں کے پر جلتے ہیں۔ بادِ سموم کے چلتے ہوئے طوفانی جھونکے بالو کے بڑے بڑے پہاڑ پلٹتے اور بگاڑتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی تنہا شخص اس بیچ بیچ بحرِ ناپیدا کنار کو گھوڑے پر عبور کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور جو پھنس جاتا ہے یا تو

بھوکا پیاسا گرمی کی شدت سے مرجاتا ہے یا طوفانی ہوا اُسے زندہ ہی بالو میں دفن
کردیتی ہے۔ جب تک قافلہ ساتھ نہ ہو۔ کھانے اور خصوصیت کے ساتھ پانی کا
معقول ذخیرہ نہ ہو، اونٹ کی سواری نہ ہو اس وقت تک زندگی اس راہ میں
ایک پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اسی لئے اس کو "وادی الموت" کے نام سے
موسوم کیا جاتا ہے۔ قافلے والے کافی دوانی انتظامات کے باوجود دن کو اس میں سفر
کرنے کی کبھی جرأت نہیں کرتے یا تو کترا کر لمبے راستے سے سفر کرتے ہیں یا بدرجہ مجبوری
رات کو اس ریگ زار سے گزرتے ہیں اور دن نکلتے ہی دوپہرے خیمے گاڑ
کر طوفان سے بچنے کے معقول انتظامات کرکے ٹھہر جاتے ہیں۔

جب کسی قافلے کو بڑی عجلت اور ضرورت ہوتی ہے تب وہ اس خطرے کو
مول لیتا ہے ورنہ گھنے جنگلوں سے گزر کر سمندر کے کنارے کنارے وہ شام
کے ملکوں میں جاتا یا وہاں سے آتا ہے۔

اس وادی میں موت سیمرغ کی طرح پر کھولے ہوئے ہر ہر قدم پہ موجود رہتی
ہے۔ لیکن اگلے دور کے مجاہدین وہ لوگ یعنی خدا جانے کس آب و گل کے بنے ہوئے
تھے کہ وہ ان مشکلات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں کفن بردوش
تھے۔ وہ موت سے ڈرتے ہی نہیں تھے اس لئے موت خود ان سے ڈرتی تھی۔
نہ ان کو سمندر روک سکتا تھا نہ جنگل، نہ پہاڑ، نہ ریگ زار۔ وہ خود کو تنہا نہیں سمجھتے
تھے۔ ان کا خدا اُن کے ساتھ تھا۔ سالم بھی جوش جہاد میں مست اپنے باد پا
گھوڑے کی پشت پر سوار اڑتا ہوا ریگ زار میں داخل ہوا، طوفان کی شدت
گرمی کی مہیبت اور ریگ زار کی وسعت اس کو روک نہ سکی۔ خدا کی نشانیاں اور
لطیفہ کی دعا نشان احوال لیا طوفان نہ اٹھا ہو اسا گزر رہی۔ لیکن اسی کے ساتھ...

حبس ہوگیا۔ گرمی کی شدت بڑھ گئی۔ بالو کے ذرات تپتے ہوئے لوہے کی طرح جسم کو داغنے لگے۔ مشکیزہ کا پانی بار بار کے استعمال سے ختم ہوگیا۔ لیکن ہمت کا دھنی نوجوان سالم آگے بڑھتا گیا۔ تا آنکہ ریگ زار کی حد ختم ہوگئی۔ نخلستان آگیا اور نخلستان میں اس امدادی دستے کے خیمے بھی مل گئے، جو اس سے دو روز قبل چلا تھا۔

رابعہ کو دیکھتے ہی سالم کی حالت دفعتہً متغیر ہوگئی۔ جلد جلد اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ یکایک تنفس رک گیا اور آنکھوں کے نیچے دھند اور غبار چھانے لگا۔

سالم نے ہرچند اپنے کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ تو سفر کی صعوبت، کچھ بھوک پیاس کی شدت اور کچھ بے پناہ انوار حسن کی حدت، ان سبھوں نے مل کر غریب سالم کے دل و دماغ کو از کار رفتہ کردیا۔ اگر وہ جلد ہی سے وہیں زمین پر نہ بیٹھ جاتا تو یقیناً غش کھا کر گر پڑتا۔

گھوڑے نے جب اپنے آقا کو اس طرح بے قابو پایا تو اس نے اپنے گرم گرم نتھنوں سے اس کی پشت کو سونگھا اور ہنہنا کر اپنی وفاداری کا ثبوت دینے لگا۔

سالم نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ رابعہ کے دل پر کیا گزری اس کا حال وہ یا اس کا خدا جانے۔ لیکن خالدہ نے دیکھا کہ رابعہ یک لخت بے جان مورت کی طرح کھڑی بڑے غور اور دلسوزی سے اجنبی مہمان کو دیکھ رہی ہے۔ یکایک رابعہ نے خالدہ کا سہارا لیا۔

خالدہ نے محسوس کیا کہ وہ سارے جسم سے کانپ رہی ہے۔ اس نے پوچھا۔

رابعہ! میری پیاری بہن، تمہارا کیا حال ہے؟
رابعہ نے کہا۔ جلدی ابا جان کو خبر کرو، دیکھو، مہمان تکلیف سے غش کھایا چاہتا ہے۔

خالدہ تیز دوڑتی ہوئی خیمہ کے اس حصے میں چلی گئی جہاں عاصم بن نعمان بیٹھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔

رابعہ نے خیمہ کی چوب کا سہارا لیکر اپنے کو سنبھالا، مگر اس کے قدم ڈگمگاتے رہے۔ وہ اس جگہ سے ہلنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس خوف سے کہ مبادا اس کی زبون حالی کہیں لوگوں کو مشکوک نہ کردے، لڑکھڑاتی ہوئی چال سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

عاصم نے خالدہ کی زبانی ایک پریشان حال مہمان کی آمد کی خبر سنی تو قرآن شریف بند کر کے فوراً باہر نکل آئے۔ اس اثنا میں سالم غش کھاکر زمین پر گر پڑا تھا۔ اس کا گھوڑا اپنے آقا کی اس حالت پر بہت پریشان تھا۔ بار بار زمین پر ٹاپیں مار کر اہل خیمہ کو متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کبھی اپنے نتھنوں سے ٹھوکے دے رہا تھا۔

عاصم نے جب یہ حال دیکھا تو وہ سالم کی طرف دوڑے۔ خالدہ، رابعہ اور اپنے خادم اسود کو جلدی جلدی آوازیں دیں۔ سب سے پہلے خالدہ دوڑ کر آگئی۔ اور اس کے بعد اسود، عاصم نے خالدہ سے کہا کہ تم گھوڑے کو نے جاکر خائے میں باندھ دو اور چارہ، پانی دے دو۔

خالدہ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اسود اور عاصم نے مل کر سالم کو اٹھایا اور خیمہ میں لے آئے۔

عاصم سالم کو جانتے تھے۔ سالم کے باپ سے ان کی دوستی اور بھائی چارگی تھی انھوں نے اپنی بیوی عائشہ کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ تم اس لڑکے کو جانتی ہو؟

عائشہ ۔ کون لڑکا؟

عاصم ۔ یہ سالم ہے ۔

عائشہ ۔ ارے میں سالم کو نہ جانوں گی، اس کو تو میں نے گودیوں کھلایا ہے لیکن یہ بہت دنوں کی بات ہے ۔

کیا ہو گیا ہے اس کو، کہاں سے آیا ہے؟

عاصم، ابھی مجھے کچھ نہیں معلوم، اس وقت کوئی سوال نہ کرو بلکہ جلد اس کی خبر گیری کرو، خدا کرے جلدی ہوش میں آجائے، یہی سب کچھ بتا سکتا ہے رابعہ کہاں ہے؟

ابھی عاصم نے رابعہ کا نام ہی لیا تھا کہ ایک نازک اور نقیہ سی آواز آئی۔

"میں آئی، ابو جان"

عاصم ۔ دیکھو بیٹی! یہ نہایت عزیز مہمان ہے۔ غالباً سفر کی دوڑ دھوپ سے ہمارے خیمے تک آکر گر پڑا ہے۔

رابعہ ۔ ابو جان! ان کا گھوڑا لق ودق ریگستان کی طرف سے آیا تھا۔

عاصم ۔ اوہو! یہی سبب ہے اس کی بے ہوشی کا۔ ماشاءاللہ بڑا ہمتی لڑکا ہے کہ تنہا اس نے بے پایاں ریگ زار کو عبور کیا۔ کیوں نہ ہو اس کے باپ بھی خدا ان کی مغفرت کرے بڑے پُر جوش اور نڈر مجاہد تھے۔

رابعہ، تو ابو جان! آپ ان کو جانتے ہیں؟

عاصم، ہاں بیٹی! بلکہ تمہاری امی نے تو اسے گودیوں کھلایا ہے۔ یہ میرے مخلص دوست اور بھائی کا لڑکا ہے۔

اچھا! پھر باتیں کریں گے، پہلے تم تینوں مل کر اس کو ہوا دو، پٹی پانی میں بھگو کر پیشانی پر رکھو، ٹھنڈے پانی سے سر اور پاؤں کو دھو ڈالو، ہوش میں آ کر جب یہ پانی مانگے تو زیادہ مقدار میں اس کو پانی نہ دیا جائے، بلکہ پہلے تھوڑا سا دودھ شہد ملا کر گھونٹ گھونٹ پلایا جائے اس کے بعد تھوڑا پانی دیا جائے۔

(جاتے ہوئے گھوم کر) اور مجھے بھی خبر کرنا، سمجھیں بیٹی رابعہ اور خالدہ!

رابعہ، بہت بہتر ابو جان!

عاصم چلے گئے۔ رابعہ، خالدہ اور عائشہ ان تینوں نے مل کر پنکھے سے ہوا کی، ضروری اور فوری تدابیر عمل میں لائی گئیں۔ ہاتھ پاؤں اور سر کو دھو کر ٹھنڈی پٹیاں پیشانی پر رکھی گئیں۔

رفتہ رفتہ سالم کو ہوش آ گیا۔ سالم کا علاج قدرت نے پہلے ہی کر دیا تھا وہ رابعہ کو دیکھ کر بھوک پیاس، لو اور گرمی کی تکالیف کی شدت کو فراموش کر چکا تھا لیکن اس کا تپا ہوا دماغ گرمی حسن کی تاب نہ لا کر جواب دے گیا۔ ایک شدید تکلیف کی جگہ ایک میٹھی تکلیف نے لے لی تھی۔ اس لئے جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے بھوک پیاس کی بظاہر کوئی بے چینی نہ تھی، وہ نیم باز نگاہوں سے خیمہ، رابعہ، خالدہ اور پھر عائشہ کو دیکھنے لگا۔

یکایک اُسے یاد آیا کہ لق و دق صحرا میں اسے پانی نہ ملا تھا۔ اس تخیل سے اس کی پیاس "ابھر آئی"، اس نے پانی مانگا۔

خالدہ نے دودھ اور شہد کا مرکب پیش کیا۔

سالم نے اٹھنا چاہا تو عائشہ نے اس کے سر کو سہارا دیا۔ رابعہ شرمائی لجائی ہوئی الگ تھلگ رہی اور میٹھی میٹھی نگاہوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ سالم کے ہوش میں آتے ہی کسی نامعلوم جذبے کے تحت رابعہ کے معصوم چہرے پر ایک عجیب سی رونق آگئی، اس کی آنکھیں جگمگانے لگیں اور دل کے ناز کی تاروں میں مسرت کے امتزاج سے جھنجھناہٹ سی ہونے لگیں۔ مگر اس نے اپنے چہرے کے تیور سے کسی بات کا پتہ نہ لگنے دیا۔

سالم نے خالدہ کا منتیں کیا ہوا مرکب پینے سے پہلے کسی خیال کے تحت کہا۔

میرا گھوڑا ؟

خالدہ۔ وہ آرام سے سائے میں کھڑا چارہ پانی سے شغل کر رہا ہے۔

سالم نے "الحمدللہ" کہکر دودھ کا پیالہ لے لیا اور دو چار گھونٹ پی کر پانی کے لئے اصرار کرنے لگا۔

عائشہ نے کہا۔ صبر و تحمل سے کام لو بیٹا! میں تمھیں ابھی ٹھنڈا پانی پلاؤں گی۔

خالدہ بول پڑی۔ "اے ہے" جب بے تابی کا یہ حال ہے تو بے چارے بھوکے پیاسے علیسائیوں سے کیا لڑیں گے، آپ نے کبھی روزے بھی رکھے ہیں۔

سالم مسکرانے لگا۔ اس کا خیال بٹ گیا۔ اُس نے پھر پانی طلب نہ کیا۔

عائشہ خالدہ کی چالاکی کو سمجھ کر مسکرانے لگیں لیکن رابعہ کو نہ جانے کیوں غصہ آگیا! اس نے خالدہ کی پیٹھ میں زور سے چٹکی بھری۔

خالدہ "لے لو، میری پیٹھ نہ جانے کس نے کاٹ کھائی، خیر بولئے نا؟ آپ کبھی علیسائیوں سے لڑے، بھا اور روزے بھی رکھے ہیں؟

سالم نے ہنس کر کہا۔ اب لڑنے جا رہا ہوں۔ رہے روزے، تو آج افطار ہو گیا۔ کل رکھ لوں گا۔

سب ہنسنے لگے، اتنے میں عاصم بھی آ گئے، ان کی اجازت سے سالم کو تھوڑا سا پانی دیا گیا۔ بتدریج پانی پینے سے اسے نیند آ گئی۔

عائشہ نے رابعہ اور خالدہ کو تیمارداری کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"سالم کو نیند آ گئی ہے۔ اسے آرام سے سو جانے دو۔ لیکن تم دونوں بہنیں خاموشی سے اس کی نگرانی کرو۔ اگر اس کی آنکھ کھلے اور غذا یا پانی مانگے تو اب اسے غذا ہی دینے کی ضرورت پیش آئے گی، مجھے مطلع کرنا۔"

سالم چار بجے تک بے خبر پڑا سوتا رہا۔ آفتاب میں اب بھی حدت باقی تھی۔ مگر دوپہر کی وہ گرما گرمی نہ تھی۔ سایہ ڈھل رہا تھا۔ جھیل کے کنارے نخلستان میں ٹھنڈک آ چلی تھی۔

رابعہ بے حد مسرور تھی۔ آج غالباً اس کی مطلوبہ دولت مل گئی تھی۔ یوں تو وہ بچپن سے آج تک روزانہ ہی بچوں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کو دیکھتی آئی تھی لیکن اس صورت حال نے اس کے دل میں کوئی طلب اور تمنا نہیں پیدا کی تھی۔ اس لئے کسی سے اُس کی یگانگی اور قربت نہ ہوئی۔ لیکن آج زندگی میں پہلی بار ایک نوجوان اس کے خیمے میں اس سے اتنا قریب تر پوری مردانہ وجاہت کے ساتھ اس طرح موجود ہے کہ کسی روک ٹوک کے بغیر وہ اپنی تشنگی دید کو بجھا سکے اور نوجوان سالم کے محاسن کا جائزہ لے سکے۔

سالم اس خیمہ میں داخل ہونے سے پہلے دبے قدموں رابعہ کے دل کے چور دروازے سے داخل ہو چکا تھا۔ دیکھنے کو تو خالدہ نے بھی اُسے ساتھ ہی ساتھ دیکھا لیکن دلوں کے

عجب لگاؤ، انداز، اور معاملات ہیں۔ شاید قدرتی مناسبت ہوتی ہے۔ نظری کشش کے خاص اسباب ہوتے ہیں۔ گلاب کا پھول بے حد حسین ہوتا ہے لیکن ہر شخص کو گلاب ہی کا پھول نہیں بھاتا۔ کوئی لالہ بھی پسند کرتا ہے کوئی جوہی اور چنبیلی۔

خالدہ نے اسی فرق کے تحت سالم کو کسی اور نگاہ سے دیکھا اور رابعہ نے کسی اور ہی نگاہ سے، اگرچہ جذبات و خیالات دونوں ہی کے معصومانہ اور پاک تھے۔ رابعہ چاہتی تھی کہ یہ دن اتنا طویل ہو جائے کہ اس کی شام ہونے ہی کو نہ آئے۔ یہی قائم رہے اور سالم اسی دلفریب انداز میں اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ اول جب محبت کسی دل کو کمین گاہ بناتی ہے تو ایک حیا پرور دوشیزہ کا دل دھڑکتا ہے۔ پھر اس کا دل ڈرنے لگتا ہے۔ طرح طرح کے خوف و ہراس اس کو گھیر لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی اس کی متاعِ عزیز کو چھین تو نہ لے گا۔ کوئی اس کی چوری کو بھانپ تو نہیں رہا ہے۔ نامعلوم طور پر جدائی اس کی زندگی میں خلا تو نہ ڈال دے گی۔ رازِ محبت طشت از بام تو نہ ہو جائیگا دوسری طرف بھی یہی جذبات ہیں یا نہیں، محبت جرم و گناہ تو نہیں ہے۔ اب کیا ہوگا۔ وغیرہ

انہی خیالات کی پُر پیچ وادیوں میں رابعہ کا دل بھٹک رہا تھا۔ ہوس دید اور بڑھتی ہی گئی اور محبت کی آندھیاں اٹھتی رہیں۔ چہرے پر مختلف رنگوں کا مدوجزر اور ایک غیر محسوس بے کلی خالدہ کی نگاہ سے چھپ نہ سکی، وہ چشم پوشی کر کے دانستہ رابعہ کے لئے موقع فراہم کرتی رہی۔ کبھی کبھی چھیڑ خانی بھی کرتی۔ کبھی نماز اور پانی وغیرہ کی معقول وجہ پیش کر کے رابعہ کو تنہا چھوڑ دیتی۔

رابعہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہی۔ مسرت و معصومیت کے ملے جلے جذبات نے اسے ایک مجسم کا ساگن قالب بنا دیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں سالم کے چہرے کا مسطح ہو

پر اعتماد چھاتی پر لوٹ رہی تھیں۔ کیوپڈ اپنا تیر چلا رہا تھا اور ونیس کے قلب و جگر رشک گلستاں بن رہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر سالم کے سینے پر اپنا سر رکھ کر اپنی گھنیری زلفوں سے اسے چھپا دے۔ لیکن اس کی دوشیزگی نے اس کے اس خیال پر خود ہی نفرین کی، وہ بے حرکت بیٹھی رہی۔ آج کی تنہائی بار خاطر نہیں بلکہ خوشگوار تھی۔ اتنے میں خالدہ بے قاموں آکر رابعہ کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

جیسے چور چوری کرتے ہوئے پکڑ جانیکے خوف سے چونک پڑتا ہے۔ اسی طرح رابعہ چونک گئی، خالدہ ہنس پڑی، بے چاری رابعہ شرما گئی۔

خالدہ نے چپکے سے کہا۔

نہ جانے کون بدو ہمارے خیمہ پر قابض ہو کر ایسا گھوڑا بیچ کر سویا ہے جیسے یہ اسی کا گھر ہو۔ جانتی ہو میاں سوداگر نے گھوڑا کس کے ہاتھ بیچا ہے؟ میرے اور دل کس کے ہاتھوں بیچا ہے؟ تمہارے.... یہ کہکر پھر ہنس پڑی۔

رابعہ نے گھبرا کر اس غنچہ کا منھ اپنی مخملیں ہتھیلی سے بند کر دیا۔

رابعہ، یہ کیا بکتی ہو خالدہ!

خالدہ بھلا کب نچلی بیٹھنے والی تھی، اس نے گدگدی کے لیئے اس کے آئینہ جیسے شفاف پیٹ کی طرف اپنی لچکیلی انگلیاں بڑھائیں۔ رابعہ نے جلدی سے اس کے منھ پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور کھسک گئی۔ لیکن خالدہ کے اس غیر متوقع ارادے پر ناگہاں اس کو ہنسی آنے لگی۔

جیسے ترنم کا آبشار پھوٹ پڑا۔ یک وقت چاندی کی گھنٹیاں، چھلا چھل اور جلترنگ اپنے ملے جلے نغمے سے بکھرنے لگے اور سالم کی آنکھ کھل گئی، اس نے دو بے کار خیموں کو آپس میں چہل کرتے دیکھا تو دوبارہ اس نے اپنی آنکھیں پھر اسی طرح بند کر دیں۔

لیکن اب دونوں لڑکیاں سنجیدہ ہوکر کوئی نیا موضوع تلاش کرنے لگی تھیں۔ سالم کا بچپن بھی نوجوانی سے اس ماحول میں ہم آغوش ہوا تھا جہاں اس کی ہم عمر کوئی لڑکی نہ تھی، محلہ اور شہر کی بات نہیں۔ خود سالم فطرۃً بھولا اور سپاہی منش تھا۔ شمشیر زنی شہسواری، نیزہ بازی اور تعلیم و تعلّم اور مذہبی مشاغل کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا کام بھی نہ تھا اور پھر پندرہویں سولہویں سال جہاد میں شریک ہوگیا تھا۔ تلوار کی جھنکاریں تو بہت سنی تھیں لیکن لڑکیوں کے زریں قہقہوں کے پُر کیف ترنم سے گوش نا آشنا تھا نیزہ کی آب و تاب سے سابقہ پڑا تھا۔ لیکن شکریں ہونٹوں کے برقپاش تبسم سے دوچار نہیں ہوا تھا۔

آنکھیں بند کئے پڑے رہنے کے ارادے میں یکایک عصر کی نماز کا خیال کروٹیں بدلنے لگا اس لئے وہ اپنے سابقہ خیال پر نفرت کرتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ اس نے توبہ و استغفار کیا، لاحول پڑھا اُسے بڑا قلق ہوا کہ اس کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی۔

لڑکیاں اسے اُٹھتا دیکھ کر سمٹنے سکڑنے لگیں۔ سالم نے سب سے پہلے وضو کے لئے پانی مانگا۔ خالدہ دوڑ کر پانی لانے کے لئے چلی گئی۔ رابعہ خیمہ میں تنہا شرم و حجاب سے آب آب ہو رہی تھی مگر سالم نماز کے قضا ہوجانے کے باعث اس قدر پریشان تھا کہ اسے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ خیمہ سے کون گیا اور کون ہے اور غالباً اسے یہ محسوس تک نہ ہوسکا کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی اس خیمہ میں موجود ہے۔

خالدہ پانی لے کر آئی تو سالم نے وضو کیا۔ پہلے ظہر کی قضا پڑھی اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کی۔

اب اس کا چہرہ پُرسکون تھا اور معلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی تھکا ہارا سالم ہے جو چند گھنٹے پیشتر بھوک اور پیاس کی شدت سے جاں بلب تھا۔

اس اثنا میں عاصم، عائشہ، رابعہ اور خالدہ سبھی نماز عصر سے فارغ ہو چکے تھے۔

عاصم نے خیمہ میں داخل ہو کر السلام علیکم کہا۔

سالم نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام۔

سلام میں اس درجہ پیش قدمی اور عجلت عاصم کی طرف سے ہوئی کہ سالم کو سبقت کا موقع ہی نہ مل سکا

معمولی مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے دستر خوان بچھایا گیا اور سالم کو مجبور کیا گیا کہ وہ کھانا کھائے۔ سالم نے عاصم سے شرکت کی درخواست کی وہ مہمان کی خاطر شکنی نہ کر سکے، مصلحتہً بیٹھ گئے۔ سالم نے آہستہ آہستہ تھوڑا بہت کھا کر ہاتھ کھینچ لیا جس سے ثابت ہوا کہ وہ علم طب سے آگاہ ہے اور جانتا تھا کہ اندریں حالات شکم سیر ہو کر کھانا پینا طبی اصول سے مناسب نہیں ہے اس نے پانی بھی کم سے کم پیا۔

یہ قدرتی علاج تھا اس لئے سالم کو کوئی گرانی نہ ہوئی بلکہ شام تک اس کی طبیعت بشاش ہو گئی۔ ورنہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بھوک کی شدت میں لوگ پانی کھینچ کر پی لیتے یا کھانا زیادہ کھا لیتے ہیں جس سے اکثر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں

مغرب کی نماز کے بعد عاصم نے سالم کا عائشہ، رابعہ اور خالدہ سے تعارف کرایا اور بتایا کہ جب تم نچلے تھے تو عائشہ نے تمہیں گودیوں کھلایا ہے اس نے دوبارہ عائشہ کو انتہائی عقیدت سے سلام کیا۔

عاصم نے کہا ان دونوں بھائی جب ہماری ملاقات کے لئے تمہاری والدہ کو لیکر طائف میں آیا کرتے۔ طائف میں ان کا ننھیال تھا اور تمہاری والدہ سے عائشہ کا رشتہ

بھی ہے۔ اس لئے تم ہمارے اور عائشہ کے لئے غیر نہیں ہو۔

(پھر ذرا رک کر) اس طرح میاں سالم تم میرے بھتیجے ہوا ور عائشہ کے بھانجے ہو، سمجھے؟

سالم نے بہت ادب سے جواب دیا۔

"جی ہاں! مجھے معلوم ہے، چلتے ہوئے والدہ ماجدہ نے بتایا تھا۔

عاصم۔ اور یہ تمہاری بہن، میری بیٹی رابعہ ہے اور خالدہ.....

خالدہ کی طرف اشارہ کر کے حضرت عاصم ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ شوخ خالدہ بول اٹھی۔

"جی ہاں! میں تو گویا ان کی کوئی بھی نہیں۔

سالم جلدی سے بول اٹھے۔

"نہیں نہیں تم بھی میری بہن ہو۔"

عاصم۔ سچ تو ہے، اس لئے کہ تم رابعہ کی چچا زاد بہن ہو اس لئے سالم کی بہن بھی ضرور ٹھہریں۔

خالدہ نے ہنس کے کہا۔ شکریہ

عاصم مسکرا کر بولے

"اب تو تمہاری دلجمعی ہو گئی نا خالدہ!

عائشہ نے کہا۔

بھئی سالم! خالدہ میری بڑی شوخ بیٹی ہے اس کو تم نے بہن بنا لیا اچھا ہی کیا۔ لیکن اس کی شرارتوں سے ذرا ہوشیار رہنا۔

عاصم۔ یہ تو تم نے درست کہا عائشہ! سالم کو اس کی شرارتوں سے ذرا

ہوشیار ہی رہنا چاہیئے۔

(خالدہ نے منہ بنا کر کہا) دیکھئے بھائی جان وہ کوئی اور خالدہ ہوگی جس سے یہ لوگ آپ کو بدگمان کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ میں تو بالکل شریر نہیں ہوں، البتہ میری رابعہ بہن ....

عاصم نے ہنس کر کہا۔

سالم! تم نے دیکھ لی اس کی صفائی؟

سالم نے مسکرا کر کہا۔

"خالدہ بہن بڑی نیک ہیں۔

خالدہ۔ الحمد للہ، کم از کم ایک مسلمان تو میری نیکی کا گواہ ہوا۔

اس کے بعد باتیں دوسرے موضوع پر شروع ہوگئیں۔ حضرت عاصم نے اہل مدینہ اور خلیفہ کا حال دریافت کیا۔ سالم کی والدہ کی مزاج پرسی کی، سفر کا حال معلوم کیا، پھر پوچھا۔

"اب تمہارا کیا حال ہے؟ میری رائے ہے کہ کل سفر ملتوی کر دوں تاکہ تم کو ایک دن آرام مل جائے۔"

سالم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں بالکل اچھا اور سفر کے قابل ہوں۔ میرے لئے سفر میں تاخیر نہ کیجئے۔ حلب میں ہماری شدید ضرورت ہے۔ میری آج کی کمزوری کو اللہ تبارک و تعالیٰ معاف کرے کہ میری وجہ سے آج شام کا سفر رک گیا۔

حضرت عاصم نے کہا۔ اب یہاں سے راستہ تکلیف دہ نہیں، انشاء اللہ ہم لوگ تیز چل کر اس تاخیر کی تلافی کر لیں گے۔

سالم۔ تو بس بعد نماز فجر کوچ کر دیجئے، میں بالکل تیار ہوں۔
غرض بات طے ہو گئی، پورے دستے میں اعلان کر دیا گیا کہ بعد نماز سفر ہے۔
پھر عشا کی نماز پڑھ کر سب نے سادہ غذا نوش کی اور کچھ دیر آرام کرنے کے لئے
اُٹھ گئے۔

رابعہ کے چہرے کی بشاشت اور رونق سالم کی تندرستی کے بعد عود کر آئی تھی وہ
بھی خالدہ کے ہمراہ اُٹھ گئی۔

خالدہ نے چلتے چلتے پھر چھیڑا، دیکھئے بھائی جان کل کے سفر میں روزہ نہ رکھئے
گا ورنہ بیہوشی کا امکان ہے۔ میں آپ کے لئے بہترین کھانوں کا انتظام رکھوں گی۔
سالم ہنسنے لگا، لیکن رابعہ کو غصہ آگیا، اس نے زور سے خالدہ کی کمر میں
نوچ لیا۔

خالدہ۔ اُوہ! آج نہ جانے کیوں صبح ہی سے تم بلا بن گئی ہو، مجھے ناحق نوچے
ڈالتی ہو۔

اچھا بھائی جان! السلام علیکم، میں اپنی شامت اپنے ساتھ لیے جا رہی
ہوں، دیکھئے صبح تک زندہ چھوڑتی ہیں، یا نہیں، مگر، خیر آپ کے لئے کوئی
خطرہ نہیں، شب بخیر۔

سالم نے ہنستے ہوئے جواب سلام دیا اور ان چھلاووں کو دیکھتا رہا جو کمرے
سے رخصت ہو رہی تھیں۔

آج اس کا دل ایک نامعلوم جذبۂ مسرت سے معمور و سرشار تھا، وہ کچھ دیر
تک اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر جوانی کی میٹھی نیند دبے پاؤں آئی اور اسے
اپنی آغوش میں لے کر بھینچ لیا۔

خالدہ نے ہر چند رابعہ کے دل کا حال معلوم کرنا چاہا، لیکن اس نے سرے سے اس بات ہی کو ٹال دیا۔ آج کی رات اس کے تخیل کی رنگین رات تھی، آج اس کی دوشیزگی کسی نئے تصور اور پُرلطف تخیل سے ہمکنار ہو رہی تھی اور وہ خود بخود شرمائی جا رہی تھی۔ ہر پھر کر ایک ہی مرکز خیال تھا اور وہ تھا۔ آج کا مہمان ......

میٹھے اور پُرکیف خواب، سہانی اور نکہت بار نیند، ایک دلچسپ ماحول میں معصوم اور الھڑ جوانی اپنے تحت الشعور میں اپنے سوا کسی اور ہستی کو سوچ رہی تھی۔ وہ ہستی بار بار لوح دل پر اُبھر رہی تھی۔ ایک انجان مہمان بے دھڑک خلوت دل کی راہ سے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر خیمہ زن ہو رہا تھا۔ اور رابعہ کی معصوم نگاہیں نیند میں بھی سالم کی چوڑی چکلی چھاتی اور اس کے بیاض رخسار میں اپنے لئے رگ کشش پا رہی تھیں نیند میں بھی طوفانی تخیل قیامت کی چال چل کر آ تا رہا۔ تاآنکہ رابعہ جھنجھلا اٹھی، وہ جھٹک کر اس تخیل کو پرے پھینک دینا چاہتی تھی۔ اس کی دوشیزگی کے وقار کو ٹھیس لگ رہی تھی۔ اس کی معصومیت اس کی متحمل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن شاید آج اس کے دل و دماغ دونوں بغاوت پر آمادہ تھے یا اس کی جھنجھلاہٹ پر دونوں مسرور۔

خالدہ کی نیند بھی اس منظر سے اُچٹ گئی تھی۔ وہ خاموش پڑی ہوئی پریوش رابعہ کی جھنجھلاہٹ سے محظوظ ہو رہی تھی۔

جب کروٹوں پر کروٹیں بدلنے کے بعد بھی رابعہ کو نیند نہیں آئی تو اسے اپنے اوپر غصہ آ گیا۔ ٹھیک اسی وقت خالدہ نے اسے چھیڑا۔

"اس میں غریب نیند کا کیا قصور پیاری بہن! تمہارے دل میں چور ہے"۔

رابعہ، تو خود چور ہو گی شریر کہیں کی، میرے دل میں چور کیوں ہونے لگا البتہ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔

رابعہ کہنے کو یہ بات کہہ تو گئی لیکن خالدہ کی آواز سُنتے ہی اس کا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا تھا اور شرم کے مارے پسینے پسینے ہوگئی، گویا واقعی اس کے دل میں چور تھا

خالدہ۔ تو کیا جاکر امی جان سے (خالدہ بھی رابعہ کی ماں کو امی جان ہی کہتی تھی) کہہ دوں کہ کل کا سفر تمہارے دردِ سر کے باعث ملتوی کر دیا جائے اور سالم بھائی کو رخصت کر دیا جائے۔"

رابعہ (جلدی سے) نہیں! نہیں! اب اتنی بھی طبیعت خراب نہیں ہے کہ میری وجہ سے سفر ملتوی کر دیا جائے۔"

خالدہ۔ تو یوں کہہ میری بھولی بہن! کہ سر میں نہیں دل میں درد ہے۔"

رابعہ نے جلدی سے خالدہ کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور بیکسی سے بولی۔

خالدہ! کیا تو مجھے بدنام کر دے گی؟

خالدہ کو اس پر رحم آگیا، اس نے رابعہ کو بھینچتے ہوئے کہا۔

"رابعہ! میری پگلی بہن! کیا تو مجھ سے ایسی امید رکھتی ہے؟

رابعہ نے خالدہ کے آنچل میں اپنا منھ چھپا لیا۔

خالدہ نے اس کے سیاہ بھنورے جیسے بالوں میں اپنی نازک نازک انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔

"میں سب کچھ سمجھ گئی میری اچھی بہن! تم اطمینان رکھو، تمہارا راز میرا راز ہے میں تمہارے راز کی حفاظت کروں گی۔ اب تم اطمینان سے سو جاؤ اور اپنا چہرہ بشاش رکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا تمہاری حالت کو بھانپ لے۔ رابعہ نے سوچا کہ خالدہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ اس نے کوشش کی کہ نیند آجائے وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوگئی اور آخرکار نیند نے اسے لوریاں دے کر سلا ہی دیا۔

دوسرا باب

کارواں چلتا رہا

صبح کی مسرت انگیزیوں اور عطر بیزیوں میں عاصم کا دستہ مجاہدانہ شان سے گزر رہا تھا۔
پہاڑوں اور جنگلوں کے مناظر یکے بعد دیگرے تسلسل سے آتے اور گزرتے جاتے تھے۔
صاف اور ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے فر فر آتے اور سواروں کے طرہ ہائے دستار اور
عباؤں کے دامن لہرانے لگتے۔ شغدفوں اور محملوں میں خواتین اور بچے سوار تھے۔ اور
ایک طرف کے پردے ہٹا کر دا ہنے بائیں جھانک رہے تھے۔ عاصم بھی گھوڑے پر سوار تھے
اور سالم بھی۔ عاصم کا گھوڑا دستہ کے آگے تھا اور سالم کو سب کے پیچھے عورتوں کے
حفاظتی دستے میں رکھا گیا تھا تاکہ وہ آرام سے سفر کر سکے۔

کارواں چلتا رہا، دشت وجبل آتے اور گزرتے جاتے تھے۔ مسلم دستہ بے خوف وخطر
دشت وجبل کی چھاتیوں کو روندتا اور گھوڑوں کے سموں کے نشان بناتا ہوا شام کے
سرسبز وشاداب ممالک سے گزر رہا تھا۔ جہاں کی آب وہوا معتدل، فرحناک اور خوشگوار
تھی، گرمی اور لو کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ ہر طرف ہریالیاں سر ابھار ابھار کر دعوت
نظارہ دے رہی تھیں۔ وادیاں سبزوں سے ڈھکی ہوئی موسم بہار پر چشمک زنی کر
رہی تھیں اور پہاڑیاں گھنے جنگلوں، خودرو میوہ دار درختوں سے لدی ہوئی جھوم
رہی تھیں۔ جابجا ندی نالے اور جھیل صاف وشفاف چاندی جیسے پانی سے لبریز
درختوں کے سائے میں تیز رو مسافروں کی طرح کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں
تھے۔ جھنڈ کی جھنڈ آبی چڑیاں ایک دوسرے کے پروں میں اپنی چونچیں چھپائے ہوئے
راز ونیاز اور بوس وکنار میں مصروف اٹکھیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ جنگلوں میں

ہرن اور چکارے اُچھل کود کر زندگی کے خاکے میں رنگ بھر رہے تھے۔

بعد سہ پہر شام کے وقت جھیل کے کنارے ایک کھلی جگہ میں ٹھہر گیا۔ خیمے، تنبو تانے گئے۔ قناتیں کھڑی کی گئیں، سراپردے قائم کئے گئے۔ لکڑیوں کا انتظام کیا گیا اور وضو سے فراغت کر کے عورتیں، بچے اور مرد سبھی مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے، کفر و ظلمات کی سرزمین میں خدائے حیّ و قیوم کے نام لیواؤں نے اذان اور قرآن کی آوازیں بکھیر دیں اور کلمۂ توحید سے پہاڑ اور جنگل گونج گئے۔

اس کے بعد کھانے پکانے کی تیاریوں میں لوگ مصروف ہو گئے۔ ویرانہ علاقہ زندگی کی حرارتوں سے جگمگا گیا، بچوں اور لڑکیوں کے آزادانہ مسرت خیز قہقہوں سے جھیل کے کنارے ستار بجنے لگا۔

رات بخیر و خوبی گزر گئی۔ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت عاصم نے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے سفر کے بارے میں مشورہ کیا۔ سب کے سب التوائے سفر پر اس خیال کے بانحت متفق ہو گئے کہ مسلسل لمبے سفر کی بنا پر سب کے کپڑے گندے ہو چکے ہیں۔ حلب بھی قریب تر آ چکا ہے اگر آج کے آج یہاں ٹھہر کر سب لوگ غسل اور کپڑے کی صفائی سے فراغت کر لیں تو مناسب ہے۔ عورتوں اور بچوں کو ایک دن آرام کا مل جائے گا۔

حضرت عاصم نے اس کو منظور کر لیا۔ قافلہ ٹھہر گیا۔ عورتوں کو بھی مطلع کر دیا گیا۔ سب لوگ نہانے دھونے اور کپڑے وغیرہ صاف کرنے میں مصروف ہو گئے۔ عورتیں بھی ایک طرف درختوں کے جھنڈ میں گھری ہوئی ٹھنڈی سی جھیل میں اُتر کر نہانے اور کپڑے دھونے میں مصروف ہو گئیں۔

بچے بھی کلیلیں کرتے پھر رہے تھے۔ بچے اور مرد کہاں اپنے تفریحاً قہقہا

سے چمکیلی جھیل پر گیت برسا رہی تھیں۔

اثنائے سفر کہیں بھی سالم، رابعہ اور خالدہ کی ملاقات کھل کر نہ ہو سکی تھی۔ کبھی کبھی سفر میں رابعہ کی ایک جھلک سالم نے ضرور دیکھی تھی۔ جس نے طرفین کی آتش شوق کو اور بھی تیز تر کر دیا تھا۔

سالم غسل وغیرہ سے فارغ ہوا تو یکایک اس کی طبیعت گھبرانے لگی اس نے بدن پر اسلحہ لگایا اور شکار کے خیال سے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر جانے لگا تو اس کے خادم عرفجہ نے جو اس کے باپ کے زمانے کا معتمد ملازم تھا۔ آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔

یا سیدی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟

سالم اپنے خادم عرفجہ کو چچا کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اس کا احترام کرتا تھا کیونکہ عرفجہ نے اس کو گودیوں کھلایا تھا۔ اس نے کہا۔

یا عم! میں ذرا شکار میں جا رہا ہوں، ابھی واپس آ جاؤں گا۔

عرفجہ۔ "کیا آپ نے حضرت عاصم سے اجازت لے لی ہے؟

سالم۔ "نہیں تو! مجھے اس کا خیال ہی نہ رہا۔

عرفجہ۔ تو جائیے۔ پہلے ان سے اجازت لے لیجئے۔ جب تک میں بھی تیار ہو کر آتا ہوں

سالم۔ ہاں! میں جا کر اجازت لئے لیتا ہوں، لیکن یا عم! تم کہاں تکلیف کرو گے۔ میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔

عرفجہ۔ "نہیں، یا سیدی! یہ دشمنوں کا ملک ہے۔ میں آپ کو تنہا نہ جانے دوں گا۔

سالم خاموش رہا اور گھوڑا بڑھا کر حضرت عاصم کے پاس چلا گیا۔

حضرت عاصم نے پوچھا۔

"کہو میرے بیٹے سالم! تمہارا کیا ارادہ ہے؟

سالم۔ عم محترم! بیٹھے بیٹھے جی گھبرا رہا ہے۔ اگر اجازت ہو تو دو ایک گھنٹے کے لئے شکار میں چلا جاؤں۔

حضرت عاصم کچھ سوچتے رہے۔ پھر بولے۔

تم اکیلے جا رہے ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟

سالم، چچا عرفجہ بھی ساتھ ہوں گے۔

عاصم۔ تب تم جا سکتے ہو، لیکن محتاط رہنا اور دور نہ جانا، یہ دشمنوں کا ملک ہے۔

سالم اجازت پاکر پہاڑ کی جانب روانہ ہوا۔ عرفجہ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ آگے جا کر پہاڑی جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس میں بکثرت شکار نظر آئے۔ سالم نے ایک ہرن پر تیر چلایا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا۔ ہرن دو بار اچھلا اور زمین پر گر پڑا۔ عرفجہ نے بھی ایک ہرن کو تاکا۔ لیکن ان کا ہرن کی پچھلی ران پر پڑا۔ ہرن پہلے تو بدحواس ہو کر چوکڑی بھول گیا۔ یکایک سنبھلا اور چکر کھا کے ایک جانب دوڑ لگا دی۔ عرفجہ نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ سالم گرے ہوئے ہرن کو ذبح کرنے میں مشغول تھا۔ جب فارغ ہوا تو ہرن کو ایک چٹان پر رکھ کر وہ بھی پیچھے دوڑ پڑا۔ کچھ دور جا کر ہرن ایک غار میں گرا۔ عرفجہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ سالم بھی پہنچ گیا۔ دونوں نے مل کر ہرن کو باہر نکالا اور ذبح کر دیا۔

جب یہ دونوں اس کام سے فارغ ہوئے تو ان کو کہیں قریب ہی متعدد گھوڑے کی آوازیں سنائی دیں۔ ان دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔

سالم اور عرفجہ نے اپنے گھوڑوں کو ایک بڑی چٹان کی آڑ میں چھپا دیا اور خود ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

پہاڑی کے جنوبی حصے میں جو بالکل صاف ستھری وادی تھی۔ کئی سو خچر سامان رسد سے لدے ہوئے کھڑے تھے اور بہت سے گھوڑے کچھ فاصلے پر بندھے ہوئے تھے۔ عیسائیوں کا ایک دستہ جو تقریباً پانچسو افراد پر مشتمل تھا آرام کر رہا تھا۔

خوش قسمتی سے یہ اونچی چٹان اونچے اونچے تناور درختوں اور جنگلی بیلوں سے اس طرح ڈھکی ہوئی تھی کہ نیچے کے آدمی ان دونوں کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے لیکن یہ دونوں عیسائیوں کی ہر حرکت کو دیکھ رہے تھے۔

سالم نے عرفجہ سے کہا۔ یاعم! تم کچھ اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ عیسائی کتنی تعداد میں ہوں گے۔؟

عرفجہ نے کہا۔ یاسیّدی! یہ تقریباً پانچ سو ہیں اور کہیں سے سامان رسد لیکر حلب جا رہے ہیں۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا؟" سالم نے پوچھا۔

عرفجہ۔ "میری رائے تو یہ ہے کہ آپ شکار لیکر واپس جائیں۔ میں ان کی نگرانی کرتا ہوں۔ آپ تنو مسلمانوں کو لیکر آجائیں اور ہم ان کو مار لیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ دشمنوں پر ہماری دھاک بھی بیٹھ جائے گی اور رسد ضائع ہونے سے ان کو تکلیف بھی پہنچے گی۔

سالم، یاعم! تم ہی جا کر حضرت عاصم کو مطلع کرو، میں یہاں نگرانی کرتا ہوں۔

"نہ۔ نہ! یہ کام آپ نہ کریں۔ میں اس جنگل میں ان کی نگرانی کا کام بہتر کر سکتا ہوں اور میرا گھوڑا بھی خاموشی کے ساتھ میرا ساتھ دے گا۔

سالم نے ہرن کو گھوڑے پر لادلیا اور وہاں آیا۔ جہاں اس نے اپنا تنو کا

چھوڑا تھا۔ ہرن چٹان پر پڑا ہوا تھا۔ سالم نے اسے بھی گھوڑے کی پشت پر لاد لیا۔ اور جنگل سے باہر نکل کر تیز دوڑتا ہوا لشکر کی طرف چل پڑا۔ وہ بہت جلد حضرت عاصم کے خیمہ کے سامنے پہنچ گیا۔ ابھی بہت سی لڑکیاں اور رابعہ وخالدہ وغیرہ جھیل سے واپس بھی نہیں آئی تھیں۔ حضرت عاصم خیمہ کے سامنے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ سالم نے گھوڑے سے اُتر کر ہرن زمین پر رکھ دئے۔

حضرت عاصم نے پوچھا۔

"عرفجہ کہاں ہیں؟"

سالم: "یا عاصم! میں ایک خوشخبری لایا ہوں" سالم نے کہا۔

عاصم: "مبارک ہو، وہ کیا ہے؟"

سالم: "یا عاصم! عیسائیوں کا ایک دستہ بہت سا رسد لئے ہوئے پہاڑ کے دامن میں بے فکری سے پڑا ہوا ہے۔ عرفجہ ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔

عاصم: "بہت خوب، پھر انھوں نے زور سے آواز دی" یا انصار الدین!

لبیک، لبیک، چاروں طرف سے غلغلہ بلند ہوا۔ اور سب دوڑ کر حضرت عاصم کے پاس آ گئے

جب تمام لوگ مجتمع ہو گئے تو حضرت عاصم نے ان میں سے دو سو آدمیوں کو منتخب کیا اور سالم کی رہبری میں نہایت احتیاط کے ساتھ جنگل کو عبور کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جہاں عرفجہ بیٹھے ہوئے نگرانی کر رہے تھے۔

جیسے ہی مسلمانوں کے دستے کو آتے ہوئے عرفجہ نے دیکھا تو وہ چٹان سے اُتر کر قریب آئے اور لبوں پر انگلی رکھ کر خاموشی کا اشارہ کیا اور بالکل پاس آ کر نہایت آہستگی کے ساتھ کہا۔

عرفجہ۔ دشمن نہایت اطمینان سے بے خوفی کی نیند سو رہے ہیں۔ ہمیں نہایت ہوشیاری سے ان کے سر پر پہنچ جانا چاہیئے۔

(پھر حضرت عاصم سے مخاطب ہو کر)

"یا سیدی! لیکن ایک بڑے اچنبھے کی بات ہم نے دیکھی ہے۔"

عاصم۔ "وہ کیا؟ جلدی کہہ ڈالو۔"

"عرفجہ" یہ نامرد علیائی کچھ مسلمانوں کو بھی کہیں سے گرفتار کر لائے ہیں، اور یہ علیائی زیادہ تر عرب نصرہ ہیں۔"

عاصم، "تم نے کیسے جانا کہ ان میں کچھ مسلمان قیدی بھی ہیں؟"

عرفجہ نے کہا۔ "ہم نے ان کو پا بزنجیر نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔"

عاصم۔ "تب تو خدا ہی نے ہمیں ان کی امداد کے لئے بھیجا ہے۔ عرفجہ! اب تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

دیکھیئے، اُس زمانے کے مسلمانوں میں کتنی رواداری اور اخوت تھی کہ ایک نامی گرامی صحابی اور ایک دستہ کے معزز سردار ایک غلام سے مشورہ طلب کر رہے تھے اور واضح رہے کہ عرفجہ بھی قدیم الایمان تھے۔ صحابی تھے۔ سالم کے باپ حضرت کعب نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ وہ محض سالم کی محبت کی بنا پر ان کی خدمت سے وابستہ تھے اور حضرت کعب کے انتقال کے بعد خانہ داری اور جائداد و باغ کے تمام انتظامات انھیں کے ہاتھ میں تھے اور وہ یہ سب کچھ سالم کے لئے کرتے تھے۔ اور ہر شخص ان کی عزت کرتا تھا۔

عرفجہ نے کہا کہ میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ میں کچھ آدمیوں کو ہمراہ لیکر خاموشی سے جاؤں، کچھ لوگ بار برداری اور سواری کے تمام جانوروں پر قبضہ کرلیں اور کچھ لوگ

جلد جلد مسلمان بھائیوں کو آزاد کردیں۔ جب تک ہم لوگ یہ کام کریں۔ آپ لوگ ان کو گھیرے میں لے لیں۔"

عاصم "بے شک یہ صائب رائے ہے، تم اللہ کا نام لے کر اپنا کام شروع کردو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ ہم اس دستہ پر تم کو افسر مقرر کرتے ہیں۔

(پھر عام مسلمانوں سے مخاطب ہو کر) دشمنوں کو گھیرے میں لے کر پہلے ان کو بیدار کردینا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ دن میں سوتے ہوئے علیسائیوں پر حملہ کیا جائے۔ یہ ہماری روایات کے خلاف ہے۔"

سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

یہ تھے اس وقت کے مسلمان کہ دشمن کے مقابلے میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہوتے ہوئے انھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ سوتے میں ان پر حملہ کیا جائے۔ حالانکہ اگر ان علیسائیوں کو صرف دس سوتے ہوئے مسلمان بھی مل جاتے تو وہ ہرگز یہ رعایت نہ کرتے۔

بہرحال عرفجہ پچاس مسلمانوں کو ہمراہ لے کر جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے بار برداری اور سواری کے جانوروں کے پاس پہنچ گئے اور جلدی جلدی انھیں کھول کر دور ہنکا لے گئے۔ مسلمان قیدی ابھی نماز سے فارغ ہوئے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کرسکتے تھے، کیونکہ ان کی زنجیروں کے سرے چند علیسائی اپنی کمروں میں لپیٹے ہوئے سو رہے تھے۔

عرفجہ دس مسلمانوں کو لے کر آگے بڑھے، ان مسلمانوں نے بسم اللہ کہہ کر اپنی تلواریں زنجیروں پر ماریں۔ خدا کی شان کہ زنجیریں تار عنکبوت کی طرح کٹ گئیں۔ قیدی مسلمان خوش ہو کر پھرتی سے اُٹھے اور اپنے بھائیوں سے مل گئے۔ زنجیروں کے کٹنے سے جو جھٹکا لگا تو علیسائی چونک کر ہڑبڑاتے ہوئے اُٹھے۔ مگر ان کی

حیرت اور رعونت کی کوئی انتہا نہ رہی جب گھنی داڑھیوں اور لمبی عباؤں والے عربوں کو شمشیر برہنہ کھڑے دیکھا۔

اتنے میں حضرت عاصم کے دستے نے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اس نعرے سے دشت وجبل گونج اٹھے۔ دشمنوں کے قلوب دہل گئے۔ گھبرا کر سب اٹھ بیٹھے۔ سب سے پہلے ان کی نگاہ قیدیوں کی طرف گئی جو اب آزاد ہو چکے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے گھوڑوں اور خچروں کی طرف دیکھا جو سامان رسد سے لدے پھندے ہوئے ان کے قبضے سے باہر تھے۔

وہ سخت حیران اور سراسیمہ ہو کر دیکھ رہے تھے کہ یہ آفت ناگہانی کہاں سے آئی۔

مسلمانوں کو بہت کافی موقع ملا تھا اگر وہ ان کی سراسیمگی اور حیرانی یا نیند سے فائدہ اٹھانا چاہتے تو شاید عیسائیوں کو سر اٹھانے کی بھی مہلت نہ ملتی۔ لیکن مسلمانوں کی فطری بہادری کا ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے نعرۂ تکبیر لگا کر عیسائیوں کو بیدار کیا۔ پھر اسی نعرے کو دہرا کر ان کو دوبارہ ہوشیار کر دیا۔

اب بھی مسلمان تلواریں سونتے ہوئے کھڑے تھے۔ لیکن کسی نے بھی پیش دستی نہیں کی۔ یہاں تک دشمن اٹھ لئے سیدھے مسلح ہو گئے۔ اس وقت ایک مسلمان آگے بڑھا اور للکار کر بولا۔

"اگر تم لوگ خاموشی سے اپنے ہتھیار حوالے کر کے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دو تو قتل وخون سے بچ جاؤ گے۔"

عیسائیوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان ان سے بہت ہی کم تعداد میں ہیں اس لئے انھوں نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور انھوں نے اس کو مسلمانوں کی

مکروری کا یہ معمول کیا۔

ان کا دماغ اس عارضی کامیابی سے بھی بڑھ گیا تھا کہ ایک روز قبل آدھی رات کو ایک جگہ دس مسلمان سوتے ہوئے ملے جن کو ان لوگوں نے بڑی آسانی سے دبوچ کر گرفتار کر لیا تھا۔

ہوا یہ کہ دس مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا دستہ جنگ حلب میں شرکت کے لئے عرب سے چل کر جب اس جوار میں پہنچا تو کئی روز کی مسلسل دوادوش کے بعد وہ ایک محفوظ مقام پر سو گئے۔ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، پہرہ دینے والے دو نوجوان جو شام ہی سے بیٹھے پہرہ دے رہے تھے۔ اتفاق سے انھیں بھی نیند آگئی اور بد قسمتی سے آنکھ اس وقت کھلی جب وہ ان عیسائیوں کے قبضے میں آگئے۔ لڑائی بھڑائی کا موقع نہ مل سکا ورنہ یہ شاید دس مسلمان گھنٹوں عیسائیوں سے لڑتے اور زندہ گرفتار نہ ہوتے۔ لیکن مشیت ایزدی کے سامنے چارہ نہیں، ان کو اپنی گرفتاری کا ملال تو ضرور ہوا مگر بے صبر نہ ہوئے اور قدرت پر شاکر رہے۔ شاید ان کی گرفتاری میں اللہ کی مصلحت یہ تھی کہ وہ آسانی سے اپنے بڑے دستے سے مل جائیں اور ان کو یہ سبق بھی مل جائے کہ دشمنوں کے ملک میں جا کر غفلت مہلک بن جاتی ہے۔

یہی وہ دس قیدی تھے جن کی زنجیریں کاٹ کر عرفجہ اور ان کے ساتھیوں نے آزاد کر دیا تھا۔ عیسائیوں کو اس عارضی اور وقتی کامیابی پر اس قدر گھمنڈ تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور جنگ آمادہ ہو گئے۔ ان کو یقین تھا کہ ہماری تعداد زیادہ ہے ہم ان مسلمانوں کو مار بھگائیں گے یا گرفتار کر لیں گے۔

اس لئے وہ بھی ڈھالیں اور تلواریں لے کر بڑھے۔ حملے میں پیش دستی کی حضرت عاصم نے تیسری بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ اعلان جنگ تھا۔ تلواریں تلواروں سے

ٹکرائیں اور وادی جھنجھنا اٹھی۔

اگرچہ لفرے لگانا حزم و احتیاط کے خلاف تھا۔ یعنی یہ عین ممکن تھا کہ آس پاس میں علیسائیوں کا اور بھی کوئی لشکر موجود ہوتا اور وہ آگاہ ہو کر دوڑ پڑتا۔ لیکن مسلمانوں نے اس کی قطعی پروانہ کی۔

اب اُن دس قیدی مسلمانوں کا حال سنیئے جو ابھی ابھی آزاد ہوئے تھے، ان کو ان بزدل علیسائیوں پر بہت غصہ تھا کہ ان بدبختوں نے ان پر نیند اور بے خبری میں قبضہ کیا تھا۔ انھوں نے بھی حضرت عاصم سے اجازت لے کر بھوکے شیروں کی طرح حملہ کیا۔ اور اس حملہ میں دس سر تن سے جدا ہو گئے اور فوراً ہی دوبارہ ان کی تلواریں اٹھیں اور جھکیں تو دس اور مقتول ہوئے۔ علیسائی جھجک کر پیچھے ہٹے۔ یہ دس مسلمان آگے بڑھے اور پھر تلواروں نے اپنا کام تیزی سے کیا۔ علیسائیوں کی بدحواسی ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی اور کئی علیسائی کشتہ ہو کر گرے۔ ان کو اتنا غصہ تھا کہ وہ سارے علیسائیوں کو خود ہی چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور دشمنوں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ یہی ہر مسلمان کے حملے کی شان تھی۔ نصف گھنٹے میں مسلمانوں نے آدھے علیسائیوں کو کاٹ چھانٹ کر زمین پر ڈال دیا اور ابھی تک کسی مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹی تھی وہ جلدی جلدی اس طرح ان کا صفایا کر رہے تھے جیسے کوئی کسان کھیت کی پکی ہوئی فصل کو بادوباراں کی آمد سے پہلے جلدی جلدی کاٹتا ہو۔

اب علیسائیوں کو پچھتاوا آیا کہ ناحق انھوں نے مسلمانوں کو کم سمجھ کر جنگ مول لی۔ لیکن اب ان کو غصہ بھی اس لئے آنے لگا تھا کہ وہ اپنی جانوں سے ناامید ہو چلے۔ حیات کا وقفہ بڑی تیزی سے قلیل تر ہو کر مٹ رہا تھا اور موت اپنے

نیزیروں سے اڑتی ہوئی آ کر عیسائیوں کا گلا دبوچ رہی تھی۔ عیسائیوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ ایک بار پھر حملہ کیا لیکن مسلمان جیسے لوہے کے بنے ہوئے انسان تھے جن پر نہ دشمنوں کا غصہ اثر کر رہا تھا اور نہ تلوار تاہم ایک بار پھر تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں۔ اور پھر کچھ عیسائیوں کے سر زمین پر آ رہے۔ اور دوسرے حملے میں کچھ اور بھی سرا دلو ں کی طرح برس پڑے۔ معدود۔ سے چند بچے کچھے عیسائی ہتھیار پھینک کر لڑتون لڑتون (امان امان) چلاتے ہوئے بدحواسی میں پہاڑ کی طرف بھاگے اور بھاگ گئے اپنا گئے سوائے دو چار۔ گے سب لقمہ اجل بن گئے۔

اب بھی کچھ مسلمان پیچھے لگے ہوئے بڑھ رہے تھے کہ عاصم نے مسلمانوں کو آواز دیکر واپس بلا لیا اور کہا کہ چھوڑ دو ان بزدلوں کو تاکہ یہ جا کر اپنے افسروں کو اپنی اور رسد کی بربادی کی داستان سنا سکیں۔

مسلمان منظفر و منصور رسد اور گھوڑوں کا جملہ سامان لے کر اپنے خیمے کی طرف لوٹے۔ حضرت عاصم نے اثنائے راہ عرفجہ اور سالم کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے کامیابی اور فتح کا ایک ذریعہ پیدا کیا۔

پھر ان دس مسلمان قیدیوں سے حالات پوچھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ یمن سے چل کر اسلامی لشکر میں شامل ہونیکے لئے جا رہے تھے۔ چونکہ دشمن ملک کے حالات سے باخبر نہ تھے اور مسلسل کئی روز سے سفر کرتے آ رہے تھے اس لئے نتائج سے بے پروا ہو کر ایک محفوظ مقام پر سو رہے اور نتیجہ میں ایک دن ایک رات قید و بند میں مبتلا رہے۔

ان کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ ان کو ہاتھ پاؤں ہلانے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

حضرت عاصم نے کہا اللہ کا ہر کام مصلحت پر مبنی ہے اسطرح ہماری اور آپکی ملاقات لکھی تھی۔ مسلمانوں نے اعتراف کیا کہ سچ ہے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ ہم جلد ہی اپنوں میں مل گئے۔

تیسرا باب

ایک ناگہانی حادثہ

مسلمان خرم و مسرور رسد اور بار برداری کے بہت سے جانور اور قیمتی سامان لئے ہوئے جنگل عبور کر کے باہر نکلے تو انھیں چند مسلمان سوار اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔

حضرت عاصم نے دیکھا کہ یہ انھیں کے کیمپ کے لوگ ہیں۔ وہ سخت حیران ہوئے کہ یہ خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر ادھر کیوں آرہے ہیں۔

اتنے میں وہ سوار قریب آگئے اور السلام علیکم کہہ کر مخاطب کیا۔

وعلیکم السلام کہہ کر حضرت عاصم نے پوچھا۔

خیر بتا ہے، آپ لوگ کہاں؟

ایک نے بڑھ کر کہا۔

"یا امیر! ہم آپ ہی کی تلاش میں نکلے ہیں۔

کیوں، کیا بات ہے؟" حضرت عاصم نے پوچھا

ان میں سے ایک مسلم نوجوان نے جس کا نام ہاشم تھا۔ آگے بڑھ کر کہا۔

"ہم ایک افسوس ناک خبر لے کر آئے ہیں، اور یقین جانئے، ہمیں حد درجہ پریشانی اور شرمندگی ہے۔

عاصم۔ بتاؤ تو، کیا بات ہے؟

"ہوا یہ کہ ہم لوگ جھیل کے اس حصے سے الگ تھے جہاں ہماری خواتین کپڑے دھونے اور غسل کرنے میں مشغول تھیں۔ رفتہ رفتہ تمام خواتین

خیموں میں واپس آگئیں اور اس کے کافی دیر کے بعد بہن خالدہ بھی واپس آ ئیں لیکن رابعہ بہن کا کہیں پتہ نہیں۔ تمام خواتین اور بہن خالدہ کا بیان ہے کہ خالدہ اور رابعہ یہ دونوں سب سے پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہوئیں اور جھاڑیوں میں آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی دور تک نکل گئیں۔ کافی عرصے کے بعد جب بہن خالدہ کو رابعہ نہ ملیں تو ان کو خیال ہوا کہ شاید نظر بچا کے وہ خیمہ میں واپس آگئیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ وہ خیمہ میں واپس نہیں آئیں۔ پھر تمام مسلم خواتین اور بہن خالدہ نہایت پریشان ہوئیں اور جھیل کے کنارے انھوں نے کئی چکر لگائے پھر ہم لوگوں کو اطلاع ملی تو ہم میں سے پندرہ آدمی ان کی تلاش میں گئے اور جھیل کے کنارے دور دور تک ڈھونڈ ڈالا۔ مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر کچھ گھوڑے ضرور بندھے ہوئے تھے۔ کیونکہ تازہ لید وہاں موجود تھی۔

بادرجۂ مجبوری ہم میں سے دس آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر تلاش میں آگے چلے گئے اور ہم پانچ آدمیوں کو آپ کی اطلاع کے لئے بھیجدیا گیا۔

حضرت عاصم خاموشی کے ساتھ یہ المناک قصہ سنتے رہے اور پوری بات سننے کے بعد صرف اتنا ان کی زبان سے نکلا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کہکر انتہائے حزن وملال سے انھوں نے اپنی گردن جھکالی۔ تمام مسلمانوں کو بے حد قلق ہوا اور فتح وکامرانی کی تمام مسرت رنج وغم سے مبدل ہوگئی۔ لیکن سالم کی حالت کچھ اور ہی تھی۔ اس خبر نے اس کے بدن سے گویا جان نچوڑ لی وہ بت بنا ہوا اس قصہ کو سنتا رہا۔ وفور رنج ودرد سے اس کا سینہ پھٹنے کے قریب آگیا۔ سانس ہچکولے کھانے لگی۔ اگر شرم و

بدنامی کا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو شاید وہ چیخ مار کر گر پڑتا یا پر لگا کر اسی سمت اُڑا جاتا، جدھر اس کی روح و جان لے جائی گئی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنے گھوڑے کی راس بڑھائی اور بے تحاشا خیمے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی سب تیز چلے اور کیمپ میں آ گئے۔

یہاں رابعہ کی ماں روتے روتے بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے اور سسکیاں تھیں کہ رکتی نہ تھیں۔ ساری عورتیں محزون و ملول تھیں لیکن رابعہ کی ماں کو صبر کی تلقین کر رہی تھیں۔

عاصم نے آکر سب سے پہلے ان دس افراد کے متعلق پوچھا جو تلاش میں گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ ابھی واپس نہیں لوٹے ہیں۔

عاصم نے جا کر بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی جس پر انھوں نے رو رو کر کہا کہ میں تو اس سفر میں لٹ گئی۔ میں کہیں کی نہ رہی۔ ہائے اللہ! میری بچی کہاں گئی۔ کہیں جھیل میں گر کر ڈوب تو نہ گئی۔

عاصم نے کہا کہ صبر کرو، مشیت ایزدی میں چارہ نہیں۔ خدا کی ناشکری نہ کرو، اس سے بہتر امید رکھو، اللہ ہم کو مایوس نہیں کرے گا۔ ہم اس کی تلاش میں جاتے ہیں۔

خالدہ نے پاس آکر روتے ہوئے کہا، یا عم! میں کیا کروں؟ میں تو ایسا سمجھتی ہوں کہ میری ہی غلطی سے میری بہن کھوئی گئی ہے۔ میں ہی قابل سزا ہوں۔

واضح رہے کہ اس سفر میں خالدہ کی ماں شریک نہ تھیں، گھر کے انتظامات کے پیش نظر حضرت عاصم نے انھیں وطن ہی میں چھوڑ دیا تھا۔

عاصم نے خالدہ کا جواب دیا۔

"نہیں میری بچی! تیرا کیا قصور ہے۔ تو اپنا دل چھوٹا نہ کر۔ اللہ مسلب الاسباب اور رابعہ کا محافظ ہے۔

یہ کہہ کر وہ باہر آ گئے اور خود تلاش میں جانا چاہا تو سالم نے دست بستہ عرض کیا۔

"یا عم! آپ پر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ آپ کہیں نہ جائیں۔ مجھکو اجازت دیں۔ میں تلاش میں جاؤں گا۔ خدا کرے مجھے کامیابی ہو۔ آپ میرا دو روز یہاں انتظار کریں۔ اگر میں اس اثنا میں آ گیا تو خیر ورنہ آپ آگے بڑھ کر مسلمانوں سے مل جانے کی کوشش کریں۔ میں وہیں حاضر ہوں گا۔

عاصم:۔ "تم اپنے ساتھ کتنے آدمیوں کو لے جاؤ گے؟

سالم نے جواب دیا کہ میں زیادہ سے زیادہ چچا عرفجہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ زیادہ آدمیوں کے ساتھ میں اچھی طرح جستجو نہ نہ کر سکوں گا۔

عرفجہ بجائے خود بے حد پریشان تھے اور انھوں نے قیافے سے معلوم کر لیا تھا کہ ان کے آقا سالم کو رابعہ سے لگاؤ ہے۔ اس لئے وہ سالم کے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئے۔ کہ سالم نے ان پر بھروسا کیا۔ دوسرے یہ کہ عرفجہ کو سالم سے قلبی محبت تھی وہ کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ان دیکھے ملک میں ان کا آقا تنہا جائے۔

حضرت عاصم نے کہا کہ "نہیں، میں یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ دشمن ملک میں تم صرف دو آدمی کہیں دور جاؤ۔ اور خدا نخواستہ رابعہ کے ساتھ میں تمھیں بھی کھو دوں۔

تم پچاس آدمیوں کو منتخب کر لو اور راستہ میں اگر وہ دس آدمی تم کو مل جائیں تو ان کو بھی ہمراہ لے کر خدا کے نام و استعانت کے ساتھ جاؤ۔ میری اور تمام مسلمانوں کی دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔

لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا۔ اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالنا۔ اور اگر دشمن کے کسی بڑے جتھے سے مڈبھیڑ ہو جائے تو کسی کو دوڑا کر ہمیں خبر کرنا۔ اور ہاں! جانے سے پہلے ذرا اپنی خالہ سے مل کر انھیں تسکین و اطمینان دلاتے جاؤ۔

سالم۔ مجھے عاری ہے تاہم میں آپ کا حکم رد نہیں کر سکتا۔ پچاس آدمی بہت ہوتے ہیں جن کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ ان میں سے پندرہ آدمیوں کو سفر اور صعوبت کے لئے منتخب کر لیجئے۔ میں دس آدمیوں کو آگے لے لوں گا۔ چچا عرفجہ کی موجودگی میں مجھے کسی کی ضرورت نہ تھی لیکن خیر۔ جب تک میں خالہ جان سے مل کر آتا ہوں۔

یہ کہکر سالم زنانے خیمے کی طرف چلا گیا۔

ان کے جانے کے بعد عرفجہ نے حضرت عاصم سے کہا کہ سالم کا خیال بالکل درست تھا۔ ہم دونوں بھیس بدل کر جاتے۔ لیکن آپ کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ اس لئے ۲۵ آدمی کافی ہیں۔ زیادہ آدمیوں کو ساتھ لے جانا اس لئے بھی مناسب نہیں کہ آپ کی جماعت کمزور ہو جائے گی اور چونکہ دشمنوں سے ہماری جنگ ہو چکی ہے اس لئے ممکن ہے کہ دشمنوں کا کوئی بڑا جتھا حائل ہو جائے۔ رہے ہم لوگ، تو اپنی جانوں کی احتیاط کر کے دوسرے ڈھنگ سے سفر کریں گے۔

وہ صورت کیا ہے؟

حضرت عاصم نے پوچھا۔

عرفجہ۔ ہم ان قیدیوں کا لباس لے لیں گے اور اپنے لباس کے اوپر پہن کر بھیس بدل لیں گے۔

یہ اچھا خیال ہے۔

حضرت عاصم نے کہا۔

چنانچہ فوراً اس مشورے پر عمل در آمد کیا گیا اور پچیس قیدیوں کا لباس لے لیا گیا۔ دس جوان آ گے گئے تھے ان کے لئے بھی لباس رکھ لئے گئے اور پندرہ آدمیوں نے خیمے میں جا جا کر جلد جلد وہ ملبوسات پہن لئے سر پر ان کے فولادی خود رکھ لئے۔ زرہیں پہن لیں اور سالم کا انتظار کرنے لگے۔

سالم کو دیکھتے ہی رابعہ کی ماں اور خالدہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ سالم کا دل خود ہی رو رہا تھا۔ لیکن دل پر صبر کی سل باندھ کر اس نے دونوں کو تسکین دی اور دعائے خیر کا طالب ہوا کہ میں اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا اور یہاں آکر جب اسے صورت حال سے آگاہی ہوئی تو اس نے بھی رومیوں کا لباس پہن لیا اور جلد سے جلد اپنے ساتھیوں سمیت تمام مسلمانوں کی دعاؤں کی چھاؤں میں رخصت ہو گیا۔

سب سے پہلے وہ جھیل کے کنارے گیا اور سراغ کے لئے نشانات و علامات ڈھونڈتا ہوا وہ اس جگہ تک آیا جہاں گھوڑوں کی لید پڑی ہوئی تھی۔ انھیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ گھوڑے جھیل کے کنارے کنارے گزرے ہیں۔

چوتھا باب

ستم ناروا

ہمارے ناظرین کرام بڑے پریشان اور متحیر ہوں گے کہ آخر را بعہ یک بیک کیسے غائب ہو گئی۔ تو آئیے! ہم وہاں سے حالات کا جائزہ لیں جہاں رابعہ اور خالدہ میں آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔

یہ دونوں پری رو لڑکیاں بچگانہ معصومیت کے ساتھ انجام و عواقب سے بے پروا کھیل کود میں مصروف تھیں۔ جھیل کے کنارے لمبی لمبی گھانسیں اس طرح دو رویہ اُگی ہوئی تھیں کہ ایک دیوار سی بن گئی تھی۔ ان میں ایک چھپتی اور دوسری ڈھونڈتی دونوں ایک دوسرے کو جل دینے کیلئے بھاگ دوڑ میں اس قدر محو تھیں کہ ان کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ گھاٹ سے کتنی دور ہو گئیں۔

ادھر تو یہ دونوں لڑکیاں معصوم کھیل کود میں مصروف تھیں ادھر پہاڑ کی جانب سے چند علیسائی گھوڑوں پر سوار آ رہے تھے۔ انھوں نے دور سے ان دونوں لڑکیوں کو دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔

ان میں سے ایک سوار نے جو سب سے زیادہ ممتاز اور جوان تھا۔ ریشمی لباس کے اوپر زرہ بکتر پہنے تھا۔ اس کے سر پر چمکیلا خود تھا۔ اس کے ساتھ پندرہ سوار تھے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارے سے روکا اور کہا۔

تم نے کچھ دیکھا۔

سوار۔ ہاں سرکار، دیکھ رہا ہوں۔

"کس قدر حسین ہیں، یہ دونوں لڑکیاں، تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟

سوار: حضور! یہ عرب لڑکیاں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے دو چاند زمین پر اُتر آئے ہیں۔

سوار۔ "سچ کہا حضور نے"

"کیا ہم ان کو کسی طرح قابو میں لا سکتے ہیں؟

سوار: حضور! اس میں خطرہ ہے۔ ان کی موجودگی سے یہ بات توثابت ہے کہ کہیں قریب ہی ان کا کوئی لشکر ٹھہرا ہوا ہے۔

"یہ تو صحیح ہے" (اس کے سردار نے جس کا نام جولیس تھا، کہا) لیکن ہمیں اپنا کام احتیاط اور خاموشی سے کرنا چاہیے۔

سوار۔ جو حکم سرکار کا۔

جولیس۔ تم سب لوگ اپنے گھوڑوں سے اُتر جاؤ اور ان کو یہیں باندھ دو۔ چار آدمی ہمارے ساتھ آؤ۔

اس حکم کے مطابق سب کے سب گھوڑوں سے اُتر پڑے اور ان کو پوشیدہ جگہوں میں باندھ دیا گیا۔ چار آدمی جولیس کے ساتھ بے آواز جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے بڑھے۔ وہ بہت احتیاط سے چل کر رابعہ کی پشت پر پہنچ گئے۔ ان کی خوش بختی دیکھئے کہ خالدہ رابعہ کو ڈھونڈتی ہوئی پھر اسی طرف نکل گئی، جدھر سے آئی تھی اور بدقسمتی سے رابعہ گھاٹ سے کافی دور، رَو میں آکر ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی ساری توجہ خالدہ اور اس کی آہٹ کی طرف تھی وہ اسے زِچ کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنی پشت کی جانب سے بالکل غافل

اور لاپروا بیٹھی ہوئی تھی۔ بچپن کی تمام شوخی، شرارت اور بے فکری ایک بار پھر مجتمع ہو کر الھڑ رابعہ بنی ہوئی تھی اور دل ودماغ سے یہ خیال نکل کر کوسوں دور چلا گیا تھا کہ یہ دشمنوں کا ملک ہو سکتا ہے۔

جولیس اور اس کے دونوں ساتھی گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے بالکل قریب پہنچ گئے اور یکبارگی رابعہ کو اپنی گرفت میں لے کر اس کا منہ بند کر دیا اور پھر رومال منہ میں ٹھونس دیا۔

رابعہ اس آفت ناگہانی کے لئے تیار نہ تھی۔ پہلے تو اس نے سمجھا کہ یہ خالدہ ہے اور میں دھر لی گئی۔ اس لئے دو تین بار پھڑکی۔ لیکن جب اپنے منہ اور جسم پر ہاتھ کی سختی اور گرفت کی مضبوطی کو محسوس کر لیا تو یکدم تڑپی۔ ہاتھ پاؤں ہلانے کی جد وجہد کی، مگر تین آدمیوں کی مضبوط گرفت نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا۔ کچھ تو غلبۂ خوف اور کچھ دم گھٹنے کے باعث رابعہ بے ہوش ہو گئی۔

جولیس۔ چلو، یہ اچھا ہی ہوا۔ یہ تو بے ہوش ہو کر ہمارے لئے سہل ترین بوجھ بن گئی۔ مگر وہ دوسری چڑیا کہاں گئی۔

ایک ساتھی۔ حضور وہ چلی گئی تو اسے جانے ہی دیجئے اور اس کا خیال ترک کر کے اب یہاں سے نکل چلئے۔

جولیس۔ ہاں، چلو اب یہاں کیا رکھا ہے۔ ہماری یہی کامیابی کچھ کم نہیں، کس آسانی سے یہ خوبصورت چڑیا جال میں پھنسی ہے۔ خداوند مسیح کی قسم بڑی حسین اور پھولوں سے زیادہ نرم و نازک ہے۔ میں تو اسے کوسوں یوں ہی اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے چل سکتا ہوں۔ چلو، تیزی سے واپس چل کر گھوڑوں پر سوار ہو جائیں ورنہ اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔

جولیس اور اس کے ساتھی گلستانِ عرب کے حسین ترین پھول کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اپنے گھوڑوں کے پاس آئے اور سوار ہو کر جس طرف سے آئے تھے اسی طرف چلے گئے۔

اصل میں جولیس کی ماتحتی میں ایک ہزار کا لشکر حلب کے چور دروازے سے نکل کر رسد کی فراہمی میں دیہی علاقوں میں گیا ہوا تھا اور رسالے کر واپس حلب جاتے ہوئے یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر ٹھہرا ہوا تھا۔ رات بھر آرام کرنے کے بعد جولیس اپنے پندرہ ہمراہیوں کو لے کر پہاڑ پر شکار کھیلتا ہوا اس جھیل کی طرف آنکلا۔ اور خالدہ و رابعہ کو دیکھ کر ان کی گرفتاری کی فکر کرنے لگا۔ سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگم بھاگ اپنے لشکر میں پہنچے اور اسی وقت کوچ کر دیا۔

خالدہ رابعہ کو ڈھونڈتی ہوئی گھاٹ پر پہنچی، وہاں رابعہ نہ ملی تو پھر تیزی سے آواز دیتی ہوئی وہاں تک آئی جہاں سے رابعہ بھاگ کر جھاڑیوں میں جا چھپی تھی۔ وہ تب تک اسے رابعہ کا مذاق سمجھ رہی تھی اور جوں جوں دوڑتے دوڑتے تھک رہی تھی۔ اس کو رابعہ پر غصہ آرہا تھا۔ اس غریب کو کیا خبر کہ بے چاری رابعہ پر کیا افتاد پڑی۔ کئی چکر لگائے، تب بھاگ کر پڑاؤ پر آئی، یہاں بھی پتہ نہیں، اب اس کے دل میں ہول سمایا، اس نے لوگوں کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ لوگ دوڑ پڑے، جھاڑی کی ایک ایک پتی جھاڑ ڈالی۔ مگر رابعہ کو نہ ملنا تھا نہ ملی احتیاطاً لوگوں نے جھیل پر بھی نگاہ ڈالی، لیکن جھاڑیاں جھیل کے کناروں سے دور تھیں اور جھیل باوجود لمبائی اور وسعت کے ساحلی طور پر دور تک پایاب تھی۔ اس لیے اس کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اتفاقیہ طور پر

جھیل میں گر کر غرق ہو گئی ہو گی۔

تب پندرہ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کر کے اور سبھوں کو خیمہ میں بھیج دیا اور خود آگے بڑھ گئے۔

جولیس اپنے پورے لشکر کے ساتھ پڑاؤ سے روانہ ہوا تو اس کے دل میں آیا کہ کسی دوسری طرف نکل جائے قلعۂ حلب میں نہ جائے۔ جب اپنے ساتھیوں سے اس نے اس بارے میں مشورہ کیا۔ تو اس کے ایک ساتھی جاماس نے عرض کیا کہ میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ آپ کو سیدھے قلعہ ہی میں چلنا چاہیئے۔ اور موقع پا کر تمام صورت حال سے بادشاہ کو آگاہ کر دینا چاہیئے۔ جنگ کا زمانہ ہے وہ آپ کی اس کارگزاری سے یقیناً بہت خوش ہوں گے اور قیدی کو آپ کے حق میں بخش کر آپ کے اعزاز میں اضافہ کر دیں گے۔ جبکہ آپ کے باپ اس وقت مشیر خاص اور بادشاہ کے معتمر بھی ہیں ان کے پاس و لحاظ سے بھی حضرت یوقنا آپ سے کوئی باز پرس نہ کریں گے۔

اور اگر آپ نے اس کے خلاف کیا تو آپ کے والدین کو بے حد ملال ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ باغی قرار دے دیئے جائیں اور آپ کی اس حرکت سے آپ کے خاندان پر تباہی آ جائے۔ آپ کے والد کو بھی بڑا ملال ہو گا اور ان کی ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ کیونکہ یوقنا ایک سخت گیر بادشاہ ہے وہ اپنے مجرم کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

جولیس۔ یہ تو صحیح ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ عرب لڑکی کہیں میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے، ورنہ میں زندہ نہ رہوں گا۔ میں اس لڑکی کے پیچھے دیوانہ ہو جاؤں گا۔

جاناس۔ یہ صحیح ہے، لیکن اپنے دل کو قابو میں رکھیے۔ اس لڑکی کو بادشاہ کے دربار میں پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسے اپنے گھر لے جاکر رکھیے اور اپنے باپ کو پورے حال سے آگاہ کر کے تب بادشاہ کی خدمت میں پہنچیے۔ اگر بادشاہ لڑکی کا مطالبہ کرے تو اور کچھ سوچنا پڑے گا۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ بادشاہ کو اس لڑکی کی پروا بھی نہ ہوگی، کیونکہ وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔ تمہارے والد سب کچھ ہموار کر لیں گے۔

جولیس دیر تک معاملے کے ہر پہلو کو سوچتا رہا۔ آخر میں اسے جاناس ہی کا مشورہ پسند آیا اس نے فیصلہ کیا کہ ہر چہ بادا باد قلعہ میں چلنا ہی مناسب ہے ورنہ وہ پورے شام وروم میں یوقنا کی دسترس سے باہر نہیں ہے۔

یہ طے کر کے وہ تیزی سے قلعۂ حلب کی طرف روانہ ہوا۔ رابعہ کو ہوش آیا تو اس نے اپنے کو گھوڑے کی پشت پر سوار پایا۔ اس کے دونوں پاؤں رکاب سے باندھ دئے گئے تھے اور گھوڑے کی راس خود جولیس سنبھالے ہوئے اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔

جولیس نے شاہراہ چھوڑ دی تھی۔ جنگلوں اور پہاڑوں کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ اگرچہ اس راستہ میں تکالیف بے حد تھیں لیکن جولیس نے ان کی پروانہ کی اور جس طرح بھی ہو سکا وہ اس دشوار گزار منزل کو طے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی، مگر سفر رکا نہیں۔ فوج چلتی رہی۔ راستہ کٹتا رہا۔ گھوڑے ٹھوکریں کھا کھا کر سنبھلتے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔

رابعہ اداس اور مغموم تھی۔ شرم وحیا سے اپنا بدن چرائے ہوئے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے اس کے بدن میں چیونٹیاں سی۔ رینگنے

لگی تھیں۔ اس کا نازک جسم اکڑا اکڑا سا تھا۔ وہ دور افق میں غیر ارادی طور پر
کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے تصورات میں ایک خلا سا محسوس ہو رہا تھا اور
اس کے خیالات اڑے اڑے بکھرے بکھرے تھے پھر یہ خلا یکایک پُر ہو جاتا،
اور پردۂ سیمیں پر سائے کی طرح یکے بعد دیگرے ماں باپ اور خالدہ کی تصاویر
اُداس اُداس اور پریشان پریشان نظر آتیں۔ پھر نہ جانے کیوں سالم کا سایہ
گہرا اور متحرک ہو کر نظر آتا۔ پھر وہ دیکھتی کہ سالم گھوڑا اڑائے ہوئے
اونچی بنا ہوا ایک پہاڑی درے سے نکلا اور تنہا سارے دشمنوں کو کاٹ کر اسے
قید سے چھڑا لیا۔

یہی کچھ سوچتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر صابر و شاکر ہو چکی
تھی وہ تھک کر چور ہو چکی تھی۔ بھوک پیاس کا غلبہ الگ تھا، باپ، ماں،
اور عزیز و اقارب کے چھوٹنے کا غم الگ، سالم اس کی زندگی میں اچانک
اور غیر متوقع طور پر داخل ہو گیا تھا۔ وہ سوچنے لگی کیا دوبارہ اب اسے نہ دیکھ
سکوں گی۔ اس وقت اسے اپنی ماں کی پریشانیاں یاد آ رہی تھیں، باپ
کی الجھنیں یاد آ رہی تھیں۔ خالدہ کی دل خوش کن باتیں یاد آ رہی تھیں
سب سے زیادہ سالم یاد آ رہا تھا، آہ! سالم، جب اسے میری گم شدگی
کی اطلاع ملی ہوگی . . . . . یہاں آ کر وفور قلق سے اس کا دل سینے میں
پھڑپھڑانے لگا۔ ہجوم افکار نے اس کا خون نچوڑنا شروع کر دیا تھا۔
لیکن وہ ایک مسلمان لڑکی تھی، اس کو اللہ اور اس کے حبیب پر یقین تھا
وہ اللہ کی رحمتوں سے مایوس ہو کر بزدل نہیں ہو گئی تھی اس نے تہیہ کر لیا
تھا کہ وہ اپنی عصمت کی آخیر وقت تک حفاظت کرے گی اور اپنی آزادی

کی جد و جہد جاری رکھے گی۔

پھر یکایک اسے یاد آیا کہ اس کی ساری نمازیں قضا ہو گئی ہیں۔ یہ دھیان آتے ہی اس کا صدمہ دس گونہ بڑھ گیا۔ وہ گھوڑے کی ایال پر سجدے میں جھک گئی، اس کی موتی جیسی آنکھوں سے قطرات اشک ابر نیساں کی طرح جاری ہو گئے۔ اس نے خشوع قلب سے دعا مانگی۔

بار الٰہی، مجھے ہمت و صبر عطا فرما۔ میرے دین و ایمان کو محفوظ رکھ کر اور میری حفاظت کر، خدایا تیرے حبیبؐ کی پرستار اور لونڈی دشمنان دین کے پھندے میں پھنس گئی ہے اسے رسوا نہ ہونے دے، اسے اتنی طاقت دے کہ وہ اپنے ناموس کی حفاظت کر سکے۔ الٰہی، میرے والدین کو صبر دے اور میری نجات کی کوئی سبیل نکال۔

جب وہ دعا سے فارغ ہوئی اور سجدے سے سر اٹھایا تو اس کا قلب مطمئن ہو چکا تھا۔ اسے سکون مل چکا تھا۔ اس کے نازک اور خوفزدہ دل کو تقویت مل چکی تھی۔

اسی وقت یہ لشکر ایک محفوظ پہاڑی درے میں ٹھہر گیا۔ رابعہ کو گھوڑے سے اتار کر اسے موقع دیا گیا کہ وہ ضروریات سے فراغت کر کے منہ ہاتھ دھوئے۔ رابعہ نے تمام باتوں سے فراغت کر کے وضو کیا اور سب سے پہلے قضا نمازیں ادا کر کے عشا کی نماز پڑھی۔ عیسائی حیرت سے رابعہ اور اس کی عبادت کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ معمر عیسائی اور خصوصاً جاماس رابعہ کی دینداری سے بہت متاثر ہوئے۔

ان کے سامنے آج تک صرف عیسائی لڑکیوں کا کردار تھا۔ عام طور پر

عیسائی لڑکیاں، آزاد و بے باک اور جلد مردوں سے گھل مل جانے والی ہوتی ہیں بڑے گھر کی عورتیں تو اور زیادہ بے حیا تھیں، نمود حسن ان کی فطرت اور مردوں کو لبھانا ان کی عادت، بیک وقت اگر سینکڑوں پرستار پیدا ہو جائیں تو باعث فخر اور اونچے تمدن کی علامت تھی۔ بادہ نوشی سے بہت کم مرد عورت بچے ہوئے، مذہبی رہنما بھی شغل فرماتے تھیں اور راہبات بھی اس لئے۔ عصمت کی حفاظت کا کوئی خاص سوال نہ تھا۔ آڑے وقتوں میں اگر کوئی لڑکی اپنا سب کچھ حوالے کر کے اپنی جان بچا لے یا فوجیوں کی خدمت کر کے انھیں جنگ کے لئے ابھار دے تو کچھ زیادہ معیوب بات نہ تھی۔ اسی لئے دوران جنگ نوخیز لڑکیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ جو ساقی گری، رقص و سرود اور اپنے تھرکتے ہوئے جسموں کے اقدال سے سپاہیوں اور افسروں کو محظوظ کرتی رہیں۔

اگر رابعہ کی جگہ کوئی دوسری عیسائی لڑکی ہوتی تو اب تک کتنے سپاہیوں کو اس نے اپنی جانب متوجہ کر لیا ہوتا۔ لیکن رابعہ نے گردن اٹھا کر کسی جانب دیکھا بھی نہ تھا اور جب موقع ملا تو اس نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ خدا کی عبادت تھی۔ خالق حقیقی کی عبادت جو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور جس کی بندگی کسی حال میں معاف نہیں۔

جب ایک معصوم لڑکی کے اس جذبہ دینداری سے علیائی آگاہ ہوئے اور اس کے طرز عمل کو دیکھا۔ اس کے سکون کو دیکھا تو ان کی حیرت قدرتی تھی اور ان کا تاثر بجا تھا۔ ان کے دل ڈر گئے کہ ایسی لڑکی کو چھیڑا گیا تو شاید وہ ابھی ابھی اپنی جان دے دے گی۔

پھر ان لوگوں نے کھانے پینے کی تیاریاں کیں۔ اور رابعہ کو بھی روٹی کے چند ٹکڑے، اپنیر، کچھ خشک میوے وغیرہ دیے گئے۔ اس نے کھا کر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر گردن جھکا کر اپنی حالت پر غور کرنے لگی۔ پتھر کی ایک صاف ستھری چٹان پر ایک کمبل بچھا کے ایک کمبل اسے اوڑھنے کے لیے دے دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ آرام کرے۔ ایک لمبی چمڑے کی رسی سے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ کر باندھ دیے گئے اور وہ رسی اپنی کمر میں لپیٹ کر حبشی اسی چٹان کے نیچے سو رہا۔

رابعہ کی نیند اس سے کوسوں غائب تھی۔ طرح طرح کے پریشان کن خیالات نے اسے گھیر رکھا تھا۔ اپنوں سے بچھڑ کر بیگانوں اور دشمنان دین و ناموس کی قیدی بن گئی تھی اسے اپنی عصمت و عفت کا خیال تھا۔ اس قید بے کسی میں نہ جانے کیوں سالم کا خیال بار بار متشکل ہو کر اس کی خلوت دل اور جلوت دماغ میں آ رہا تھا۔

وہ سالم کے متعلق سوچنے لگی۔ سلونا اور خوش اندام سالم کیوں اس کے دیدہ و دماغ پر چھایا جا رہا ہے۔ اس کی دوشیزگی بار حیا سے دبی جا رہی تھی وہ اس کے خیال کو جھٹک کر پرے پھینک دینا چاہتی تھی۔ اسے سالم کے متعلق کچھ نہ سوچنا چاہیے......

مگر آہ ضدی خیال مردکی، تو انائی بن کر دوشیزگی سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا اور ہر وقفہ پار رہا تھا کروٹ بدل کر اپنی موجودگی اور بیداری کا ثبوت دے رہا تھا۔

پھر شاید اس خیال کو ایک نازک دوشیزہ کی اس بے چارگی پر ترس

آگیا کہ پھولوں کی سیج پر سونے والا جسم سنگ خارا پر کروٹیں بدل بدل کر
جسم کو اور بھی آزار پہنچا رہا ہے۔ اس نے میٹھی اور خوش آیند لوریاں دیکر
اسے سلا دیا۔ سچ ہے جوانی کی الھڑ نیند سولی پر بھی آسکتی ہے۔
رابعہ سوگئی۔ مگر اس کے دل و دماغ دونوں بیدار تھے وہ پہاڑی کی
گلہری کی ایک ادنے سی آہٹ پر اٹھ بیٹھنے کو آمادہ تھی۔ لیکن ایسے میں
بھی خیال دبے قدموں اس کے سرھانے آگیا اور غریب رابعہ سنہرے اور
خوشگوار خوابوں کی دنیا میں مسکرانے، شرمانے اور نئی توقعات قائم کرنے
لگی۔ رات انہی متضاد کیفیتوں میں سرکتے سرکتے صبح کی اجالی سے
ہم آغوش ہوکر رخصت ہونے لگی۔ جھینگروں نے اپنا ستار بند کر دیا۔
اور آسمان کا آخری ٹمٹماتا ہوا ننھا سا دیا آفتاب کی آمد سے پہلے کسی
پردہ نشین خاتون کی طرح کسی کی آہٹ پاتے ہی پردے کے پیچھے ہوگیا۔
صبح کو پھر اسے رفع ضروریات اور ہاتھ منہ دھونے کا موقع دیا گیا
اور اس کے بعد یہ لشکر حلب کی طرف کوچ کر گیا۔

چوتھا باب

جستجو

درد فراق و ہجر اسی دل سے پوچھیے!
جس دل میں ہو کسی کی محبت بسی ہوئی

سالم اور اس کے ساتھیوں کو کچھ دور تک تو سم اسپ کے نشانات ملتے رہے لیکن رفتہ رفتہ یہ نشانات پتھریلے راستوں اور جنگل جھاڑیوں میں گم ہو گئے۔ مگر سالم کے تو دل سے لگی ہوئی تھی۔ وہ کوئی اور ہی جذبہ تھا جو کشاں کشاں اسے کہیں کھینچے لئے جا رہا تھا۔ اگر اسے دنیا کے اس کنارے تک جانا پڑتا تو جاتا اور زندگی بھر چلنا ہی پڑتا تو چلتا۔ اس کے قدم کہاں رک سکتے تھے۔ ہمت راہبر تھی۔ پہاڑ کے پُر پیچ راستوں میں وہ برابر بڑھتا رہا۔ اس کے قدم کہیں رکتے ہی نہ تھے۔ وہ دیوانہ وار اپنے وفادار گھوڑے کو نشیب فراز سے گزارتا رہا۔ عرفجہ سائے کی طرح اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھی بھی اسی مستعدی اور دم خم سے ساتھ دیے جا رہے تھے۔ کسی میں بددلی اور تکان کے آثار نہ تھے۔ زمین کی رسی کھنچتی چلی جا رہی تھی اور پہاڑ کا سینہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا جاتا رہا۔ لیکن کوئی بھی ایسا نشان نہیں ملتا تھا جس سے ذرہ بھر اندازہ ہو سکتا کہ غنیم کدھر سے رابعہ کو لے کر گئے ہیں۔ وہ شام تک چلتے رہے۔ اتنے میں دوسری جانب سے وہ پندرہ آدمی واپس آتے ہوئے نظر آئے جو واردات کے وقت ہی سے رابعہ کی جستجو میں لمبی مسافت

طے کر کے گئے تھے اور ناکام واپس آئے۔

سالم اور اس کے ساتھیوں کو یہ سن کر بہت رنج وافسوس ہوا خصوصیت کے ساتھ سالم کے دل پر تو آرہ چل گیا۔ لیکن وہ اس دور کا مسلمان تھا جب مسلمان ہر بات کو مشیت ایزدی پر محمول کرتا تھا۔ بے صبر اور اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ السعی منی.... کے تحت اس زمانے کا مسلمان اپنی کوششوں اور جدوجہد میں تساہل نہیں کرتا تھا۔ سالم کو قلق تو بہت ہوا۔ بے کس اور بے چاری رابعہ کی تصویر تصور کی آنکھوں میں گھوم گئی۔ اس نے عالم خیال میں دیکھا کہ بے بس رابعہ دشمنوں کی قید میں اداس اور حد درجہ مغموم ہے اور دل ہی دل میں سالم کو یاد کر رہی ہے۔ وہ بے قرار ہو کر پہاڑ کی جانب بڑھا اور ان پندرہ آدمیوں کو مشورہ دیا جو ابھی ابھی واپس آئے تھے۔ کہ آپ لوگ بے حد تھک گئے ہوں گے پڑاؤ پر واپس جائیے۔ لیکن اس زمانے کے سچے غمگسار اور ہمدرد مسلمان ڈر، خوف اور تکان وغیرہ کے نام سے آگاہ نہ تھے۔ انھوں نے پڑاؤ پر جانے سے انکار کر دیا اور بے تکلف ساتھ ہو گئے۔ تب سالم نے ایک جگہ پہاڑ پر چند گھنٹوں کے لئے قیام کر دیا۔

سب نے نماز سے فراغت کی اور کچھ کھا پی کر تازہ دم ہو گئے۔ سالم نے خشوع قلب سے دعا کی کہ بار الٰہا۔ اگر یہ تیری مصلحت ہے کہ رابعہ دشمنوں کی قیدی بن جائے تو الٰہی تو اس کے دین و ایمان اور عصمت و ناموس کی حفاظت کر! اس کی مشکلوں کو آسان فرما اور اس کی نجات کا دروازہ کھول دے۔ خدایا اور پھر اسے اپنے والدین اور اعزہ سے ملا دے۔ مصائب میں اس کے دل و دماغ کو مصائب میں صبر و استقامت عطا فرما۔

سالم کی خاک آلود پیشانی سجدے میں پڑی ہوئی تھی اور وہ رو رو کر یہ دعا مانگ رہا تھا۔ سب نے آمین کہی۔

پھر سالم اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے تمام ساتھی بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ یہ مختصر سا دستہ پھر اللہ کا نام لے کر چل پڑا اور پہاڑی راستوں کو رات بھر چھانتا رہا لیکن نہ رابعہ ملی اور نہ جولیس کا دستہ دکھائی دیا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ مسلمانوں نے ایک جھیل پر پہنچ کر جلدی جلدی وضو سے فراغت کی، صبح کی نماز پڑھی اور پھر چلنے کو کھڑے ہوئے۔ جب یہ قلعۂ حلب کے سامنے پہنچے تو ان کو ایک چرواہے سے سراغ ملا کہ جولیس کا ایک ہزاری دستہ ابھی کچھ دیر پہلے اسی راستے سے گزرا ہے اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت سنا اور معصوم عرب لڑکی بھی گھوڑے کی پشت پر بندھی ہوئی تھی۔

یہ معلوم کر کے سالم کا جوش و خروش حد انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی راس ڈھیلی کر دی۔ عرب کا اصیل گھوڑا اپنے سوار کا یہ اشارہ پا کر ہوا سے باتیں کرنے لگا اور فراٹے بھرتا ہوا تیر کی طرح قلعۂ حلب کی طرف چلا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی گھوڑا بڑھا کر اس کا ساتھ دیا۔ اگرچہ یہ عیسائیوں کے لباس میں تھے لیکن ان کو اس بات کی خبر نہ تھی کہ فراری دستہ کا جاسوس یوقنا کو ان کی آمد اور اصلیت سے مطلع کر چکا ہے۔

جوں ہی وہ پہاڑ اور جنگل کی حدود سے باہر نکلے یکایک یوقنا ۵ ہزار عیسائیوں کا ایک دستہ لے کر ان پر ٹوٹ پڑا۔ عرب گنتی کے پچیس تھے۔ یوقنا کے سوار آہن پوش تھے۔ تاہم مسلمان اپنی قلت سے ہراساں نہ ہوئے۔ اس طرف مسلمانوں کا سہارا اس لیے نہ تھا کہ یہ حصہ خطرناک پہاڑ اور جنگلوں سے متصل تھا اور

اسی طرف جو دروازہ یا سرنگ نما راستہ تھا اس لئے یوقنا کی یورش کا ہر وقت خطرہ تھا اور جنگل، پہاڑ کے باعث مدافعت مشکل۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ ہم بہت کم تعداد میں ہیں کسی طرح مفر ممکن نہیں ہے۔ مگر ان کی آرزو ہی شوق شہادت کے سوا اور کیا تھی۔ وہ جانتے تھے کہ موت کا جو وقت مقرر ہے۔ اس میں ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا تو پھر گریز کیوں اور وہ بھی شہادت سے۔ حالانکہ شہادت تو سچے مومنوں کے لئے نعمت عظمےٰ ہے۔ انھوں نے اپنے نیزے سیدھے کرلئے اور جان کی لڑائی لڑنے پر مستعد ہو گئے۔

یوقنا کا لشکر تیزی سے گھوڑے دوڑاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ غالباً اس نے اور اس کی فوج نے یہ طے کرلیا تھا کہ گنتی کے ان چند مسلمانوں کو گھوڑے دوڑا کر کچل ڈالیں گے۔

مسلمانوں نے ایک لمبی صف قائم کرلی تھی۔ گھوڑے کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے ہوئے تھے اور عربوں کے بلمے بلمے نیزے قضائے مبرم بنے ہوئے عیسائیوں کے منتظر تھے۔ یوقنا کا یہ حملہ اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ مسلمان کچھ بھی نہ سوچ سکے۔ پھر بھی جلدی میں سالم نے ساتھیوں سے پکار کر کہدیا۔

مسلمانو! جنت کے دروازے ہمارے لئے کھول دئے گئے، حوریں آراستہ و پیراستہ ہو کر ہماری منتظر ہیں۔ اگر ہماری شہادت کا وقت آہی گیا ہے تو ہم بزدلوں کی موت کیوں مریں۔ آؤ اللہ کی راہ میں آج جی کھول کر جہاد کرو، قلت و کثرت کی پروا نہ کرو، دشمنوں پر ثابت کردو کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے اور نہ اپنے دشمنوں کو پیٹھ دکھاتے ہیں۔ کھیتی تیار کھڑی ہے۔ پوری قوت سے اللہ کا نام لے کر کاٹو اور خوف و ہراس کو اپنے پاس آنے نہ دو!۔

اتنے میں دشمنوں کے گھوڑے عقاب و شاہین کی طرح اُڑتے ہوئے آئے نیزوں سے نیزے ٹکرائے۔ لیکن اس ٹکر میں ۵۰ عیسائی گھوڑوں کی پشت سے اُلٹ کر ان کے قدموں میں آ رہے۔

خالی پشت والے گھوڑے عربوں کے نیزوں سے زخمی ہو کر پلٹ پڑے اور اپنے لشکر میں افراتفری پھیلا دی۔ عیسائیوں نے باگیں سہاریں پیچھے ہٹے اور پھر نیزوں سے نیزے ٹکرائے اب کے بھی ۲۵ عیسائی زمین بوس ہو کر اپنے ہی گھوڑوں کی سموں سے کچلے گئے اور مسلمانوں کی صف میں کوئی رخنہ نہ پڑا۔

اب مسلمانوں نے پُر زور طور پر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، اپنے گھوڑوں کو آگے بڑھا کر نیزوں سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا اور پھر ۲۵ عیسائیوں کے سینے چھد گئے وہ چیخیں مار کر گھوڑوں گرے۔ عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے نیزے پھینک دئے تلواریں سونت لیں۔ حقیقت میں اہل عرب نیزوں کے استعمال میں بڑے ماہر تھے۔ یہ ان کا خاص فن تھا۔ دنیا کی کوئی قوم نیزوں میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن تلواروں کے پہلے حملے میں عربوں نے پھر نیزہ ہی استعمال کر دیا جس سے عیسائیوں کی تلواریں ہوا ہی میں معلق رہ گئیں اور عربوں کے نیزے زرہ بکتر کو توڑ کر سینہ چھیدتے ہوئے پشت کے پار نکل گئے۔

مسلمانوں نے اپنے نیزے چھوڑ دئے اور خود بھی تلواریں نکال لیں، لوہے سے لوہا ٹکرایا۔ شرارے چمکے اور سانپوں کے پھن کی طرح شعلوں نے اپنا سر اُبھارا۔

موت نے منھ سے نقاب اُتار کر پھینک دیا تھا۔ زندگی خون کے سمندر میں غوطے کھا کھا کر ڈوبنے لگی۔ بہادر سرخروئی کے ساتھ اس سمندر سے گزر کر داد شجاعت

ے رہے تھے۔

سالم ایک نامعلوم جذبہ اور جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ یہ جنگ میں اصولی غلطی تھی خصوصاً اس حال میں کہ مسلمان بقدر نمک بھی نہیں تھے۔ اس کی تلوار مسلسل خون اگل اگل کر عقیق یمنی اور لعل بدخشاں بنتی جا رہی تھی۔ خون کے بڑے بڑے چکدے کپڑوں پر جم کر گوشت کے لوتھڑے بنتے جا رہے تھے۔ اس نے کتنے ہی دشمنوں کو مار ڈالا لیکن اسے کسی بات کی خبر نہ تھی۔ اس وقت ہر مسلمان کی تلوار برقِ خاطف بنی ہوئی پوری تیزی سے اپنی کاٹ کا جوہر دکھلا رہی تھی۔ عیسائی مر مر کر گر رہے تھے۔ اس وقت تک ایک مسلمان بھی شہید نہیں ہوا تھا مگر تقریباً ڈھائی سو عیسائی کشتہ ہو چکے تھے۔

یوقنا حیرت سے ان چند نوجوان عربوں کو دیکھ رہا تھا جو موت کی لڑائی لڑ رہے تھے اور ان کے عضلات بالکل ساکن تھے۔ اتنے میں سالم بہت آگے بڑھ گیا۔ اس کو تقریباً ایک ہزار سواروں نے بری طرح گھیر لیا اور وہ اپنے ساتھیوں سے کٹ کر جدا ہو گیا۔ عرفجہ نے یہ دیکھا تو بے تاب ہو کر اس کے پیچھے بڑھے۔ لیکن ان کو بھی دشمنوں نے اپنے نرغے میں لے لیا۔

سالم کے چند ساتھیوں نے جان توڑ کوشش کی کہ عرفجہ اور سالم تک پہنچ جائیں اور اس کی مدد کریں مگر ہزاروں ہزار عیسائیوں کی صفوں کو توڑ کر وہاں تک پہنچ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ پھر بھی انھوں نے اپنی کوشش اٹھا نہیں رکھی صفوں کی صفیں الٹ ڈالیں۔ سینکڑوں عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور ایک بار پھر زور شور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سالم ہزاروں دشمنوں میں گھرا ہوا بجلی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو کاوا دیا۔ اصیل

گھوڑا موقع کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے اتنی زوردار گردش کی کہ کئی سوار ٹکرا کر گھوڑے سمیت اُلٹ گئے اور سالم کو کافی جگہ مل گئی۔ وہ جھپٹا۔ تلوار چمکی اور ایک ہی گردش میں دو تین سر اڑ گئے، پھر اس نے ایک گول دائرے میں گھوڑے نے زمین کو لپیٹا اور سالم کی تلوار برق و باد کی طرح سر سرا کر اپنی قوت برش آزمانے لگی۔

یہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہو رہا تھا کہ عیسائی اس سے ڈرنے لگے تھے اور ڈرنے کی بات تھی۔ اس کی تلوار جسے بھی چھو جاتی تھی وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر آ پڑتا تھا۔ سالم نے اپنے ہوش و حواس کھوئے نہیں اور نہ دشمنوں کے ہجوم سے ہراساں ہوا۔ مگر ایک آدمی زیادہ سے زیادہ سو آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے جسکو ہزاروں نے گھیر لیا ہو وہ کتنے کو مارے گا۔ عیسائی کٹ کٹ کر گر رہے تھے لیکن جگہ خالی نہیں ہوتی تھی ایک کی جگہ پر سو امنڈ پڑتے تھے۔ یہ مسلمانوں ہی کا دم خم تھا کہ بے پناہ ہجوم میں یکہ و تنہا ایک شیر غراں کی طرح بھیڑوں پر متواتر حملے کر رہا تھا اور موت کی لڑائی لڑ رہا تھا۔ ذرا بھی پیشانی پر شکن نہ تھی۔

رابعہ کی گرفتاری اور گم شدگی نے ایک عجیب جوش و خروش اس کی رگ رگ میں بھر دیا تھا۔ قتل کرتے کرتے سالم کے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگے اور طاقت جواب دینے لگی۔ اس نے سینکڑوں عیسائیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور اب بھی قتل کر رہا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے اس کے لئے ہاتھ اٹھانا بھی مشکل ہو چلا۔ ٹھیک اسی وقت یوقنا کے اشارے سے ہر چہار جانب سے اس پر کمندیں پھینکی گئیں۔ بہت سی کمندوں کو اس کی تلوار نے کاٹ ڈالا۔ مگر تین چار کمندیں اکبارگی اس پر پڑیں اور بالآخر وہ الجھ کر گھوڑے سے گرا اور بے بس ہو کر رہ گیا۔ اس کا مغموم گھوڑا وہیں کھڑا ہو کر کچھ دیر تک زمین پر اپنی

جس وقت یہاں ایک مختصر سی جگہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ اسی وقت اس کے ساتھیوں نے ایک بار پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ لیکن سالم کی طرف سے نعرے کا کوئی جواب نہ آیا۔ مسلمانوں کو سخت قلق ہوا اور ان کو اندیشہ ہونے لگا کہ سالم شہید ہوگیا لیکن ان گنے چنے مسلمانوں کو اپنی پشت کی جانب سے غلغلہ انگیز نعرہ ہائے تکبیر کی فلک شگاف آواز سنائی دی۔ اس آواز کو سن کر ناامید مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ نے ان کے لئے مسلمانوں کی امداد بھیجدی۔

تکبیر کے چند ہی منٹ کے بعد یوقنا کا لشکر تیزی کے ساتھ مڑا اور دوڑتا ہوا قلعہ کے جنوبی پھاٹک سے شہر میں داخل ہوگیا اور پھاٹک بند کر لیا گیا۔ پھاٹک سے ہٹ کر پانی سے بھرا ہوا خندق تھا۔ فصیل سے تیر اور بڑے بڑے پتھر برس رہے آگ کی ہانڈیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ خندق تک پہنچتے پہنچتے کئی سو عیسائی لقمۂ اجل بن گئے۔ لیکن اس کے بعد وہ مسلمانوں کے قابو سے نکل گئے۔

یوقنا بہت ہی بہادر، چالاک اور تجربہ کار بادشاہ تھا۔ ساری دنیائے عیسائیت میں مشہور و معروف، ذی احترام اور ہر دلعزیز تھا وہ بڑا مدبر اور ہرقل کی نگاہوں میں معتمد، ذی وقعت اور با اثر تھا وہ عیسائیت کا پشت پناہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی یوحنا ایک مذہبی آدمی تھا، علوم دین کا زبردست عالم، جنگ و جدل سے متنفر اور پرانی کتابوں کا فاضل اجل تھا۔ اس نے شروع ہی میں اپنے بھائی کو جنگ سے روکا تھا اور شدت کے ساتھ مخالفت کی تھی۔

حلب کا قلعہ بے حد مضبوط اور ناقابل فتح مانا جاتا تھا۔ جس وقت مسلمانوں کی فوج حلب کے قلعہ کے سامنے آئی تو ہرقل کی ایک زبردست امدادی فوج بھی اس کی معاونت کے لئے آئی تھی۔ اس وقت بھی یوحنا نے اپنے بھائی

یوقنا کو جنگ سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر یوقنا نے اسے سختی کے ساتھ یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ تم ایک مذہبی دیوانے ہو، تم ملکی معاملات میں دخل نہ دو، تم بزدلی کی تعلیم نہ دو، اور خود قلعہ سے باہر نکل کر اپنی بے شمار فوج سے میدان میں جنگ کی۔ مسلمانوں سے اس کی یہ پہلی جنگ تھی۔ مسلمان صرف سترہ ہزار تھے۔ یوقنا اور ہرقل کی فوجیں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھیں۔ یوقنا مسلمانوں کو قلیل سمجھ کر شیر کی طرح جنگ کر رہا تھا۔ لیکن نتیجہ میں پچاسوں ہزار لاشیں چھوڑ کر قلعہ میں گھس گیا اور پھاٹک بند کر لیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے قلعہ کو گھیر لینے کی کوشش کی اور تین طرف سے محصور بھی کر لیا۔ مگر قلعہ کا جنوبی حصہ اور پھاٹک جنگل اور پہاڑ سے ملحق تھا اس لئے اسے حصار میں لینے کی کوئی تدبیر بن نہ آئی۔ یوقنا نے قلعہ کے اندر سامان رسد اور ضروریات زندگی کی ہر چیز وافر طور پر جمع کر لی تھی۔ پانی کی بہتات تھی اور خود قلعہ کے اندر کافی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں بے شمار لامعلوم چور دروازے تھے جن سے آمد و رفت جاری تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً دھوکے دے کر قلعہ سے نکل پڑتا اور مسلمانوں کے کمزور حصہ پر یکایک چھاپہ مارتا۔ یا شبخون مار کر نقصان پہنچاتا اور جب مسلمانوں کی امداد آنے آنے قلعہ میں محصور رہتا۔ مسلمانوں نے بہت تدابیر کیں۔ لیکن اُس کی تاخت رک نہ سکی۔

آج بھی جب جولیس کا دستہ خفیہ دروازے سے رابعہ کو لے کر داخل ہوا تو اس نے بتایا کہ تھوڑے سے مسلمان اس کا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں تو یوقنا مسلمانوں کی روایتی بہادری کے پیش نظر پانچ ہزار کے ایک دستے کے ساتھ خفیہ دروازے سے نکل پڑا اور حکم دیا کہ جنوبی پھاٹک پر جب پر مسلمانوں کا پہرہ ڈھیلا ہے میری واپسی کے وقت کھول دیا جائے۔

جب دوسری بار سالم کے ساتھیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو مسلم دستہ جو شمالی پھاٹک پر تھا۔ جلدی جلدی مسلح ہو کر جنوب کی طرف دوڑا۔ یہی علامت تھا جب بھی کسی حصہ پر یوحنا کی یورش اچانک ہوتی تو مسلمان حتی المقدور اپنی مدافعت کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کرتے۔ مسلم دستہ امداد کے لئے پہنچ جاتا اور یوحنا اچانک اور ناگہانی طوفانی حملے کر کے کافی نقصان پہنچا کر نکل بھاگتا۔ مسلمان بہت پریشان تھے۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ یوحنا کھل کر میدان میں نہیں آتا تھا۔ اُسے ہرقل کی دوسری فوج کا انتظار تھا۔ یوحنا شیر کی طرح بہادر اور لومڑی کی طرح مکار تھا۔ وہ بے وہم و گمان حملے کرتا تھا۔

سالم نے محض ۲۵ آدمیوں سے پانچ ہزار کی یلغار کو نہ صرف روکا بلکہ اچھی خاصی جنگ کی تا آنکہ مسلمانوں کے لئے مدد آ گئی اور یوحنا حسب معمول بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گیا سالم کا گھوڑا کوتل زخمی حالت میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ لیکن سالم کا پتہ نہ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے تمام لاشوں کو کھنگال ڈالا لیکن سالم کی لاش کہیں نظر آئی۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے یہی قیاس کیا کہ سالم بھی گرفتار کر لیا گیا۔ تمام مسلمانوں اور اس کے ساتھیوں کو بے حد قلق ہوا اور سب نے دل سے اس کی زندگی کی دعا کی۔

اب علیسائیوں کی لاشیں گنی گئیں تو تقریباً ڈیڑھ ہزار علیسائی مارے گئے تھے اور سالم کے دو ساتھیوں کی لاشیں ملیں۔ تمام مسلمانوں کو ان دو مسلمان کی شہادت کا نہایت ملال ہوا۔ سب لوگوں نے مل کر ان کے جنازے کی نماز پڑھی اور دعائے مغفرت کر کے انھیں کے لباس میں ان کی تجہیز و تکفین کر دی۔ سالم کا گھوڑا جہاں کھڑا تھا وہ ایک سو سے زیادہ مردہ علیسائی پڑے ہوئے تھے جس سے ثابت ہو گیا کہ سالم نے خوب داد شجاعت دی اور حق ادا کر دیا۔

ان ڈیڑھ ہزار مقتول عیسائیوں میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار عیسائیوں کو سالم اور اس کے ۵۰۰ ساتھیوں نے مارا تھا۔ خود یوقنا کو بڑی حیرت ہوتی تھی کہ یہ مسلمان نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ قتل کر رہے ہیں مگر خود قتل ہونے کا نام نہیں لیتے، نہ کثرت سے ہراساں ہوتے ہیں۔ نہ شور و غل کو خاطر میں لاتے ہیں۔ گردن جھکا کر خاموشی کے ساتھ اس طرح کاٹ چھانٹ میں لگ جاتے ہیں جیسے تیار فصل کو کاٹ رہے حالانکہ ان کے اسلحے عیسائیوں سے بہتر نہیں اور نہ ڈیل ڈول میں عیسائیوں سے ممتاز۔ مگر ان کا بدن شاید لوہے کا بنا ہوا ہے کہ تیر، تلوار، نیزے کچھ بھی تو ان کے جسم پر اثر نہیں کرتے۔

خود اس مسلم فوج کو بھی بے حد حیرت ہوئی جو سالم کے دستے کی امداد کے لئے آئی تھی۔ ان ۵۰۰ نفوس نے جو رات بھر کے تھکے ماندے تھے اور اچانک ایک بڑی فوج نے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن ان اللہ کے بندوں نے اپنے دین و ایمان کا حق ادا کر دیا۔

اس امدادی دستے میں حضرت ابن ولید، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق (خلیفہ اول) حضرت عبداللہ ابن عمر بن الخطاب (خلیفۂ وقت) حضرت مالک بن اشتر نخعی، حضرت ضرار ابن ازور، حضرت عدی بن حاتم طائی وغیرہ شامل تھے جب ان لوگوں کو رابعہ بنت حاتم اور سالم کی گمشدگی کا مفصل حال معلوم ہوا تو ان لوگوں نے متفقہ طور پر انا للہ پڑھا اور ان دونوں کے حق میں دعائے خیر کی۔ حضرت خالد نے جوش کے ساتھ فرمایا کہ انشاء اللہ بہت جلد ہم اپنے دونوں گمشدہ عزیزوں کو پالیں گے۔

پھر ان تھکے ہارے مسلمانوں کو لوگ اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کے معمولی

زخموں کو دھو دھا کر مرہم پٹی کی گئی۔ ان کو کھانا کھلایا گیا اور ان کو آرام کرنے کا موقع دیا گیا۔ امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح خود ان کی ملاقات اور عیادت کو آئے۔ ان کے جذبۂ جہاد کی تعریف کی۔ سالم اور رابعہ کی گم شدگی پر اظہار ملال کیا اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

پھر امین الامت نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ حضرت عاصم کو ان واقعات سے مطلع کر کے ان کو تسکین دینی چاہیئے اور ان کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ جلد سے جلد اپنے دستہ کو لے کر یہاں چلے آئیں۔

چنانچہ یہ بات طے پا گئی اور چند آدمی اسی وقت روانہ ہو گئے۔ لیکن چند ہی فرسخ پر ان کو حضرت عاصم کا دستہ مل گیا جو ایک مناسب مقام پر شام کو آ کر ٹھہر گیا تھا۔ ان مسلمانوں نے حضرت عاصم سے مل کر مناسب طریقے پر تمام حالات سے آگاہ کیا۔ انھوں نے انتہائے صبر سے کام لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اتنا تو پتہ چل گیا کہ رابعہ زندہ ہے انشاءاللہ وہ ایک دن ہم سے آملے گی۔

وہ فوراً اُٹھ کر مسلم خواتین کی طرف گئے۔ رابعہ کی ماں اور خالدہ کو خوش خبری سنائی کہ رابعہ کا پتہ مل گیا۔ وہ قلعہ حلب میں ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد حلب فتح ہو جائیگا تو رابعہ مل جائے گی۔

اس امید بھری بات ہی پر ان دونوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ نماز شکرانہ پڑھی اور پوچھا کہ کیا سالم واپس آگیا؟ حضرت عاصم نے مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت اُس کی گرفتاری کا حال بیان کریں۔ اس لئے انھوں نے گول مول طور پر کہہ دیا کہ وہ حلب ہی میں ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے چند آدمیوں کو بھیج کر ہم کو اطمینان دلایا ہے۔

یہ کہکر وہ باہر چلے آئے۔

چوتھا باب

رابعہ

رابعہ کو اپنے ہمراہ لے کر جولیس قلعۂ حلب میں داخل ہوگیا۔ ٹھیک اسی وقت یوقنا فصیل کی دیکھ بھال کر کے اُتر رہا تھا۔ اس کی نگاہ جولیس اور رابعہ پہ پڑی۔ اس نے جولیس سے پوچھا۔

تمہارے ساتھ یہ لڑکی کون ہے؟ یہ تو عرب معلوم ہوتی ہے۔

جولیس سخت خوفزدہ ہوگیا۔ اس لئے کہ یوقنا جہاں ایک کٹر عیسائی اور جنگجو تھا۔ وہیں وہ اتنا سطحی اور رکیک الحرکت بھی نہ تھا کہ وہ اغوا کرنے والے کو نظر انداز کر دیتا۔ اگر جولیس لڑ بھڑ کر کسی لڑکی کو لاتا تو یوقنا خوش ہوتا اور انعام و اکرام سے نوازتا۔ لیکن بھگا کر لانے والے کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے صورت حال کو سمجھ لیا اور حکم دیا کہ جولیس اور قیدی لڑکی کو اس وقت تک شاہی دربار میں رکھا جائے جب تک میں پورے قلعہ کا گشت لگا کر واپس نہ آجاؤں۔

جولیس اور اس کے ساتھی اس حکم سے کانپ گئے۔ اتنے میں ایک دیدبان نے آکر اطلاع دی کہ ایک مسلم دستہ تیزی سے جنگل اور پہاڑ کی جانب سے قلعۂ حلب کے محفوظ حصے کی طرف آرہا ہے۔ ابھی وہ اپنی رپورٹ پیش ہی کر رہا تھا کہ جولیس کا چھوڑا ہوا جاسوس بھی سامنے آیا اور اس نے دست بستہ مفصل احوال بیان کئے۔

یوقنا فوراً ایک پانچ ہزاری دستہ کو لے کر چور دروازے کی طرف چل پڑا۔ لیکن چلتے چلتے پھر اپنے حکم کو دہرا گیا کہ تم سب شاہی دربار میں میرا انتظار کرو۔ ایک خادم خاص کو حکم دیا کہ یوحنا کو مطلع کرو کہ اس قیدی لڑکی کو اپنے حوالے کر لے

میں لے کر اس کو آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے، خادم تعمیل حکم کے لئے چلا گیا۔ تب یوقنا ادھر روانہ ہوا۔

جولیس گھوڑے سے اتر کر کانپ رہا تھا اور اس کے تمام ساتھی اس غیر متوقع حالت سے لرزہ براندام تھے۔ جولیس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اچانک شاہ حلب سے ملاقات ہو جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سب سے پہلے قیدی لڑکی کو اپنے گھر لے جاکر اپنے باپ کو صورت حال سے آگاہ کرے گا اور وہ مناسب حال کچھ باتیں بنا کر یوقنا کو ہموار کرے گا۔ جولیس تو کیا کسی کو بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ شہر تو کیا پورے ملک میں رہ کر یوقنا کی عدول حکمی کرتا۔

جولیس اب پچھتا رہا تھا کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی اور جب ایسا کیا تھا تو یہی بہتر تھا کہ کسی دوسری طرف نکل جاتا۔ ناحق اس نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے یہ عمل کیا۔ لیکن وائے بدبختی۔ ؎

حسرتیں دل کی رہ گئیں دل میں

اور دل تھا اسیر زلفِ خیال

ملتا کا پتا اپنے ساتھیوں سمیت دربار شاہی میں گیا۔ اتنے میں یوقنا کا چھوٹا بھائی یوحنا آگیا اور اس نے رالبہ کو اپنی حوالگی میں لے کر شاہی محل کی راہ لی۔ وہاں اس نے رالبہ کو بیٹی کہہ کر مخاطب کیا، اور کہا۔

مجھے بڑا دکھ ہے کہ جولیس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی۔ یقین جانو ہمارے بھائی یوقنا والی حلب کو بھی یہ حرکت پسند نہ آئی ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں تمہارے اعزا کے پاس بعزت تمام بھیج دیا جائے۔

یوحنا نے یہ ساری باتیں عربی زبان میں کہی تھیں۔ وہ عربی زبان بڑی

روانی سے بول رہا تھا۔

پہلے تو رابعہ کو اس کی گفتگو سے بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن پھر اس کی مشفقانہ باتوں سے اس کی آنکھوں میں آنسو ہو گئے۔

ایسا ہونا قدرتی ہے کہ جب کسی مغموم اور مصیبت زدہ سے کوئی شخص مہربانی اور ہمدردی کی گفتگو کرتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے۔ یہ ایک علاج بھی ہے اس سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ اور غم ہلکا ہو جاتا ہے

یوحنا نے کہا۔

نہ رو میری بچی اور نہ اپنا دل چھوٹا کر۔ بے شک تیرے ساتھ ظلم ہوا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرا بھائی اصل حال سے آگاہ ہو گیا ہے وہ ضرور تیرے ساتھ انصاف کریگا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے جیتے جی تیرے ساتھ کوئی ناروا اور توہین آمیز سلوک نہ ہوگا۔

رابعہ کو جیسے اطمینان سا ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں آنچل سے پاک کیں اور کہا۔

"یا عم! یاد رکھئے، آپ نے مجھے بچی کہا ہے۔ اب میری عزت و آبرو کے آپ محافظ ہیں۔ میری سرپرستی فرمائیے۔

رابعہ جس وقت اپنے مادری لہجہ میں گفتگو کر رہی تھی تو یوحنا کو اس کے انداز پر بڑا پیار آیا۔ آواز حد درجہ مترنم اور دلکش تھی جیسے رات کے سناٹوں میں شہنائی بج رہی ہو۔

یوحنا نے کہا۔

اللہ تیرا محافظ ہے۔ بے شک میں نے تجھے بیٹی کہا ہے اور میں ایک باپ یا

چچا کا فرض ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔

اتنے میں یوحنا کی بھتیجی یعنی یوقنا بادشاہ حلب کی چھوٹی لڑکی شہزادی اریانوسہ جو حد درجہ حسین اور خوش جمال تھی۔ یوحنا کی آواز سن کر دوسرے کمرے سے آ گئی۔ یہ شہزادی یوحنا سے بہت مانوس تھی اور اسے اپنے باپ سے بڑھکر چاہتی تھی۔ یوحنا بھی اسے بہت چاہتا تھا اور ہر وقت اسی کا دم بھرتا تھا۔

یوحنا ایک مذہبی آدمی تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ وہ دنیا سے متنفر تھا اور سارا وقت مذہبی کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتا تھا۔ اس نے اموال دنیا سے کوئی چیز نہیں لی اور سب کچھ اپنے بڑے بھائی یوقنا کو سونپ دیا تھا۔ یوحنا بہت ہردلعزیز تھا۔ ملک کے سارے بڑے چھوٹے اس سے محبت کرتے، اس کا احترام کرتے اور اس کا حکم ماننے کے لئے ہمہ دم تیار رہتے۔

یوقنا بھی ملکی معاملات میں اس سے مشورے لیا کرتا تھا اور کوئی کام اس کی صلاح کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ لیکن پہلی بار ان دونوں بھائیوں میں اس وقت اختلاف ہوا جب جولیس کے باپ کے مشورے کے مطابق اس نے عربوں سے لڑائی کا فیصلہ کیا۔ یوحنا عبرانی زبان کا عالم بے بدل تھا۔ اس نے اگلی کتابیں اور ملاحم پڑھی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس جنگ میں عیسائیوں کو شکست ہو جائے گی اس لئے اس نے جنگ کی شدید مخالفت کی اور اس مخالفت کی وجہ اولیس بھی بھائی کی بڑھی ہوئی محبت تھی لیکن یوحنا کے اس خلوص محبت کو یوقنا سمجھ نہ سکا اور اس کو اس کی بزدلی اور عربوں کی طرفداری پر محمول کیا۔

یہ اختلاف اس روز بدرجہا بڑھ گیا جب وہ شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا اور مستقل جنگ کا پروگرام بنا لیا اور بار بار دھوکے سے مسلمانوں پر جا پڑتا۔ آج کل

دونوں بھائیوں کے دل بہت موٹے پڑ گئے تھے۔ تاہم یہ سب کچھ سیاسی طور پر تھا۔ خانگی معاملات پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ یوحنا جان و دل سے ارمانوسہ کو پیار کرتا اور ارمانوسہ سوتے جاگتے اس کو یاد کرتی۔

ارمانوسہ کو دیکھتے ہی یوحنا کے کمزور و نقیہ چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ اور ارمانوسہ بھی بچوں کی طرح آکر اس سے لپٹ گئی اور پوچھا۔

چچا جان، (رابعہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ کون ہیں؟

یوحنا۔ (رومی زبان میں) یہ عرب کی ایک شریف دوشیزہ ہے۔ اسے جولیس دھوکے سے زبردستی اُٹھا لایا ہے اور اس کو اپنے باپ ماں سے جدا کر دیا ہے دیکھو نا بے چاری کس درجہ مغموم ہے۔ اسے میں نے بیٹی بنا لیا ہے۔ تم اس کو اپنی بہن سمجھو۔ تمہارے باپ نے اپنی آمد تک اسے میرے حوالے کر دیا ہے۔ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ دیکھو واپس آکر اس کے اور جولیس کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ میں نے اس لڑکی سے اس کی حفاظت کا وعدہ کر لیا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اسے اس کے والدین کے پاس بھیج دیا جائے۔ مجھ کو اس کی معصومیت اور غمگینی پر بڑا رحم آرہا ہے۔

ارمانوسہ بھی فطرۃً بڑی نیک، خلیق اور ملنسار تھی۔ اس نے بڑھ کر رابعہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"آؤ میری پیاری بہن! تم غم نہ کرو، تم کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

رابعہ اس کی نیکی اور اخلاق سے بہت متاثر ہوئی۔ اس کا چہرہ شگفتہ ہو گیا۔ اس نے شہزادی کا شکریہ ادا کیا۔

یوحنا نے ارمانوسہ سے کہا۔

بیٹی! تمہاری بہن کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے، میں اسے تمہارے حوالے

کرتا ہوں۔ اس کو اپنے ساتھ رکھو، آرام پہنچاؤ اور اس کا غم غلط کرو اور وعدہ کرو کہ اپنے باپ پر زور ڈال کر اس کو اس کے والدین کے پاس پہنچوا دو گی۔

ارمانوسہ۔ ہاں چچا جان! میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی۔

یوحنا رابعہ کو تسکین اور دلاسا دے کر دوسرے کاموں سے چلا گیا۔

رابعہ کو یہ قطعی معلوم نہ تھا کہ سالم اس کی تلاش میں یہاں تک آگیا ہے۔

یوحنا نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی امداد آگئی تو اس نے سارا زور صرف کر کے سالم کو گرفتار کر لیا اور تیزی کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گیا۔ آج اسے اپنے سپاہیوں پر بڑا غصہ تھا کہ پانچ ہزار نے ۲۵ آدمیوں کا کچھ نہ بگاڑا اور خود ہزاروں کی تعداد میں نذر اجل ہو گئے۔ مگر یہ موقع ایسا نہ تھا کہ اس وقت لشکریوں پر غصہ اتارتا۔ وہ حد درجہ خشمناک تھا۔ بڑی مشکل سے وہ اس وقت ضبط کر گیا اور سب کو لے کر قلعہ میں واپس آگیا۔ اس نے قلعہ میں آ کر سالم کو داروغۂ جیل کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے لے جا کر بند رکھو، مگر اس کے کھانے پینے اور آسائش کا معقول انتظام کر دو۔ دیکھو اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ورنہ میں سخت باز پرس کروں گا۔ ضروری کاموں سے فراغت کر کے میں اس کو اپنے پاس بلواؤں گا۔

داروغہ سلام کر کے سالم کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا۔ تب یوقنا نے ہزیمت خوردہ فوج کے تمام افسروں کو حکم دیا کہ شاہی دربار میں حاضر ہو اور اپنے دستوں کو بھی ساتھ لاؤ۔

یوقنا کو اپنی ہزیمت اور بے پناہ افراد کا چند نفوس کے ہاتھوں مارے جانے کا اس قدر صدمہ اور غصہ تھا کہ اس کے دماغ میں جیسے آگ سی لگی ہو اور سینے میں بھٹی سلگ رہی ہو۔ وہ پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھوئے

اور آرام کیے بغیر دربارداری اور مقدمات کے فیصلہ کو ضروری سمجھا اور سیدھا دربار میں گیا۔

جولیس اور اس کا ایک ہزاری دستہ خوف وہراس سے دم بخود قسمت کا نوشتہ سننے کے لیے بیٹھا تھا جولیس کا باپ بھی صورت حال سے آگاہ ہوکر دم بخود بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ یوقنا کا معتمد مشیر اور اس کے مزاج میں بڑا دخیل تھا۔ لیکن اسوقت اس کا بھی ہاتھ پاؤں پھولا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یوقنا کے غیظ وغضب کی آگ کو بجھانا اس کے قابو سے قطعی باہر ہے۔

یوقنا نے جولیس کو اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جولیس سر سے پاؤں تک کانپتا ہوا تخت گاہ کے سامنے پہنچا اور گردن جھکا کر کھڑا ہوگیا۔

یوقنا نے گرجکر پوچھا۔

"جس کام کے لیے تم گئے تھے وہ پورا ہوگیا؟

جولیس۔ ہاں! اعلیٰ حضرت!

یوقنا۔ کس قدر رسد اپنے ساتھ لائے؟

جولیس۔ ایک ہزار من۔

یوقنا۔ اس کی قیمتیں مالکوں کو ادا کردی گئیں؟

جولیس "جی ہاں"، اعلیٰ حضرت۔

یوقنا۔ یہ عرب لڑکی تمھیں کہاں ملی۔ کیا مسلمانوں سے تمھاری جنگ ہوئی اور تم نے تلوار کے زور سے اسے حاصل کیا۔

جولیس کی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ یوقنا سے آنکھیں ملا کے جھوٹ بولتا۔ اس لیے وہ خاموش رہ گیا۔

یوقنا نے اپنے سوال کو دہرایا۔

جولیس نے تھرتھراتے ہوئے اتنا کہا۔

"نہیں! مسلمانوں سے میری جنگ نہیں ہوئی۔

یوقنا۔ تو گویا تم نے دھوکا دے کر عرب لڑکی کا اغوا کیا۔

جولیس سجدے میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

یوقنا نے یوحنا کو حکم دیا۔ عرب لڑکی کو حاضر کرو۔

یوحنا ایک وقار کے ساتھ اٹھ کر شاہی محل سرا میں گیا اور تھوڑی دیر میں رابعہ کو لے کر آ گیا۔ رابعہ نقاب میں تھی۔ جسے ارمانوسہ نے اس کی فرمائش پر فراہم کر دیا تھا۔

یوقنا نے رابعہ سے پوچھا۔

"بتا اے شریفہ عرب لڑکی تو یہاں کس طرح لائی گئی؟

رابعہ کو اس سے پہلے کبھی غیروں سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن اپنی نجات کی امید میں پہلی بار جسارت سے کام لے کر بڑی روانی سے عربی زبان میں اپنی روداد سنانے لگی۔ اس لئے کہ یوقنا جو عربی نہایت اچھی طرح جانتا تھا اس نے عربی ہی زبان میں رابعہ کو مخاطب کیا تھا۔

رابعہ نے فصیح و بلیغ زبان میں کہا۔

معزز بادشاہ! میرے باپ عاصم مدینہ کے معزز لوگوں میں ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ خلیفہ ابوبکرؓ اور خلیفہ حضرت عمرؓ کے معتمد ہیں۔ میں ان کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ حلب میں جنگ کے لئے آ رہے تھے۔ لیکن اس شخص نے (جولیس کی طرف اشارہ کر کے)

کرکے) دھوکے سے جبکہ ہم دو بہنیں ایک جھیل کے کنارے کھیل رہی تھیں۔ چوروں کی طرح تین ساتھیوں کے ہمراہ آیا اور اچانک مجھے دبوچ کر مغلوب اور بے ہوش کر دیا۔ اور گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ کر بزدلوں اور نامردوں کی طرح لے اڑا۔ راستہ بھر اس نے مجھے شدید تکلیف پہنچائی۔ دن بھر بے آب ودانہ رکھ کر سفر کرایا۔ میری حالت زار تھی رات کو بھی اس نے میرا جسم رسیوں سے جکڑ رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے شدید تکلیف تھی اور بے آرام رہی۔ رسی اس قدر جکڑی ہوئی تھی کہ میرے سارے جسم پر ابھی تک داغ موجود ہیں۔

سانس لے کر رابعہ نے پھر کہنا شروع کیا۔

یہ (جولیس کی طرف اشارہ کرکے) اور اس کے ساتھی راستے بھر فحش اور گندے مذاق کرتے رہے اور شراب پی پی کر بدمست ہوتے رہے۔ انھوں نے ایک دوشیزہ لڑکی کا احترام بھی نہیں کیا۔

رابعہ کا چہرہ جوش غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ گندے، بے حیا اور شرابی کوئی اچھے سپاہی نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو شریف قوم کہا جا سکتا۔ وہ انسانیت اور عیسائیت کے دشمن ہیں۔ شرابی اور بے حیا قوم فطری طور پر بزدل ہوتی ہے۔ اگر میری مسلم قوم میں کوئی شخص شراب پیے، بے حیائی کا ارتکاب کرے اور دھوکا دے کر کسی قوم کی لڑکی کو اغوا کرے تو میری قوم کا ہر فرد اُسے قابل موت قرار دیگا۔

مجھے صدمہ تو اس کا ہے کہ اس کا حملہ اتنا اچانک اور چوروں جیسا ہوا کہ میں مدافعت نہ کر سکی۔ اگر میں خبردار ہوتی تو یہ تین بزدل تو کیا تیس بھی تلوار کے زور سے مجھے مغلوب نہ کر سکتے اور میں اب بھی چیلنج کرتی ہوں کہ

اگر اب بھی اس بھگوڑے اور بزدل میں ذرہ برابر غیرت اور حمیت مردمی ہے تو تنہا یا اپنے تینوں ساتھیوں سمیت تلوار سے مقابلہ کرے، نیزے سے حملہ کرے میں انشاء اللہ اس کو شرافت اور انسانیت کا بہتر سبق دوں گی۔ جب دوران جنگ اور فوجی خدمات کے سلسلے میں آپ کے افسروں اور سپاہیوں کا یہ کردار ہے تو میں آپ کو آگاہ کرتی ہوں کہ یہ اپنے ملک و وطن اور آپ کی رعایا کی بہو بیٹیوں کے لئے بے حد خطرناک اور ارذل ترین مجرموں میں سے ہوں گے۔

اے محترم بادشاہ یہ جو کچھ ہوا۔ انسانیت اور عیسائیت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے اور خود آپ کے لئے ہتک آمیز ہے۔ میں آپ سے عدل و انصاف چاہتی ہوں۔

(دم لے کر)

یہ مانا کہ ہم میں اور آپ میں جنگ ہے لیکن بہادر اور اہل کتاب قوموں کی جنگ بزدلی، اغوا اور غنڈہ گردی کی اجازت نہیں دیتی۔ مسلمان اس کو انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی رکیک حرکت سمجھتے ہیں۔ اگر کسی فرد سے ایسی ناروا حرکت صادر ہوتی کہ بغیر جنگ کئے ہوئے کسی عیسائی خاتون کو دھوکے سے قابو میں لاتا تو اسلامی فوج کا ایک ادنیٰ چوکیدار بھی اس کو سرزنش کئے بغیر نہ رہتا۔ خلیفہ اور سپہ سالار اس کو کب برداشت کر سکتے تھے۔

تاہم اے معزز بادشاہ! میں آپ، آپ کے بھائی محترم عم یوحنا، شہزادے مجاہد ملکہ عالیہ کی شریفوں اور اخلاق سے میں بہت متاثر ہوئی اور شکر گزار ہوں۔

یہ کہہ کر رابعہ خاموش ہو گئی۔

وہ جب تک بولتی رہی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چاندی کی گھنٹی بج رہی ہو۔ الفاظ کا زیر و بم سمندر کی موجوں کی طرح سکون سے اضطراب کا رخ کر رہے تھے اور رفتہ رفتہ لہروں میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگی۔ آواز اس قدر مترنم اور روح پرور تھی کہ سامعین تصویر حیرت بنے ہوئے سن رہے تھے اور جو لوگ عربی نہیں جانتے تھے وہ بھی اس کی غنائیت سے مسحور ہو کر رہ گئے تھے ان کے کانوں میں جلترنگ سا بج رہا تھا۔ یوحنا اور یوقنا دونوں کھوئے ہوئے رہے

کچھ دیر کے بعد یوقنا نے ہاتھ کے اشارے سے کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔

جب وہ بیٹھ گئی تب یوقنا نے سر اٹھا کر جولیس سے کہا۔

شرم کر او بے غیرت انسان! تو نے بہادری، انسانیت، علیا نسبت اور شرافت کا نام خوب روشن کیا۔ شرم کر او پاجی اور کمینے، تو نے اپنے باپ اور بادشاہ کو ذلیل کیا۔ اگر مجھے تیرے باپ کا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو سر دربار میں اپنے ہاتھوں سے تیری کھال ادھیڑ لیتا اور ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا کر فصیل کے نیچے پھنکوا دیتا۔

جا دور ہو جا میری نگاہوں سے۔ ہاں وہ تیرے ساتھی جنہوں نے اس کام میں تیری مدد کی وہ بھی اسی سزا کے مستوجب ہیں۔ لیکن میں ان پر بھی رحم کرتا ہوں مگر ان کے عہدے اور تنخواہیں ضبط کی جاتی ہیں اور تو بھی آج سے محض ایک سپاہی ہے۔"

جان بچی اور لاکھوں پائے، اس ذلت کے بعد وہ چھپتا جا گیا گردن [illegible] دربار سے [illegible] کے اور [illegible] کو [illegible] جاتا کہ آج یوقنا کے [illegible]

غضب سے کسی طرح جان تو بچی۔ لیکن جو لیس کے دل پر آرے چل رہے تھے۔ وہ رابعہ کی صورت کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے حسن پر دیوانہ ہو رہا تھا۔ مگر اس وقت خیریت اسی میں تھی کہ رابعہ کو کچھ دنوں کے لئے بھول جائے اور اپنی جان کی خیر منائے۔

ابھی یوقنا کے مزاج میں کڑواہٹ اور تلخی باقی تھی۔ اب پورے غصے میں وہ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کے افسرانِ بالا سے مخاطب ہوا۔

"سورما عیسائیو! تمہاری بہادری میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ بجیب بدوں نے تمہارے ہزاروں بھائیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اور تم دم دبا کر اور شکست کھا کر بھاگ جانے پر مجبور ہو گئے۔

تمام سپاہی اور افسران لرزہ براندام کھڑے تھے۔ ان میں سے بعضوں کو جو ذرا خوددار اور واقعی جری قسم کے تھے ...... یوقنا کی سرزنش اور طعن آمیز گفتگو بہت ناگوار گزری۔ جی میں آیا کہ کہہ دیں۔

جنابِ والا! بھاگنے والوں میں تو آپ ہی آگے آگے تھے اور تلوار کی آنچ میں آپ ہی نے کون سا بڑھ کر تیر مارا تھا۔ لیکن کس کی مجال تھی کہ یوقنا کے منھ آتا۔ سب خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہ گئے

یوقنا نے پھر گرج کر کہا۔

"جی میں آتا ہے کہ ایسے بزدلوں کو شدید سزائیں دوں اور قلعہ کا پھاٹک کھول کر نکال دوں کہ عرب درندے سب کی تکا بوٹی کر ڈالیں۔ دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے۔

سپاہیوں اور افسروں کی آج شدید توہین ہوئی تھی۔ سبھی دل ہی دل میں

پیراغ پا تھے۔ بادل اور بے زار تھے۔ خاموشی کے ساتھ ٹل گئے۔

اب دربار میں صرف گنے چنے لوگ رہ گئے۔ ابھی رابعہ بھی موجود تھی۔ یوقنانے یوحنا کو اشارہ کیا کہ وہ رابعہ کو شہزادی کے سپرد کر آئے۔

یوحنا بھی یوقنا کے موجودہ طرزِ عمل سے بہت بادل ہو گیا تھا۔ اس کو اس وقت کی طعن آمیز گفتگو اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ اٹھ گیا اور رابعہ کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ رابعہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اسے لے کر اپنی بھتیجی کے پاس پہنچا اور کچھ ہدایات دے کر پھر دربار میں واپس آیا۔

یوقنا جو لبیس کے باپ سے کہہ رہا تھا۔ کچھ ہو جائے۔ میں عربوں کو اس سرزمین سے نکال کر ہی دم لوں گا اور کسی حالت میں جنگ بند نہ کروں گا۔ ذرا انطاکیہ سے فوج آئے تو میں ان عربوں سے سمجھوں۔

یوحنا خاموش رہا، گویا وہ دل سے ان باتوں کو ناپسند کر رہا ہو۔

یوقنا نے پوچھا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟

یوحنا۔ "میری اس بارے میں کوئی رائے نہیں ہے۔" خیر... قطع کلام معاف یہ بتائیے! اس عرب لڑکی اور اس نوجوان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ جسے آپ گرفتار کر لائے ہیں۔

یوقنا یوحنا کے قطع کلام اور بات کا رخ پلٹنے سے حد درجہ برہم ہو چکا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

تم ایک بزدل، سرپھرے مذہبی دیوانے ہو۔ تم کو ان باتوں سے کیا سروکار؟ جاؤ اپنے کام سے کام رکھو۔

یوحنا حد درجہ ذی علم اور مذہبی ہونے کے باوجود اپنے بڑے بھائی یوقنا کا حد درجہ احترام اور محبت کرتا تھا۔ تاہم اسے یوقنا کا طرز گفتگو بہت شاق اور توہین آمیز گزرا مگر وہ ضبط کر گیا اور بولا۔

بہر حال میں آپ کے انتظامی اور سیاسی معاملات میں آپ کو کوئی رائے نہیں دیتا۔ میں نے یوں ہی آپ سے ایک بار رائے پوچھی تھی۔

یوقنا۔ (غصہ میں) اور میں تمہاری رائے پوچھتا ہوں۔

یوحنا نے پہلی بار جسارت سے کام لے کر کہا۔

میں نے عرض کر دیا کہ اس بارے میں میری کوئی رائے نہیں۔

یوقنا۔ یعنی ؟

یوحنا۔ یعنی یہ کہ عربوں سے جنگ فضول ہے اور شہر والوں کی مرضی کے خلاف ہے

یوقنا۔ گویا میں عربوں سے صلح کر لوں۔

یوحنا۔ دانشمندی اور سیاست کا تقاضا تو یہی ہے۔

یوقنا۔ اور اگر میں صلح نہ کروں۔

یوحنا۔ یہ آپ جانیں!

یوقنا تو کیا شہر والے عربوں سے صلح کر لیں گے؟

یوحنا۔ موجودہ حالات اور بڑھتی ہوئی مشکلات کو دیکھ کر قرین قیاس تو یہی ہے۔

یوقنا۔ اس مشورے میں کون کون شامل ہے۔؟

یوحنا۔ یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔

یوقنا۔ فرط غضب سے کانپنے لگا۔ پھر بولا۔

"اس مشورے میں یقیناً تم بھی شامل ہو گے؟" یوقنا نے پوچھا۔

یوحنا۔ میں جھوٹ تو نہیں بولوں گا۔ گو میں مشورے میں عملی طور پر شامل نہیں ہوں،
مگر میری ذاتی رائے یہی ہے کہ جنگ نہ کی جائے۔

اب یوقنا پاگلوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔

"چلے جاؤ، یہاں سے، معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری موت میرے ہاتھوں ہے
میں شہر میں آگ لگا کر تمام اہل شہر کو جلا دوں گا، ورنہ ان کو جنگ کرنی ہی پڑے گی۔

یوحنا اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ گردن جھکائے دربار سے نکل گیا

آج بھائی کی سخت کلامی اور درشت مزاجی سے اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اگر وہ
چاہتا تو تمام اہل شہر اس کا ساتھ دیتے اور یوقنا کو معزول کر کے اس کو بے دست
پا کر دیتے۔ مگر یوحنا بھائی کی محبت کے غلو میں یہ سب کچھ نہ کرنا چاہتا تھا۔

پانچواں باب
خونِ ناحق

یوحنا محل سے نکل کر اپنی اس چھوٹی سی عبادت گاہ میں چلا آیا جو اس نے اپنے لئے بنوایا تھا۔ اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ وہیں صرف کرتا تھا۔ البتہ بھتیجی کی محبت سے مجبور ہو کر دو تین بار شاہی محل میں چلا جاتا اور خود شہزادی بھی وہاں عموماً جاتی رہتی تھی۔ وہ آٹھ بجے رات تک اُداس اور مغموم پرانی کتابیں دیکھتا رہا۔ اس نے تمام لذاتِ دنیاوی کو ترک کر دیا تھا۔ سادہ غذا اور سادہ لباس اس کے معمولات تھے اس لئے شاہی محل کے الوانِ نعمت سے اُسے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس کا معمولی کھانا اس کا خادم تیار کرتا۔ پنیر، مکھن، سادہ روٹی، پانی اور پھلوں سے اس کی غذائی ضرورت پوری ہوتی، شراب اور سور بچپن سے اس نے استعمال نہیں کیا۔

آج اسے معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی سمٹ کر مختصر ہو رہی ہے اور آج کی رات اس کی آخری رات ہے۔

اس نے کتاب بند کی اور ایک خادم کو بھیج کر شہزادی برمانوسہ کو اپنے پاس بلایا۔ اس کے دل نے صدا دی کہ اب پھر یہ صورت اس کے دیکھنے میں نہ آئے گی۔ اس نے شہزادی کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

نورِ چشمی! یہ بکس (ایک چھوٹا سا بکس اس کے حوالے کرتے ہوئے) اپنے پاس رکھو، دو چار دن کے بعد اسے کھولنا۔ لیکن آج تم کو اپنے چچا سے ایک وعدہ کرنا ہوگا؟

"وہ کیا چچا جان ؟ اور یہ بکس کیسا ہے ؟"

یوحنا۔ اس کے متعلق تو اس وقت مجھ سے کوئی سوال نہ کر میری بچی۔!"

"تجھے یہ وعدہ کرنا ہے کہ جس عرب لڑکی کو میں نے تیرے سپرد کیا ہے۔ اسے میں نے بیٹی کہا ہے۔ اس کا خیال رکھنا اور اپنے باپ پر زور ڈالتا.......

.........کہ اسے بعزت تمام اس کے والدین کے پاس پہنچا دیا جائے اور آج تمہارے والد ایک نوجوان عرب قیدی کو لائے ہیں اس کے لئے بھی کوشش کرنا کہ اس کو رہا کر دیں۔ اور ہاں! اگر میں کچھ دنوں کے لئے کہیں چلا جاؤں تو آزردہ نہ ہونا۔ میری یاد میں بے چین نہ ہونا۔

ارمانوسہ، آپ کہاں جائیں گے چچا جان"

یوحنا: "یہ تجھے بتانے کی بات نہیں میری بیٹی!"

ارمانوسہ نے سمجھا کہ کسی ملکی یا سیاسی کام سے کہیں باہر جانے کا ارادہ ہے۔

لیکن اس نے پھر پوچھا۔

"کب تک واپس آئیں گے؟ میں آپ کے لئے بہت بے چین رہوں گی۔

یوحنا۔ یہی تو میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں میری بیٹی کہ تو پریشان نہ ہونا۔ اچھا! اب جا میری بیٹی آرام کر، مجھے چند ضروری کام کرنا ہیں۔ لے خدا حافظ۔

ارمانوسہ بہت سست اور اُداس با دل ناخواستہ سلام کر کے اور اپنے چچا پر الوداعی نظر ڈال کر روانہ ہو گئی۔ اس کے قدم واپس جانے کے لئے اٹھتے نہیں تھے۔ خدا جانے کیوں اس کا دل مل رہا تھا۔ اس کا رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ ادھر یوحنا کی نگاہوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے اور خود بخود اس کے دل سے یہ صدا آ رہی تھی کہ اب یہ بھولی اور عزیز شکل دوبارہ نظر نہیں آئے گی۔

بہر حال ارمانوسہ اپنے محل میں واپس آئی، خادماؤں سے پوچھا کہ رابعہ کھا پی چکی ہے

معلوم ہوا کہ ہاں اسے کھلا پلا کر اس کے کمرے میں آرام کرنے کے لئے پہنچایا جا چکا ہے

لیکن وہ کئی بار آپ کو یاد کر چکی ہے

شہزادی رابعہ کے کمرے میں گئی تو دیکھا، واقعی انا اس لڑکی ابھی جاگ رہی ہے

شہزادی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر رابعہ اُٹھ بیٹھی، شہزادی بڑھکر رابعہ

کے پاس بیٹھ گئی اور دیر تک اس کو تسلی دیتی رہی اور وعدہ کیا کہ تم آرام اور

بے فکری کے ساتھ رہو۔ میں کوشش کروں گی کہ بہت جلد تم کو تمہارے والدین

کے پاس پہنچا دیا جائے۔ رابعہ نے ارمانوسہ کا شکریہ ادا کیا۔

تب ارمانوسہ نے چلتے چلتے کہا۔

تم اپنوں میں جاکر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گی میری بھولی بہن۔

رابعہ نے اسے یقین دلایا کہ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتی میری خلیق شہزادی

شہزادی نے چلتے چلتے تاکید کی کہ تم مجھے شہزادی نہ کہا کرو، بہن کہا کرو۔

پھر اس نے کنیزوں کو ہدایت کی کہ دیکھو اس عرب لڑکی کو کسی بات کی

تکلیف نہ ہونے پائے اور جس طرح میرے احکام کی تعمیل ہوتی ہو بالکل اسی

طرح رابعہ کے احکام کی تعمیل کرنا ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

یہ کہکر شہزادی چلی گئی اور اپنے کمرے میں جاکر لباس تبدیل کر کے سو رہی۔

چھٹا باب
ظلم کی انتہا

ایک دن ایک رات کو یوقنا یوحنا کی عبادت گاہ میں پہنچا۔ یوحنا اس وقت بھی پرانی کتابیں اور رسالے پڑھ رہا تھا۔ یوقنا سخت غصہ اور جوش کی حالت میں تھا۔ اس کے چہرے کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور آنکھیں فرطِ غضب سے سرخ تھیں۔ غالباً اس نے بکثرت شراب بھی پی تھی اس لئے وہ قطعی آپے سے باہر تھا

اس نے آتے ہی یوحنا سے کہا۔

"اب تم اپنی رائے سے مجھے مطلع کرو!"

یوحنا نے کتاب بند کر دی اور نہایت اطمینان سے سنبھل کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"میرے بڑے اور محترم بھائی! میری رائے میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور میں آپ کی بھلائی بھی اسی میں دیکھتا ہوں کہ آپ جنگ بند کر دیجئے۔

یوقنا۔ اگر جنگ نہ کی اور نہ کیا ہوگا؟

یوحنا۔ یہ سچ ہے کہ آپ میرے بزرگ اور بڑے ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ اور اگر جانتے تو آپ کا سینہ پھٹ جاتا آپ کو اقتدار کی ہوس نے اندھا کر دیا ہے اس قدر اندھا کہ اب آپ کو اپنے دوست اور دشمن کی بھی تمیز نہیں۔ اگر آپ کو کچھ جاننا ہو تو اس کتاب کو پڑھئے، جس کو میں ابھی پڑھ رہا تھا۔

"ناہنجار! میری کوئی بھی بات سننا نہیں چاہتا اور نہ تیری ملعون کتاب کو

دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری باتوں کا مختصر جواب دے۔

یوقنا نے اس طرح کہا کہ اس کے منھ سے کف جاری تھا۔

یوحنا۔ آہ بھائی اتنی سختی نہ کیجئے، میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں سن لیجئے میں جانتا ہوں کہ میرا وقت آگیا ہے اور میں مرنے کے لئے تیار بھی ہوں اس لئے کہ میرا دل ہر طرح کی ہوس سے پاک ہے۔ میری باتیں سنئے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں آپ کا بدخواہ نہیں ہوں، نہ مجھے حکومت کی تمنا ہے۔ اور......
میری آنکھوں پر اقتدار کی پٹی بھی نہیں بندھی ہوئی ہے۔ میرے سامنے آنے والے واقعات کے اوراق کھلے ہوئے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ روم و شام کا نقشہ بدل رہا ہے۔ میں تو......

یوقنا۔ چپ رہ نالائق، میں پوچھتا ہوں کہ تو اپنی رائے میں تبدیلی کرتا ہے یا نہیں؟....

اب یوحنا کو بھی جوش آگیا، اس نے کہا۔

سن لیجئے، اگرچہ میرا پیمانۂ عمر لبریز ہوچکا ہے اور آپ بھی مجھے کھو کے پچھتائیں گے، مجھے یاد کر کے خون کے آنسو روئیں گے۔ لیکن آپ کی عزت و حکومت کا وقت بھی ختم ہوگیا۔ یا تو آپ مسلمان ہوجائیں گے یا مسلمانوں سے شریفانہ معاہدہ کرلیں گے۔

یوقنا۔ ننگ خاندان بتا تو کیا ہوکر اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔؟

یوحنا۔ الحمد للہ! میں مسلمان ہوں اور عرصہ ہوا کہ ظلمت سے نکل کر نور کے دائرے میں آچکا ہوں اور آپ بھی گواہ رہیں کہ میں مسلمان ہوں اور کلمۂ طیبہ کا اعادہ کرتا ہوں۔ اشہد ان لاالٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ۔

یوحنا کی زبان سے کلمۂ شہادت سنتے ہی یوقنا کا پارہ حد انتہا کو پہنچ گیا۔ جوشِ غضب نے اس کی عقل سلب کر لی اور خون کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا۔ اس نے کمزور و نحیف زاہد مرتاض یوحنا کو اٹھا کر دے مارا اور چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔

یوحنا نے ذرہ برابر مزاحمت نہیں کی بلکہ آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔

یوقنا نے خنجر نکال کر دیوانہ وار اپنے چھوٹے بھائی کو بے دردی کے ساتھ بکرے کی طرح ذبح کر ڈالا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

ایک مردِ مومن کا خون اس طرح بے دردی و بے رحمی کے ساتھ زمین پر بہایا گیا اور معجزہ تو یہ سرزد ہوا کہ سر دھڑ سے الگ ہو کر بھی ایک مختصر وقفہ تک کلمۂ شہادت کی تکرار کرتا رہا۔ اس کے بعد چند سکنڈ لب خاموش طور پر ہلتے رہے اور بالآخر اس مومن مظلوم کا جسم ٹھنڈا اور ساکت ہو گیا۔

یوقنا اٹھ کھڑا ہوا۔

یہاں جس وقت ظلم و ستم کی یہ انتہا ہو رہی تھی، ٹھیک اسی وقت شہزادی ارمانوسہ اپنے کمرے میں زرنگار مسہری پر سو رہی تھی۔ وہ سست اور اداس ہی اپنے بستر پر آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل بے حد مغموم تھا۔ اس کا دماغ بے حد پریشان تھا۔ نہ جانے کیوں اسے مشفق چچا یوحنا بے حد یاد آ رہا تھا۔ خدا جانے کیوں دل کے کسی کونے سے ایک مبہم اور خاموش، گھٹی ہوئی سی صدا آ رہی تھی کہ اب زندگی میں دوبارہ اپنے چاہنے والے چچا کو نہ دیکھ سکے گی۔ وہ بار بار اپنے دل کو جھڑک رہی تھی لیکن واقعی آج اس کا دل رو رہا تھا۔

فریاد کر رہا تھا اور متوحش تھا۔

وہ دیر تک اپنے نرم و گداز بستر پہ کروٹیں بدلتی رہی بالآخر نہ جانے کب اور کیسے اسے نیند آ ہی گئی۔ لیکن اس کی نیند بڑی پریشان سی نیند تھی، نیند میں بھی اس کا دل پریشان رہا۔ بار بار چونک پڑتی اور بھیانک خواب دیکھتی رہی۔

یکایک خواب کا منظر تبدیل ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ وہ اپنے چچا یوحنا کے ساتھ ہو کا لق و دق میدان میں سفر کر رہی ہے تا آنکہ وہ ایسی بھیانک اور وحشت ناک جگہ میں پہنچی۔ جہاں ہر طرف ویرانی اور خوف و ہراس کا ڈیرا تھا۔ وہ اپنے چچا یوحنا کی انگلی پکڑے ہوئے تھی۔ مگر کانپ رہی تھی اور قدم قدم پہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ وہ کہیں نامعلوم طور پر بچھڑ نہ جائے۔ یوحنا اسے تسکین دے رہا تھا کہ وہ جدا نہ ہوگا

یکایک اس نے دیکھا کہ اس کا باپ یوقنا ناگہانی طور پر کہیں سے آ گیا اور بغیر کچھ پوچھے گچھے حملہ کر کے اُسکے پیارے چچا کو قتل کر دیا۔ ارمانوسہ نے زور سے چیخ ماری کہ یہ چیخ اتنی کرب انگیز اور بھیانک تھی کہ وہ اُچھل کر مسہری سے نیچے آ رہی اس کا سارا بدن پسینہ سے شرابور کانپ رہا تھا۔ زبان خشک تھی۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر اس کی ماں، سہیلیاں اور کنیزیں دوڑ کر اس کے کمرے میں آئیں تو دیکھا کہ ارمانوسہ کمرے میں فرش زمین پر بیٹھی ہوئی کانپ رہی ہے اور سارے جسم سے پسینہ خارج ہو رہا ہے۔

ماں نے گھبرا کر پوچھا۔

"کیا ہوا میری بیٹی! تیرا یہ کیا حال ہے؟ کیا تو نیند میں ڈر گئی ہے۔؟

کنیزوں نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔

ارمانوسہ اب بھی کانپ رہی تھی۔ اس نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

البتہ اس نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں اپنی ماں سے کہا۔

"میں اپنے چچا کے پاس جاؤں گی۔"

ارمانوسہ کی ماں، "اس وقت"

ارمانوسہ۔ "ہاں اسی وقت، مجھے نہ روکو میری اچھی ماں۔ ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گی یا مرجاؤں گی۔"

ارمانوسہ کی ماں ــ میں تجھے روکتی نہیں میری بیٹی، تو جا سکتی ہے۔ اپنے کنیزوں کو ساتھ لے لے۔ پھر اس نے خادم کو بلوایا۔ کنیزوں کو تاکید کی کہ شہزادی کو اسی وقت اس کے چچا کے پاس لے جاؤ اور جب طبیعت بحال ہوجائے تو فوراً واپس لاؤ، ورنہ میں اس کے لئے پریشان رہوں گی۔

ارمانوسہ ٹھیک اس وقت یوحنا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ جب اس کی لاش تڑپ کر سرد ہوچکی تھی۔ وہ مرد مومن و مظلوم اپنے ہی خون میں ڈوبا ہوا پڑا تھا اور اس کی بے نور آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں، جن سے رنج و صدمہ کی بجائے حسرت و یاس جھانک رہی تھی۔ تاسف کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے لب وا تھے مگر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ شاید ابدی نیند میں وہ جنت کے نظاروں سے مسرور تھا اور اپنے بھائی کے ظلم و جبر پہ استہزا کر رہا تھا۔

یوقنا خون میں بھرا ہوا خنجر ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑا تھا۔ جس سے ٹپ ٹپ خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس کا کپڑا بھی خون کی چھینٹوں سے بھر گیا تھا۔ جوش میں اندھے ہوکر یوقنا نے اپنے معصوم مذہبی اور محبتی بھائی کو قتل کردیا۔ اس بھائی کو جسے اس نے بچپن سے پال پوس کر جوان کیا تھا اور اولاد کی طرح چاہتا تھا اور جو بھائی یوحنا کی اولاد کا عاشق زار تھا، محض سیاست اور مذہب کے اختلاف کی

بنا پر بکرے کی طرح ذبح کر دیا۔ لیکن اب جو اُٹھ کھڑا ہوا تو اس کا ردعمل شروع ہوا۔ بھائی کو خاک و خون میں بے جان تھرتھراتا ہوا دیکھا تو تعصب، غصہ اور جوش کی عینک آنکھ سے اُتر گئی۔ خون جوش میں آنے لگا۔ کلیجہ منہ کو آ گیا۔ دیوانگی کا غلبہ ہوا۔ وہ حیرت اور خوف بھری نگاہوں سے اپنے شہید بھائی دیکھ رہا تھا اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ساکت و صامت از خود رفتہ کھڑا رہا۔ اس کا ہر بن مو رو رہا تھا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ اور دماغ اس پر نفریں بھیج رہا تھا اور دل لعنت۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی آنکھیں قیامت تک نہ کھلیں وہ یونہی کھڑا کھڑا مر جائے۔

اب وہ سوچنے لگا۔

اپنی بیٹی ارمانوسہ کو کیا منہ دکھائیگا۔ کیا جواب دے گا۔ وہ اپنی بیوی کو کون سا منہ دکھائے گا اور اس سے کیا کہے گا۔ وہ اپنے عزیز بھائی کو اب کہاں پائے گا۔ اتنے میں ارمانوسہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن یوقنا ایسا خود فراموش تھا کہ اسے ذرہ برابر نہ محسوس ہو سکا کہ کون اس کمرے میں داخل ہوا۔

شہزادی جونہی اپنے کنیزوں اور خادم کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی، سب سے پہلے اس کی نگاہ اپنے باپ پر پڑی جو ہاتھ میں خون بھرا ہوا خنجر لئے کھڑا تھا۔ پھر اس کی نگاہ اپنے مشفق چچا کی خون آلود لاش پر پڑی۔ جس کا سر جدا پڑا ہوا تھا۔

ارمانوسہ کا خواب کس قدر جلد حقیقت بن کر سامنے آیا۔ اس نے پھر ایک خوفناک چیخ ماری اور بے تحاشہ اپنے چچا کی لاش پر یہ کہتی ہوئی گر پڑی۔ آہ چچا! یہ کیا ہوا۔ کیا میرا خواب سچا ہو گیا۔ تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ تم نے

تو مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ میں چند روز کے لئے سفر پہ جارہا ہوں۔ آزردہ نہ ہونا، مجھ سے وعدہ کرکہ میرے لئے اُداس نہ ہوگی۔ آہ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔ میرے محترم اور مشفق چچا کو مار ڈالا ۔ ۔ ۔ ۔

آہ! تم بولتے کیوں نہیں چچا! دیکھو نا تمہاری بیٹی تمہارے لئے کس قدر آزردہ اور اُداس ہے۔ مجھے بھی اپنے پاس بلالو، ورنہ میں زندگی بھر اُداس رہونگی"۔
ان الفاظ کے بعد وہ ساکت ہوگئی۔ لب ہلتے ہلتے رُک گئے۔ عضلات سکڑ کر سخت ہو گئے۔ ہوش و حواس جواب دے گئے اور وہ بے ہوش ہو کر مُردے کی طرح چچا کی لاش پر گر پڑی۔

اب یوقنا چونکا وہ آہستہ آہستہ بڑھا۔ خنجر غیر ارادی طور پر ہاتھ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ہاتھ سے چھوٹ کے گر پڑا۔ اس نے مدھم آواز میں اس کی کنیزوں سے کہا کہ ارمانوسہ کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ کنیزوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیا اور دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

یوقنا مردہ چال سے بھائی کی لاش کے قریب گیا۔ اس کے سر کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھایا، اور تھر تھراتے ہوئے ہاتھوں سے سر کو جسم سے ملا کر رکھ دیا۔
جُھک کر دیر تک دیوانہ وار چہرے کو دیکھتا رہا پھر پیہم بوسے دئے۔ اس کے بعد لاش کے برابر خون پر لیٹ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے لاش کو بھینچ کر سینے سے لگا لیا اور آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔

یوحنا! کیا میں نے تجھے قتل کر دیا۔ اپنے قوت بازو کو، اپنے مددو معاون کو، اپنے لخت جگر کو، اپنی روح کو، اپنی جان کو، کیا واقعی میں نے آج اپنے آپ کو قتل کر دیا۔
پھر یوقنا نے ایک دلدوز چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔

خادم ایک گوشے میں مغموم و متحیر کھڑا تھا۔ وہ دوڑ کے بادشاہ کے پاس پہنچا ایک کنیز پہلے ہی دوڑ کر ملکہ کو خبر کرنے چلی گئی تھی۔ جس وقت یوحنا کی بیوی کو اس حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی تو اس کو اتنا صدمہ ہوا کہ غالباً اس کی روح پرواز کر جاتی۔ کیونکہ وہ یوحنا کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتی تھی اور یوحنا بھی اس کا ماں سے زیادہ احترام کرتا اور سعادت مند بیٹے کی طرح اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔

خدا جانے وہ کس عالم میں اور کس طرح یوحنا کی عبادت گاہ تک آئی۔ یہاں آکر جو یہ منظر دیکھا تو اس کا دل دہل گیا۔ دنیا اس کی نگاہ میں تاریک ہو گئی۔ اس نے مدہم آواز میں خادم اور کنیزوں کو اشارہ کیا کہ وہ یوحنا کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جائیں۔

چنانچہ یوحنا کو بے ہوشی کے عالم میں وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ تب یوحنا کی بیوی لاش کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے سیل اشک بہہ نکلا۔ کلیجہ سے ہوک اٹھنے لگی۔ وہ بار بار یوحنا کا خون دونوں ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر اپنے بالوں میں ملتی، روتی اور یوحنا کا نام لے کر اسے پکارتی۔

ہر چند کنیزوں نے چاہا کہ ملکہ کو وہاں سے اٹھا لیا جائے لیکن وہ نہ اٹھی اور ڈانٹ کر کنیزوں کو الگ کر دیا۔ اس کے ذہن میں یوحنا کی غشی اور ارمانوسہ کی بے ہوشی کا خیال نہ آیا۔ وہ صبح تک اسی طرح سر کھولے بیٹھی روتی رہی۔ شہر میں خبر ہو گئی اور اسی وقت ہزاروں آدمی جمع ہو گئے۔ فوجی افسران، سرکاری عمال، پادری، ننیں اور فوجی سپاہیوں کی آمد کا تانتا لگ گیا۔

یہ دیکھ کر خادم نے چالاکی کی اور جھٹ عبادت گاہ کا پھاٹک بند کر دیا اور اعلان کر دیا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں۔ صبح کو

سب کیفیت بتائی جائے گی۔

کچھ دیر تک تو لوگ انتظار اور سرگوشیاں کرتے رہے، پھر واپس چلے گئے۔

صبح تک یوقنا ہذیانی کیفیت میں مبتلا رہا۔ ارمانوسہ کی حالت بھی بڑی خراب رہی۔ اور ملکہ تو گویا غم، ندامت اور شرم سے دیوانی ہو رہی تھی۔ لیکن دنیا میں سب سے زیادہ حیرت ناک طلسم انسان کا دل و دماغ ہے۔ وہ نت نئے رنگ بدلتا ہے، جس طرح انسان کا ذہن نئے نئے طلسمات خیال بناتا ہے اور پھر خود ہی مٹا بھی دیتا ہے اور جس طرح رنج و غصہ کے اثرات دیرپا نہیں ہوتے۔ اسی طرح خوشی اور مسرت کے اثرات بھی عارضی ہوتے ہیں۔

کبھی یہی دل و دماغ سمندر کی طرح ساکن ہوتے ہیں اور کبھی دریا کی طرح متلاطم۔ کبھی طوفان کی گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور انسان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا کبھی مطلع صاف ہوتا ہے اور مسرت کی لہریں رقصاں ہوتی ہیں۔ الغرض رنگ بدلتا رہتا ہے اور طبیعت مختلف سانچے میں ڈھلتی رہتی ہے۔

یوں تو یوقنا غم سے پاگل ہو رہا تھا۔ مگر وہ عجیب و غریب انسان تھا۔ وہ بہت بڑی قوت ارادی کا مالک تھا۔ وہ صبح تک ازدیاد غم میں سینہ کوبی کرتا رہا۔ آج اس کی نگاہ میں اقتدار حقیر ہو کر رہ گیا تھا۔ بادشاہت گدائی سے بدتر تھی۔ ملک و مال اور جاہ و جلال کی کوئی قیمت نہ تھی۔ وطن کی محبت اور معتقدات کی افضلیت رشتہ تعلق اور خون، قرابت اور اخوت کے بے پناہ سمندر میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ اس کا دل اس کے پہلو میں پھٹ جانے کے لئے پھڑ پھڑا رہا تھا اور قلب الٹ رہا تھا موت زندگی کے مقابلے میں زیادہ خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔ یوحنا کے خون نے آج علیائیت کے ایوان اعلیٰ کو منہدم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے اعضا مفلوج

ہو رہے تھے۔ حکیموں اور ڈاکٹروں نے اسے مقوی اور مسکن ادویات پلائیں۔ صبح کے قریب فطری طور پر حزن و ملال کا ردعمل بھی شروع ہوا اور دل و دماغ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ اس نے فوراً اٹھ کر غسل کیا اور باہر نکل گیا۔ وہ بیوی اور بیٹی کے سامنے جاتے ہوئے ڈرنے لگا تھا۔ خادموں اور کنیزوں سے ملکہ اور ارمانوسہ کی حالت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ صبح کو ملکہ کو غشی کے عالم میں یوحنا کے سرہانے سے اٹھا کر شاہی محل میں پہنچا دیا گیا اور ارمانوسہ کو بھی وہیں بھیج دیا گیا۔

یوحنا نے حکما اور ڈاکٹروں کو تاکید کی کہ ملکہ اور شہزادی کی کافی نگہداشت کی جائے۔ پھر اس نے انگور اور سنترہ کا عرق استعمال کر کے اپنی گرتی ہوئی ہمت کو بحال کیا اور فوراً حلب کے بڑے پادری کو بلا کر تنہائی میں اس سے سارے واقعات بیان کر دیئے۔

پادری دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے یوحنا سے کہا۔

اے بادشاہ! اس میں شک نہیں کہ ایک بھائی کا قتل ایک ایسا سانحہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ نے یہ قربانی عیسائیت کی عظمت اور بقا کے لئے پیش کی ہے آپ کی ذات قابل احترام اور قابل صد فخر ہے آپ آرام سے بیٹھے رہیں میں قوم، فوج اور شہر کے معززین کو بلا کر تمام صورت حال سے آگاہ کر کے ان کو مطمئن کر دوں گا۔"

یہ پادری بڑا مکار اور مطلب پرست تھا اس نے سوچا کہ یہی موقع ہے کہ یوحنا کی مدد کر کے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جا سکے اور مقرب بننے کی کوشش کی جائے۔ یوحنا اس کی اس فطرت سے اچھی طرح واقف تھا مگر یہ موقع ایسا ہی تھا کہ اسے اس مکار پادری کی ہر بات ماننی پڑے۔

اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جتنا جلد ممکن ہو سکے یوحنا کی تجہیز و تکفین کر دی جائے۔

پادری۔ بے شک۔ عوام کو خبر دی جائے۔

یوقنا۔ عوام و خواص کسی کو خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ پادری چلا گیا اور اس نے جا کر گرجا سے کچھ آدمیوں کو بھیجا جنھوں نے آ کر یوحنا کی لاش تابوت میں رکھ کر دہیں اس کی عبادت گاہ میں دفن کر دیا۔

پادری نے رؤسائے شہر، افسران فوج اور خاص خاص لوگوں کو بلا کر اپنی چرب زبانی سے کچھ اس طرح بات سمجھا دی کہ لوگوں کے دل یوقنا سے جو پھر گئے تھے مطمئن ہو گئے اور لوگ اسے عیسائیت کا بہی خواہ اور محافظ کہتے ہوئے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے۔

یوقنا دو تین دنوں تک بیوی اور بیٹی کے سامنے نہیں گیا۔ رفتہ رفتہ ان دونوں کے دل و دماغ سے بھی غم کے بادل چھٹنے لگے اور ان کو سکون ہوا۔

یہی حال اس دنیا کا ہے۔ جانے والا اپنی جان سے چلا جاتا ہے وہ کیسا ہی عزیز کیوں نہ ہو، چند روز رو دھو کر صبر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ فطرت انسانی کچھ اسی طرح کی واقع ہوتی ہے۔

ساتواں باب

عساکرِ اسلامی

عساکر اسلامی نے چھ ماہ سے حلب کا محاصرہ کر رہا تھا۔ اس فوج کے سپہ سالار امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح تھے اور اس لشکر میں اسلام کے بڑے بڑے جنرل اور کمانڈر تھے جنھوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں وقف کر دی تھیں۔ مثلاً فاتح اعظم حضرت

خالد ابن ولید جن کا لقب سیف اللہ تھا جن کے تاریخی کارنامے قیامت زندہ رہیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی حضرت مالک بن اشتر رضی، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ضرار ابن ازور رضی۔ حضرت عاصم اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

مسلمانوں کو کسی جگہ اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لئے کہ اول تو حلب اتنا مستحکم اور بلند و مضبوط تھا کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ دوسرے یوقنا اس قدر بہادر، مدبر اور چالاک تھا اتنا جنگجو اور شجاع تھا کہ ساری دنیائے عیسائیت میں اس کا شہرہ تھا اور ہرقل کی نگاہ میں بڑا ہی معزز اور موقر تھا۔

کھلے میدان میں مسلمانوں سے دوبار اس کی شدید جنگ ہوئی یوقنا کے ذاتی عظیم الشان اور منتخب لشکر کے علاوہ ہرقل کی بہت بڑی امدادی فوج بھی اس کے ساتھ تھی جس میں تیس ہزار نفوس چیدہ افسران کے ماتحت تھے لیکن ان دونوں جنگوں میں اسے شکست فاش ہوگئی۔ تب وہ قلعہ بند ہوگیا۔ اس کے پاس سامان حرب اور رسد کافی تھا۔ قلعہ میں کاشتکاری بھی ہوتی تھی پانی کے ذخیرے بھی تھے۔ کچھ خفیہ راستے مسلمانوں کی نگاہوں سے بچ کر نکلتے تھے جن سے آمد و رفت جاری تھی۔ یوقنا نے قلعہ بند ہوکر جنگ چھاپہ مار شروع کردی تھی وہ موقع پا کر خفیہ راستوں سے فوج لے کر نکلتا شبخون مار کر نقصان پہنچاتا اور پھر خاموشی سے قلعہ میں داخل ہوجاتا۔ کبھی دن کو بھاری جمعیت لے کر مسلم فوج کے مختصر حصے پر آپڑتا اور قتل و خون کا بازار گرم کرکے بھاگ جاتا وہ اس چالاکی اور پھرتی سے حملہ آور ہوتا تھا کہ جب تک دوسری طرف مسلمانوں کو خبر ہو وہ آتا اور اپنا کام کرکے نکل بھاگتا۔

قلعہ اتنا طویل و عریض تھا اور اس میں اتنے دروازے تھے کہ عربوں کی مختصر

فوج یکساں طور پر قلعہ کے سارے حصوں کو اپنی نگاہ میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ عرب اس صورت حال سے بہت پریشان تھے۔

وہ محاصرہ اٹھا کے جانا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اسی زمانے کے پرجوش مسلمانوں کی ذات سے اس کی بعید تر امید بھی نہ تھی لیکن چونکہ کھل کر لڑائی بھی نہیں ہوتی تھی کہ ان کو اپنے دل کا حوصلہ نکالنے کا موقع ملتا۔ یوقنا کی چھاپہ مار جنگ پریشان کن تھی قلعہ اتنا مستحکم تھا کہ اس کے تسخیر کی کوئی صورت نہیں بنتی تھی اور ان کی حصار بندی سے نہ تو قلعہ والوں کو کوئی خاص تکلیف تھی اور نہ پریشانی۔ نہ ان کی آمد و رفت میں کوئی فرق تھا۔ نہ رسد کی کمی تھی اور نہ باہر سے رسد آنے میں رکاوٹ تھی۔

عرب فوجیں بھی نچلی نہیں بیٹھی ہوئی تھیں انھوں نے اپنے فطری جوش کے تحت کئی بار قلعہ پر یورش کی۔ لیکن فصیل سے اتنی زبردست مدافعت ہوئی کہ حملہ آوروں کو فصیل تک پہنچنے کی نوبت نہ آئی۔ اور کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ مسلمان اگر کسی طرح فصیل کے نیچے پہنچ جاتے تو وہ اوپری زد سے محفوظ بھی ہو جاتے اور پھاٹک توڑنے کی کوشش کرتے۔ لیکن یوقنا اور اہل قلعہ کی مستعدی نے ہر دفعہ مسلمانوں کو واپس لوٹا دیا۔

حضرت ابو عبیدہ اور حضرت ضرار وغیرہ مسلسل غور و فکر کر رہے تھے۔ اور حضرت خالد حتی الوسع سوچ بچار فرما رہے تھے لیکن کوئی تدبیر بن نہیں پڑ رہی تھی خصوصاً جب سے حضرت عاصم آئے تھے اور مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی اکلوتی لڑکی رابعہ گرفتار کر کے قلعہ میں پہنچا دی گئی ہے اور اس کے پیچھے سالم بھی گرفتار ہو گیا ہے اس وقت سے مسلمانوں کا جذبۂ غضب اور بھی بڑھ گیا تھا سب قلعہ کی تسخیر انتقام اور ان دونوں کی رہائی کے لئے بہت بیتاب تھے۔

حضرت عاصم مرد عاقل اور بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ بڑے شاکر وصابر تھے انھوں نے کسی طرح کی بے صبری کا اظہار نہ کیا لیکن بیٹی کی یاد سے بے چین ہو کر بارگاہ خداوندی میں اس کی رہائی کے لئے دست بدعا ہوتے، سالم کی فکر بھی انھیں بے حد تھی اور وہ انتقام کے لئے بے چین تھے، انھیں پر کیا موقوف سارے مسلمان ان دونوں کے لئے بے چین تھے۔

البتہ رابعہ کی ماں کی بے چینی بہت بڑھی ہوئی تھی ان کے معمولات میں کوئی فرق تو نہیں آیا تھا اور نہ زبان سے وہ بین ویکا کرتی تھیں۔ لیکن اس کے دل پر بے حد اثر تھا ان کا رنگ زرد ہوتا جا رہا تھا اور وہ دن بدن لاغر ہوتی جاتی تھیں تمام مسلم خواتین کو ان سے بے حد ہمدردی تھی سب ان کا غم غلط کرنے کی کوشش کرتی تھیں لیکن اولاد کا غم صاحب اولاد ہی جانتے ہیں۔ ان کے دل کی کیفیت سے بجز خدا کے کون آگاہ ہو سکتا ہے۔ ان کا کھانا پینا بھی بہت کم ہو گیا تھا۔ خالدہ انھیں بے حد سمجھانے اور ان کا غم غلط کرنے کی کوشش کرتی لیکن ان وقتی باتوں سے کہیں دل کا صدمہ کم ہوتا ہے خود خالدہ بھی کھوئی کھوئی رہتی تھی۔

ایک روز فوج کے تمام چیدہ چیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جنگ کی صورت حال اور تسخیر قلعہ کے متعلق مشورہ کر رہے تھے۔ کوئی ایسی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی جس سے قلعہ کی مکمل ناکہ بندی ممکن ہوتی یا یوقنا کو کھلے میدان میں مقابلہ کیلئے مجبور کیا جاسکتا اور کھینچ کر اس کو میدان جنگ میں لایا جاتا، دیر تک سب لوگ بیٹھے تدبیریں سوچتے رہے اتنے میں چند جاسوس جو مذہبًا عیسائی تھے لیکن معاہدی تھے وہ خوشی سے مسلمانوں کی پناہ میں تھے اور مسلمانوں کی خدمات خوشی سے بجا لاتے تھے اور مسلمان ان کے ساتھ بہترین اور فیاضانہ سلوک کرتے تھے، آئے اور انھوں نے

خوشخبری سنائی کہ مسلمانوں کا ایک امدادی دستہ عرب سے چل کر یہاں آرہا ہے اور قریب پہنچ گیا ہے عنقریب کیمپ میں داخل ہو اچاہتا ہے۔

مسلمانوں کو اس دستے کی آمد سے بڑی خوشی ہوئی اور کچھ لوگ اٹھ کر ان کے استقبال کو گئے۔

یہ دستہ کیمپ کے بالکل قریب آگیا تھا۔ اس نے اپنی آمد کی اطلاع کے لئے بڑے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ادھر کے مسلمانوں نے بھی خوش ہو کر نعرہ لگایا اور بڑھ کر السلام علیکم کہا۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

خوش آمدید مرحبا، جزاک اللہ

مرحبا۔ مرحبا۔

اس دستہ کے سردار حضرت نعمان رضؓ تھے۔ اس امدادی دستہ میں دو ہزار مسلمان تھے۔ جو اسی طرح بڑھتے ہوئے حضرت ابو عبیدہ کے خیمہ تک آتے۔ اور گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ مزاج پرسی کی۔ خیر و عافیت دریافت کی۔ سب کے چہرے ازدیاد مسرت سے شگفتہ ہو گئے۔ سب لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے

تب حضرت ابو عبیدہ نے حضرت نعمان سے پوچھا کہ آپ مدینہ منورہ سے آ رہے ہیں۔ حضرت نعمان نے اثبات میں جواب دیا اور خلیفہ کا خط پیش۔ امین الامت نے خط کو بوسہ دیا اور زور سے پڑھ کر تمام حاضرین کو سنادیا۔

اس خط کا مفہوم یہ تھا کہ مسلمان بددل ہو کر محاصرہ نہ اٹھائیں اللہ قلعہ کی تسخیر کا کوئی سامان کرے گا۔

اس کے بعد حضرت نعمانؓ نے یہاں کے حالات دریافت کئے

حضرت خالد نے شرح و بسط کے ساتھ تمام حالات سنا دیئے۔

یکایک ایک گوشے سے آواز آئی۔

آپ نے یوقنا کی مکاری کا کیا جواب سوچا ہے اور قلعہ کی تسخیر کے لیے کیا تدابیر اختیار کی ہیں؟

سب نے متحیر ہو کر سوال کرنے والے کا چہرہ دیکھنا چاہا۔ اس لیے حضرت خالد نے آواز دی۔

سائل کچھ آگے آ کر اپنا نام ظاہر کرے۔

تب لوگوں نے دیکھا کہ ایک توانا و تنومند سانولے رنگ کا آدمی جس کی خشخشی داڑھی کھچڑی ہو رہی تھی۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا۔ "تم کون ہو!"

حضرت نعمان نے کہا۔

"میں ان کا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ آپ لوگوں نے دامس ابوالہول کا نام سنا ہے؟

بہت سی آوازیں آئیں۔

"ہاں! وہی "دامس ابوالہول" تو نہیں جنھوں نے تنہا ڈاکوؤں کے ایک زبردست گروہ سے انتقام لیا تھا اور قتل و غارت کر کے اپنے پورے قبیلے کا سامان واپس لائے تھے۔

نعمان رضؓ۔ ہاں وہی دامس ابوالہول جن کے صدہا ایسے حیرت انگیز اور شجاعانہ کارنامے اور واقعات ہیں کہ اگر مسلسل بیان کیے جائیں تو کئی راتیں درکار ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ دامس بڑے پرجوش اور ان کے کارنامے محیر العقول ہیں۔

حضرت خالدؓ نے کہا۔

ہم نے ان کے بہت سے واقعات سُن رکھے ہیں۔ ممکن ہے خدائے برحق نے قلعہ حلب کی فتح انھیں کے ہاتھوں لکھی ہو، ہم ان کی آمد سے خوش ہیں۔
لوگ اُبھر اُبھر کر عجیب و غریب وامس ابوالھول کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ "بھائی وامس! ذرا اور آگے آکر بیچ میں بیٹھ جاؤ، تاکہ سب لوگ تم کو یکساں طور پر دیکھ سکیں۔

وامس اپنی جگہ سے اُٹھ کر آگے آئے اور بیچ میں بیٹھ کر فرمایا۔
امین الامت! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے غلام کی قدر افزائی کی۔
حضرت وامس پہلے غلام تھے۔ لیکن ان کے آقا نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

امین الامت نے کہا۔

نہیں بھائی! تم غلام نہیں بلکہ آزاد ہو۔ اس کے علاوہ اسلام میں غلام اور آقا سب برابر ہیں۔ بھائی بھائی ہیں کوئی انسان حقیر نہیں اور نہ کوئی کسی سے بلند۔ البتہ خدا کے نزدیک بڑا اور بلند انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ دنیاوی زندگی میں ضروریات کے تحت آقائی اور چاکری ضرور ہے۔ لیکن انسانیت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ غلام ہمارے غلام نہیں بلکہ دینی بھائی ہیں وہ ہمیں آرام پہنچاتے ہیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

وامس نے کہا۔

یہ سچ ہے کہ ہادی کائنات نے انسانیت پر احسان عظیم کیا ہے۔ ہم کو اسلام جیسی نعمت کبرےٰ عنایت کی۔ پردۂ عالم پر یہی ایک دین حق ہے جس نے غلاموں کو ابتذال اور

حیوانیت کے قعرِ عظیم سے نکال کر انسانیت کی صف میں لا کھڑا کیا۔

ہادیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور جوشِ عقیدت میں درود و تحیات پڑھنے لگے۔

چند منٹ کے بعد کچھ مسلمانوں نے فرمائش کی کہ حضرت واسس ابو الہول اپنا وہ واقعہ اپنی زبان سے بیان کریں جس میں انھوں نے تنہا اپنے پورے قبیلہ کا انتقام لیا تھا۔

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ نمازِ عشا اور کھانے کے بعد لوگ پھر مجتمع ہوں غرض اس وقت سب لوگ اٹھ گئے۔ عشا کا وقت ہو رہا تھا کئی مسلمانوں نے مل کر اذانیں پکاریں۔ لوگوں نے وضو سے فراغت کر کے نماز پڑھی۔ کھانا کھایا۔

نئے امدادی دستہ کا کھانا ان مسلمانوں کے ساتھ ہوا جو پہلے سے یہاں مقیم تھے۔ پھر کچھ لوگوں کو منتخب کر کے گشت میں بھیج دیا گیا۔ باقی لوگ حضرت ابو عبیدہ کے خیمے کے سامنے بیٹھ گئے۔

حضرت واسس بیچ میں بیٹھے اور حضرت امین الامت کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا امین الامت! میری زندگی کے اوراقِ پریشاں حیرت انگیز واقعات سے لبریز ہیں۔ سنیئے!

میں بچپن ہی سے آزاد اور جری تھا۔ لیکن ایامِ جہالت میں عرب کی سرزمین ہزارہا نقائص اور جبر و استبداد سے بھری ہوئی تھی، تو مندوں اور تونگروں کی جماعت نے میرے قبیلے پر چھاپہ مارا۔ جس میں میرے

والدین مارے گئے۔ سب کچھ لوٹ لیا گیا اور مجھے غلام بنا کر بیچ ڈالا گیا۔ میں عرصہ تک غلامانہ مگر ایماندارانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ مختلف ملکوں میں گھوما۔ قدرتی طور پر مجھے کمزوروں، غریبوں، یتیموں اور مظلوموں سے ہمدردی تھی۔ ظالموں اور جور پرستوں سے نفرت۔ جب کبھی موقع میسر آیا میں نے اپنی جان کی پروا نہ کر کے اور مشکلات کو خاطر میں نہ لا کر قدم رکھا اور خدا نے مشکلات آسان کیں اور میں ہمیشہ ان کاموں میں کامیاب رہا۔

پھر اسلام کی نعمت سے کفر و ضلالت کی سرزمین مالامال ہوئی۔ فاران کی چوٹی سے نور ہدایت طلوع ہوا۔ تاریکی منھ چھپا کر کسی نامعلوم وادی میں چلی گئی۔ رشیدان، شراب، کاہنی اور جرائم پیشہ لوگوں کا اقتدار اوندھا ہو گیا۔ لات و ہبل نے کعبہ سے لیکر لوگوں کے دلوں تک میں گھر کر لیا تھا مگر تیشۂ توحید کی ضرب کاری سے اوندھے منھ گر چور چور ہو گئے۔ ایک دُرِّ یتیم کی آب و تاب سے لوگوں کے قلوب نور ایمان سے بھر گئے۔

میرے حصے میں بھی یہ نعمت آئی۔ میں آزاد ہو کر اپنے قبیلے میں آ گیا۔ میری کھوئی ہوئی عظمت انسانیت مجھے واپس مل گئی۔ اور میرا تاریک مستقبل حال کی جگمگاہٹوں سے روشن ہو گیا۔

ڈاکوؤں، چوروں، بدمعاشوں، ظالموں اور بے حیاؤں کی دنیا، نیکوں، ایمانداروں اور خدا والوں کی دنیا بن گئی۔ غلامی، بردہ فروشی اور محکومی کی زندگی گزارنے والے قبائلی اور نسلی جنگوں اور فتنوں کے گھنیرے جنگلوں سے نکل کر وادی ایمن اور طور سینا کی تجلی گاہ میں آ پڑے اور حکمت و دانش، علم و فضیلت اور خوش خلقی سے ہمکنار ہو گئے اور اب میں بھی حنفاً الوسیع نیکی کی راہ پر

نائز المرام تھا۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ ۔ اللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم۔

تمام حاضرین نے سچی عقیدت کے ساتھ درود شریف کو دہرایا۔

صحابۂ کرام کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ان کی باطنی آنکھیں عہد رسالت کی جلوہ ریزیوں سے درخشندہ ہو رہی تھیں۔

امین الامت نے فرمایا۔

جزاک اللہ، بھائی عرفجہ! جس والہانہ انداز میں آپ نے تقریر کی ہے اس نے ہمیں نہال و مالا مال کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اجر جمیل عطا فرمائے۔

سب نے آمین کہی اور وہ اس کے علاوہ جمعیۃ المسلمین کے حق میں دعائے خیر کی۔

ہر شخص آبدیدہ اور خود وہ اس فرط جذبات و تاثرات سے بے خود اور گریاں تھے۔

لوگ حیرت و عظمت سے اسلام کے اس عجیب و غریب غلام کو دیکھ رہے تھے جو رستم و سہراب کا دل اور گردہ رکھتے ہوئے فراق نبوی میں والدین سے بچھڑے ہوئے ایک بچے کی طرح رو رہا تھا۔ مگر حقائق و معارف کے موتی رول رہا تھا اور اپنی اعجاز بیانی سے دین و ایمان کا سمندر بہا رہا تھا۔

کچھ دیر تک دم لے کر اور جذبات پر قابو پا کر حضرت وہ اس پھر معروف تکلم ہوئے۔

ایک بار ڈاکوؤں کا ایک گروہ جو ستر افراد پر مشتمل تھا۔ یہ سب گھوڑ سوار عیسائی علاقے کے زبردست اور ظالم و سفاک ڈاکو تھے رات کو ہمارے قبیلے پر حملہ آور ہوئے اتفاق سے میں موجود نہیں تھا۔ ڈاکو کئی آدمیوں کو قتل کر کے تمام سامان، خیمہ و خرگاہ، مال و زیورات اور مویشی وغیرہ لوٹ لے گئے۔ جس میں میرا خیمہ، اونٹ، گھوڑا، چند بکریاں وغیرہ بھی شامل تھیں۔

کئی روز کے بعد جب میں واپس آیا تو لٹے ہوئے قبیلہ کو دردناک حال میں پایا۔

اپنا سامان بھی غائب پایا۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ میں اہل قبیلہ کو انتقام لینے پر اکسایا۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں کی بھول بھلیوں میں جانے اور ڈاکوؤں سے ٹکرانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ میں نے بہت غیرت دلائی لیکن شکست خوردگی اور بے سروسامانی نے ہمت نہ بندھائی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تب میں نے تنہا خدا کا نام لیکر کمر ہمت باندھی، چند اونٹوں اور گھوڑوں کا انتظام کر کے ان پر بہت سے پھٹے پرانے کپڑے، چند ڈھالیں، تلواریں، تیر و کمان وغیرہ بار کر کے اپنے اسلحات کے ساتھ پہاڑوں کا رخ کیا۔

قبیلہ والے ہنستے اور مجھے دیوانہ سمجھتے رہے۔ لیکن میں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ قدرت نے میری رہنمائی کی۔ ڈاکوؤں کا سراغ ملتا گیا۔ میں دشت و جبل ناپتا، ریگ زار اور جنگلوں کو چھانتا آگے بڑھتا گیا۔ نہ اپنی تنہائی کا خیال تھا اور نہ بجز خدائے برتر کے کسی کا خوف۔ کئی روز کی جادہ پیمائی کے بعد میں وہاں پہنچ گیا جہاں ڈاکوؤں کا گروہ ٹھہرا ہوا تھا۔

دامس بول رہے تھے اور لوگ تعجب سے اس پُراسرار آدمی کو دیکھ رہے تھے جس کے سینے میں قدرت نے عجیب و غریب دل رکھتا تھا۔

دامس نے کہانی پھر شروع کی۔

میں نے اونٹوں اور گھوڑوں کو پہاڑ پر چڑھا کر کھڑا کر دیا۔ درختوں کی شاخیں جھکا کر باندھ دیں اور ان کے سرے پر پرانے کپڑے عماموں کے طور پر لپیٹ دیا۔ کمانیں لٹکا دیں۔ کچھ ڈالیوں کو کاٹ کر تلواریں پہنائیں اور درخت کے سہارے کھڑا کر دیا۔ جبے اور نمد سے آراستہ کر کے نمایاں جگہوں میں گاڑ دیا۔ پھر عشا کی نماز سے فارغ ہو کر اپنی کامیابی کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا مانگی۔ پھر

پہاڑ پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا۔

ظالمو! اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلو، خدا کا انتقام آ گیا وہ تمہاری تلاش میں کامیاب ہو گیا۔ سامنے پہاڑ پر دیکھو یہ ہزاروں شجاع عرب تمہارا سر کاٹنے اور بوٹیاں نوچنے کے لئے آ پہنچے۔ وہ عرب جنہوں نے ڈاکوؤں اور ظالموں کو ہمیشہ اچھا سبق دیا ہے۔

پھر دوسری طرف جا کر میں نے زور سے یہی بات کہی اور چابکیں مار مار کر اونٹوں کو بلبلانے اور گھوڑوں کو ہنہنانے پر مجبور کر دیا۔

تیسری طرف جا کر بھی میں نے اسی بات کو دہرایا اور مزید اضافہ کیا۔

بزدلو! اس جنگل کی طرف دیکھو جس کے ہر درخت کے نیچے عرب تمہیں ذبح کرنے کو بے چین کھڑے ہیں۔ بلاؤ اپنی ماں بہنوں کو کہ آج تمہاری میتوں پر گریہ و بکا کریں۔ ورنہ کل تمہاری لاشوں کا پتہ بھی نہ ہو گا۔

غرض ہر چہار طرف سے میں نے آواز بدل بدل کر انھیں خوب مرعوب کیا۔ اور تلوار لیکر ان کی جانب یہ کہتا ہوا دوڑا۔

میرے ساتھیو!

تمہیں قسم ہے اپنے اللہ تبارک و تعالےٰ کی۔ تم ہرگز اپنی جگہ سے جنبش نہ کرو۔ میں تنہا ان ناکسوں کے لئے کافی ہوں، موت نے ان کو گھیر لیا ہے۔ میں ان میں سے ایک کو بھی فرار کا موقع نہ دوں گا، ذرہ برابر ان پر رحم نہ کروں گا۔ ان کی

تعداد ہی کتنی ہے۔ تم صرف تماشا دیکھو کہ میں کس طرح ان سے انتقام لیتا ہوں۔ البتہ ان کو اپنے گھیرے سے نکلنے نہ دو۔ اگر یہ بھاگنے کی کوشش کریں تو ہر چہار جانب سے ان پر تیر برساؤ پھر میں اسی تنگ وادی میں ان کی قبریں بنائے دیتا ہوں۔

پھر میں تلوار گھماتا ہوا پہاڑ کی طرف بڑھا اور پکار کر کہا۔

میرے بھائیو!

تمہیں اپنی ماؤں کا دودھ حرام ہے کہ اس اونچی جگہ سے اتر کر میرے کام میں دخل دو اور میرے شکار پر ہاتھ صاف کرو۔ آج مجھے جی کھول کر اپنی تلوار ان میں صرف کر لینے دو تم ابھی اپنی جگہ پر قائم رہو۔

ڈاکوؤں نے جب طرف نگاہیں اٹھائیں، شلوار، تہمد، جبے اور عمامے پہنے ہوئے پیادے اور سوار جنگلوں اور پہاڑوں میں نظر آئے میری تلوار اپنا پورا کام کر رہی تھی بیسیوں مہتر اور پریشان غارتگر خاک و خون میں مل چکے تھے۔

میں ہر قدم پر اپنے بے جان ساتھیوں کو قسمیں دیتا جاتا تھا۔ مگر میری تلوار برق و باد بن کر دشمنوں کی جانوں پر پیہم گر رہی تھی۔ گردنیں حبابوں کی طرح کٹ رہی تھیں۔ بھنڈار سے کھل رہے تھے۔ ناک اور کان کی لویں کٹ کٹ کر ہوا میں اڑ رہی تھیں اور زندگی کا چراغ صیقل شدہ تلوار کی آندھی میں بجھ رہا تھا۔

ڈاکو بےطرح مرعوب اور سراسیمہ ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ابھی صرف ایک

آدمی کی تلوار نے یہ غضب ڈھایا ہے اور ابھی بے پناہ آدمی میری مشتولں سے مجبور ہوکر جنگ میں کود بھی نہیں ہیں۔

اللہ نے میرے ناتواں بازوؤں میں طاقت دی۔ میں نے ان ظالموں اور کافروں میں اپنی تلوار کو خوب استعمال کیا۔ بہتیروں کے سر کاٹ ڈالے اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہا۔ جو زد پر آیا۔ اس کو جہنم رسید کیا اور پھر جنگل کے قریب آکر میں نے آواز لگائی۔

بھائیو! ذرا اور بھی ان کو قریب آنے دو، تب اپنی کمانیں چڑھاؤ اور ان کے سینوں پر ہزار ہا تیر اکبارگی پھینکو تاکہ ان میں سے کوئی بھی بچ کے جانے نہ پائے۔

یہ کہکر میں نے ایک اور زوردار حملہ کیا۔ کئی ڈاکو مرکر گر پڑے۔ تب بقیتہ السیف ڈاکو گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میں اپنی تلوار لے کر ان کے پیچھے دوڑا۔

بہت سے کافروں کو مار گرایا اور اپنے مفروضہ ساتھیوں کو شتیں دیتا ہوا جنگ سے روکتا رہا۔ ہزیمت خوردہ اور جانوں سے مایوس ڈاکو اپنا تمام سامان خیمہ و خرگاہ، اسلحے، مویشی اور اپنی سواری کے گھوڑے چھوڑ چھاڑ کر جدھر منہ اٹھا ادھر ہی بھاگ نکلے۔ میں نے دور تک ان کا تعاقب کیا جو بچ رہے تھے وہ پہاڑیوں میں جا گھسے۔

میں اطمینان سے واپس آیا۔ اپنے سارے کپڑے، قبیلہ کا لٹا ہوا سامان اور ڈاکوؤں کے مال و اسباب، ان کا سارا اثاثہ، خیمے، مال و متاع وغیرہ کو یکجا کر کے جانوروں پر لادا، اپنی راہ لی اور مظفر و منصور اپنے قبیلے میں

واپس آیا اور قبیلہ والوں کا سارا سامان مال غنیمت کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔

قبیلہ والے سخت متعجب تھے اور میں بھی حیران تھا۔ بے شک اتنا بڑا کام صرف خدائے قدوس کی امداد و استعانت سے ہوا۔

حضرت وامس ابوالہول کے اس محیر العقول کارنامے کو خود ان کی زبان سے سن کر ہر شخص ہمہ تن حیرت بنا ہوا تھا اور ہر شخص انتہائی عظمت سے ان کو دیکھ رہا تھا اور بالآخر سب نے ان کی عقل و دانائی، سیاست و حکمت، بہادری اور شجاعت پر اتفاق کیا اور ان کے واقعے کو تائید غیبی پر محمول کیا۔

اسی اثنا میں ایک جانب سے شور و غل بلند ہوا اور مسلمانوں کو مدد کے لئے پکارا جانے لگا۔

سب لوگ جلدی جلدی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خیموں کی طرف دوڑ پڑے۔ اتنے میں ایک مسلمان بھاگتا ہوا امین الامت کے پاس آیا۔

حضرت خالدؓ نے پوچھا۔

"ابو عامر! تمہارے پیچھے کیا خبر ہے؟

ابو عامر:۔ یوقنا کسی نامعلوم راستے سے عساکر اسلامیہ کے مشرقی حصے پر آپڑا ہے۔

حضرت خالدؓ۔ گشتی دستہ کہاں ہے؟

ابو عامر۔ وہ مسلمانوں کی امداد کے لئے آپہنچا ہے۔

امین الامت اور دیگر تمام مسلمان جلدی جلدی مسلح ہو کر آ گئے اور کچھ لوگ خواتین اسلام اور کیمپ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دئے گئے۔ باقی ایک بڑی تعداد دشمن کی طرف دوڑ پڑی۔

سب سے آگے دوڑ ... نے والے حضرت واسی بولہول تھے۔ مسلمان جلد ہی دشمنوں تک پہنچ گئے۔ چاندنی رات تھی۔ یوقنا ایک بہت بڑی جمعیتہ کے ساتھ آپڑا تھا مسلمان بھی غافل نہیں تھے۔ جنگ چھڑ گئی۔ تھوڑے سے مسلمان تقریباً دس ہزار عیسائیوں کے آگے سد راہ بن گئے اور پہاڑ کی طرح اٹل ہو گئے پہلا حملہ عیسائیوں کا بہت سخت تھا۔ اس طرف مسلمان بہت تھوڑے سے تھے یعنی صرف پانچسو، لیکن مسلمان ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئے۔ البتہ پہلے ناگہانی حملے میں جو مسلمان شہید ہوئے۔ مسلمان اس حادثہ عظیم سے بھڑک اٹھے اور غصے میں آکر بہت سخت حملہ کیا۔ تقریباً ہر مسلمان نے ایک عیسائی کو مار گرایا۔ عیسائیوں کو بڑا تاؤ آیا۔ انھوں نے بھی بڑھ کر حملہ کیا۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں۔ نیزوں سے نیزے لڑے، صدائے دار و گیر بلند ہوئی، جان لیوا انیوں سے شعلے لپکے، ناگنیں جاگ اٹھیں۔ سانپوں نے زبانیں نکال دیں۔ چقاچق اور کھٹا کھٹ کی آوازیں آئیں، عیسائی لڑنے سے زیادہ چیخ رہے تھے اور مسلمان خاموشی سے جنگ میں مصروف تھے۔ دوسرے حملے میں بھی عیسائیوں ہی کا سراسر نقصان ہوا۔ موت کا ہاتھ عیسائیوں کے لئے دراز و وسیع ہو گیا تھا۔ مسلمان ایک بھی نہیں شہید ہوا۔ سچ ہے جو موت سے نہیں ڈرتے، موت خود ان سے ڈرنے لگتی ہے۔ سینکڑوں عیسائی فنا کے گھاٹ اتر کر دنیا کی جھنجھٹوں سے نجات پا گئے اور ان کی لاشیں انھیں کے کوتل اور سراسیمہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلی گئیں۔

اب مسلمانوں نے بڑھ کر ایک اور زبردست حملہ کیا۔ جب تک دشمنوں

کی پشت کی جانب سے پر زور صدائے تکبیر بلند ہوئی۔ اس آواز کو سن کر دشمن اچھل پڑے، ان کے دل بیٹھنے لگے، گھوڑے بھڑک اٹھے اور آپس ہی میں ٹکرا کر بہت سے تینیں کھا گئے۔ جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ نعرۂ تکبیر کے ساتھ ہی دشمن کی پشت پر شدید ضرب پڑی۔ سامنے اور پیچھے دونوں جانب علیسائی جھوم کر گرے۔ پس پشت کا حملہ زیادہ موثر اور تباہ کن ثابت ہوا۔ موت بازار حیات میں ارزاں بن گئی اور زندگی جنس کاسد ہو کر رہ گئی۔

یہ اس گشتی دستے کا حملہ تھا جو بھوکے شیر کی طرح علیسائیوں پر گرا اور شکار پر شکار کرتا چلا گیا۔ یوقنا بھی دو دستی تلواریں چلا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پیچھے بھی مسلمان آ پڑے ہے تو اس نے آدھی فوج کا رخ نئے حملہ آوروں کی طرف پلٹ دیا۔ مسلمان قلت وکثرت کی پروا کئے بغیر کھڑی کھیتی کو کاٹتے چلے گئے۔ ان کی تلواریں اس تیزی سے اٹھتا اور جھکتی تھیں گویا بجلیوں پہ بجلیاں گر رہی ہوں۔ علیسائی کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ مگر مسلمان خدا جانے کس مٹی کے بنے ہوئے تھے کہ کسی طرح قتل ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔

جنگ سازور شور سے جاری تھی۔ سر گیندوں کی طرح اچھل رہے تھے اور اولوں کی طرح برس رہے تھے۔ لاشیں تنکوں کی طرح اِدھر سے اُدھر لڑھک رہی تھیں۔

اتنے میں حضرت زبیرؓ دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے پیچھے ان کا تازہ دم دستہ آگیا۔ حضرت زبیرؓ شہاب ثاقب کی طرح گرے اور گرانڈیل علیسائیوں کو

چیرنے پھاڑنے لگے۔ ان کی تلوار اپنا کام بہت تیزی سے مختصر کر رہی تھی۔ عیسائیوں کو گویا مرنے کی بیماری لگ گئی تھی۔ پھر وہ اس کا پورا دستہ جنگ کی آگ میں پھاند پڑا۔ اتنے میں عیسائیوں کی بے ترتیب فوج پر پورا اسلامی لشکر آ پہنچا۔ ہزاروں عیسائی لقمۂ اجل بن گئے۔

جس وقت مسلمانوں کی پوری فوج نے دشمن پر یلغار کی تو عیسائیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ سروں پر سر گرنے لگے۔ تب یوقنا نے خیریت اسی میں سمجھی کہ مارتا کاٹتا پسپا ہو جائے اور جتنی فوج موت کی متعدی بیماری سے بچ سکے بچا لی جائے۔ لہٰذا اس نے بگل بجانے کا اشارہ کیا۔ عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ چلے تھے، وہ بے ترتیبی سے بھاگنے والے ہی تھے۔ بگل کی آواز کان میں آئی تو جان میں جان آئی۔ سب تیزی سے واپس ہوئے۔ لیکن مسلمان بھلا کب ان کو آسانی سے واپس ہونے دیتے۔ وہ پیچھے لگے ہوئے تیزی سے دوڑتے اور بھگوڑوں کے جسم کو سروں کے بوجھ سے ہلکا کرتے رہے۔ بڑی مشکل سے یوقنا ایک ہزار سواروں کو لے کر بھاگتا ہوا پہاڑ کی جانب چلا گیا اور مسلمانوں کی زد سے محفوظ ہو گیا۔

مسلمان واپس آ گئے اور سب نے اپنی اپنی جگہ لے لی۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ یوقنا کو بھاری فوجی نقصان پہنچا اور عظیم نقصان ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے اچانک حملوں اور متواتر شب خون سے اس نے مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا تھا۔ وہ گویا وہ مکار لومڑی کی طرح بھٹ سے نکلتا اور نقصان پہنچا کر اچانک روانہ ہو جاتا۔

اس کے مضبوط اور مستحکم قلعے میں بے شمار چور دروازے جو ... ہوئے

کی طرح تھے جو جنگل اور پہاڑوں سے سرنگ کی شکل میں جاتے تھے۔ داخلہ کا راستہ اتنا خفیہ اور پُر پیچ تھا کہ چند خاص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نہ جانتا تھا۔ مسلمانوں نے ہر چند ڈھونڈا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔

اس کے مضبوط اور مستحکم قلعے میں ضروریات زندگی کا ہر سامان موافر تھا۔ اس لئے اس کو بڑا اطمینان تھا۔ لیکن آج کے شب خون میں اتنا بھاری نقصان ہوا تھا کہ دوسرا ہوتا تو اس کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی۔ پھر بھی وہ بے حد جھنجلا گیا تھا۔ اور یہی وہ جھنجلاہٹ تھی جس نے اس کے دل و دماغ کو کچھ دیر کے لئے ماؤف کر دیا اور وہ بھائی کے پاس جھنجلایا ہوا گیا اور اسے قتل ہی کر ڈالا۔

تاہم خدا جانے وہ کس دل و دماغ کا انسان تھا کہ قتل کے چند ہی گھنٹوں کے بعد اس نے وہی دم خم پیدا کر لیا۔ اگرچہ اسے اپنے اس فعل پر بے حد صدمہ تھا ہر وقت مرحوم و مظلوم بھائی کا حسرتناک چہرہ اس کے پیشِ نظر تھا۔ سوتے جاگتے اس کی تصویر سامنے آ جاتی تھی۔ اراکین حکومت اور فوجی افسروں کا خیال تھا کہ تاجدار حلب کم از کم ایک ہفتے تک کسی حملے کے لئے تیار نہ ہو سکے گا مگر یہ تھا زبردست قوت ارادی کا حامل تھا۔ اس نے اپنے غم و غصہ کو دوسری طرف یعنی مسلمانوں کی جانب منتقل کر لیا اور دو ہی روز کے بعد نئے حملے کے لئے عظیم تیاریاں کرنے لگا۔

آٹھواں باب

دو گل اندام

اذمانوسہ شہزادی بھی حسین و مہ جبین تھی۔ ایسی حسین و مہ جبین کہ روم و شام میں اس کے حسن و جمال اور نزاکت و نزہت کا شہرہ تھا۔ وہ ایک ایسا گل تر تھی جو چمن عیسائیت میں کھل کر اپنی لطافت اور خوشبو سے روم و شام کو معطر کر رہی تھی۔ غریبوں کے جھونپڑے سے ہرقل کے ایوان تک میں مشہور تھی۔ بڑے بڑے شاہان جلیل القدر، شہزادگان، زعماء، عمائدین اور سرداروں کے دلوں میں اس کے لئے ارمان مچل رہے تھے۔ تمنائیں مضطرب تھیں اور شوق حصول انگڑائیاں لے رہا تھا۔ وہ بیک وقت ہزارہا دلوں میں جلوہ گر تھی اور بے حساب آنکھوں کے غرفے سے جھانکتی تھی، نگاہوں میں رقص کرتی تھی اور اپنے رنگ و بو سے نہاں خانۂ دل کو منقش و معطر کر رہی تھی۔ لیکن کسی کا حوصلہ نہ تھا کہ آسمان حسن کے اس تابناک آفتاب و ماہتاب یا گلشن فطرت کے غنچۂ نودمیدہ کی نکہتوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا، وہ ہر تصور میں بس کر بھی حیطۂ خیال سے باہر تھی اور سب کے دلوں میں بس کر سب کی دسترس سے دور تھی۔ دلوں پر آرے چل رہے تھے۔ نگاہوں میں انگارے دہک رہے تھے، دماغ سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ کس خوش نصیب کا پہلو اس عروس نوبہار کی جلوہ فرمائیوں سے میدان قیامت بننے والا ہے اور کس کی جنت نگاہ اس رشک حور کی جلوہ سامانیوں سے آراستہ و پیراستہ ہونے والی ہے۔

ارمانوسہ کو قدرت نے بڑی فیاضیوں سے حسن و جمال اور اس کے تمام تر لوازمات کا گرانقدر حصہ عطا کیا تھا۔

آفتابی چہرہ نگ تر کی طرح درخشاں، گویا شبنم نے اس کا منہ دھو کر نکھار دیا ہو۔ رخساروں میں بجلیاں بھری ہوئی جیسے نازک شیشے کے پیچھے اونچے درجے کے برقی قمقمے روشن ہوں۔ خوبصورت شکریں و زریں لب، چھوٹا دہانہ دانتوں کی بتیسی انار دانہ، ستواں ناک بیاض رخسار پر کلک قدرت کے کشیدہ حرف "الف" کی طرح تمام محاسن کا مجموعہ۔ بڑی بڑی نرگسیں آنکھیں غزالانِ ختن پر خندہ زنی کر کے شرما دینے والی۔ جن میں سرخ ڈورے کھنچے ہوئے جیسے گلاب بھرے کٹوروں میں شنگرف کی تحریر پڑی ہو۔ شراب کے ان دو بریز پیالوں کی طرح جن کو دیکھتے ہی دو بوتلوں کا نشہ چھا جائے۔ اس گہری پُرسکون جھیل کی طرح جس کی تہ میں ہزار ہا طوفان آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی مانند اُبل پڑنے کو بے قرار ہوں۔ لانبی لانبی پلکیں تیر و سناں کی طرح دیکھنے والوں کے دلوں کو بیدھ کر زخمی کر دینے والی۔ بھویں چڑھی ہوئی کمان یا نیام سے نکلی ہوئی تلوار کی طرح۔ چوڑی اور صاف و شفاف پیشانی لوحِ سیمیں کی طرح ہر قسم کی سلوٹوں اور شکنوں سے پاک، حلب کے آئینے کی طرح روشن و تابناک جس میں خوش بختی اور نیر اقبال منعکس اور اپنے معراج شباب و جمال پر مستنخر۔ گھنیری سیاہ زلفوں کی لٹیں پردۂ ظلمات پر آوازہ کسنے والی۔ اپنے پیچ و خم میں رات کی تاریکی کو گرفتار و روشن کر دینے والی۔ ان زلفوں کے سائے میں مہتابی چہرہ گھٹا ٹوپ فضا میں ماہتاب کی طرح مسکراتا ہوا، دودھیا رنگ میں جھلکتا ہوا گلابی پن اور شگفتگی ہوئی

ہوئی لالی جیسے دودھ میں میدہ گھول کر کسی نے گلگونہ چھڑک دیا ہو یا کہکشاں کی جوت میں شفق کی سرخی ملا دی گئی ہو۔ صراحی دار گردن گل نیلوفر کے ڈنٹھل کی طرح نازک اور لچکدار یا سونے کی مکھی کی ڈالی کی طرح طرحدار، حسین و باوقار، پتلی کمر، چھریرا بدن، کشیدہ قامت جس میں جمال و جلال بھرا ہو یا جیسے چنبیلی کی ڈالی پھولوں سے لدی ہوئی بہار کو سمیٹے ہوئے نمائش حسن پر کمربستہ ہو، صاف شفاف شکم شیشے کی لطافت اور مخمل کی نرماہٹ چرائے ہوئے کلائیوں کی مچھلیاں صندل کی خرادی ہوئی ڈالی کی طرح حسین و جمیل، چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ پاؤں، ہاتھوں کی مخروطی انگلیاں کو دیتی ہوئی اور ساق سیمیں اس قدر دلکش و جاذب نظر جس کی انتہا نہ ہو۔

الغرض حسن و جمال کی یہ پتلی قدرت کی صناعیوں کا شاہکار عظیم تھی۔ اور اپنے حسن و جمال سے آگاہ ہو کر اس قدر باتمکین و باوقار بن گئی تھی کہ بڑے بڑوں کی ہمت نہ تھی کہ بیک آنکھ اٹھا کر اس قتالۂ عالم اور شعلہ جوالہ کو دیکھ لیتے اور دیکھ کر اپنے ہوش و حواس برقرار رہتے۔

پھر بھی وہ اس تمکین و وقار کے باوجود اس قدر بھولی بھالی، معصوم اور سادہ مزاج تھی کہ کبر و غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ وہ بڑی خلیق، ہنس مکھ اور ملنسار تھی۔

یہ صفات اس کے چچا یوحنا کی تربیت کا پرتو تھے۔ دوسری شہزادیوں کی طرح بک چڑھی اور نمود حسن کی عادی نہ تھی۔ وہ گرم نگاہی کی تاب نہیں لا سکتی تھی۔ اسی لیے وہ بغیر جالی دار نقاب کے منظر عام پہ نہ آتی تھی۔ اگرچہ یہ جالی دار نقاب اس کے بڑھتے ہوئے حسن کی شعاعوں کو

کی روک نہ تھی اور جس طرح ریشمی پردے یا چلمن کے پیچھے پٹرومیکس رکھ کر اس کی روشنی کو روکنے کی کوشش ناممکن ہوتی ہے کیونکہ چلمن یا پردہ بجائے خود بقعہ نور بن کر رہ جاتا ہے اسی طرح اس کا برقع جمال و حسن کی حلاوت کو دہ چند بڑھا کر پیش کرتا اور دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر بھی ہزاروں بار دیکھنے کی ہوس رکھتی تھیں۔

دوسری طرف اس برج حسن و جمال یعنی یوقنا کے محل میں عربی حسن کا ایک مکمل نمونہ بھی اتفاقی طور سے آ گیا تھا۔ جس کی سادگی میں لاکھوں پرکاریاں سموئی گئی تھیں۔ جس کی معصومیت اور بھولا پن میں بیک وقت نامحسوس اور محسوس طور پر بجلی کی چمک، تاروں کی ضیا، کہکشاں کی جوت، شفق کی سرخی آفتاب کی درخشانی، ماہتاب کی چاندنی اور چاندنی کی فرحناک رعنائی، غنچوں کی زیبائی، پھولوں کی تازگی و شادابی، چمن کا جمال، بہار کا حسن، نسیم سحر کی لطافتیں مجتمع ہو کر رہ گئی تھیں۔ تصنع اور ریا سے پاک اس گل صحرا کی طرح جس کی آرائش میں باغبان کا نہیں بلکہ مشاطۂ قدرت کا ہاتھ کام کر رہا ہو اور فطرت کی پرکاری اور صناعی مصروف ہو۔

اس کا حسن اس چاند کی طرح تھا جو ہلکی ہلکی بدلیوں کے اوٹ میں رہ کر اپنی تابانیوں سے فضائے بسیط کو متجلی کرتا رہتا ہے لیکن خود اس کو غبار اور بدلی کی کدورت مکدر نہ کر سکے۔ اس آبشار کی طرح جسے کنکر اور پتھر بدرنگ نہیں بنا سکتے۔ یہ سچ ہے کہ وہ کہیں کی شہزادی نہ تھی۔ اس کے حسن میں جواہرات اور زرتار ملبوسات کی آب و تاب نہ تھی لیکن بجائے خود اس کا حسن شاہانہ تھا۔

ظاہری تکلفات و آرائش کی جگمگاہٹ نہ تھی مگر اس کو کیا سمجھئے گا کہ قدرت نے جس کو حسن کی دولت سے مالا مال کر دیا ہو اس کو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ شبنم سے دھلا ہوا کنول کا پھول بے رنگ پانی کی سطح پر اپنی سادگی میں جو بے پایاں حسن رکھتا ہے کیا وہ کسی مشاطہ کے دست کرم کا ممنون منت ہوتا ہے اور جنگل میں کسی جھیل میں جب انگڑائی لے کر اپنے شباب کی نمائش کرتا ہے تو کیا کوئی زردوز اس کی قبا پر سلمہ ستارہ جڑتا ہے نہیں بلکہ اس کا قدرتی حسن کسی چیز کا محتاج نہیں رابعہ ریگ زار عرب کی کھلی ہوئی آب و ہوا کا ایک قدرتی پھول تھی جس پر مطلا و مذہب محلوں اور کمروں کی مسموم آب و ہوا کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس کی لطافت اور سادگی ہزار ہا حسن و جمال سے خراج عقیدت وصول کرنے پر مصر تھی۔ اس کی حیا آگیں آنکھوں میں جس قسم کی بجلیاں بھری ہوئی تھیں ان کی نوعیت جداگانہ تھی۔ ان بجلیوں کے سامنے بڑے بڑے سرکشوں اور سینہ زوروں کی گردنیں فرط رعب سے جھک جاتی تھیں اور لوگ اس کی عظمت و احترام پر مجبور رہتے۔

اتفاقات زمانہ نے آج ان ہر دو گل اندا موں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا یعنی ارمانوسہ اور رابعہ دونوں ایک ہی جگہ ایک ہی صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ حزن و ملال کے باعث ارمانوسہ کا چہرا ارغوانی ہو رہا تھا۔ وہ یوقنا کی بیٹی ضرور تھی لیکن یوحنا کی شفقت و محبت نے ارمانوسہ کو اس قدر قریب تر کر لیا تھا کہ وہ بچپن سے یوحنا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتی تھی۔ یوحنا کے قتل کا اس کے نازک دل پر اس قدر اثر پڑا کہ دو تین روز تک وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہی۔ لیکن بالکل غیر مرئی طور پر ایک صبح وہ بستر سے

اٹھی تو اس کا دل و دماغ بڑی حد تک اپنے قابو میں آچکا تھا۔

یوحنا کی مظلومانہ موت کی خبر سے رابعہ کے دل پر بھی چوٹ پڑی تھی۔ کیونکہ یوحنا نے اسے "بیٹی" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تسلی دی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ اس کو اس کے والدین کے پاس بھجوا دینے کی کوشش کرے گا۔ اور چند ہی لمحے میں رابعہ اس کی نیکی اور پاک بازی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ یوحنا کی گفتگو سے جو شمع امید اس کے دل میں روشن ہوئی تھی ایک مبہم خطرہ خوف کی آندھی سے بجھ چکی تھی۔ کئی روز سے ارمانوسہ سے بھی کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی کیونکہ ارمانوسہ پر ناگہانی طور پر جو کوہ غم پھٹ پڑا تھا اس کے پیش نظر اس کا کوئی موقع نہ تھا۔

اس اثنا میں رابعہ کو کسی بات کی تکلیف نہ ہوئی کنیزوں نے اس کا کافی خیال رکھا اس کو اپنے معمولات ادا کرنے کی مکمل آزادی تھی اور کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ ارمانوسہ وفور غم سے شدید بیمار ہو گئی تھی۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ اگرچہ رابعہ اس گھر میں نو وارد تھی۔ لیکن شہزادی اور یوحنا کے حسن اخلاق نے چند ثانیہ ہی میں اسے اپنا گرویدہ کر لیا تھا اور فطری طور پر بھی دو ہم عمر لڑکیاں طبائع کی یکسانیت کی بنا پر ایک دوسرے سے قریب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ جب اس حادثہ فاجعہ سے ارمانوسہ اور اس کی ماں دونوں بے حال ہو کر صاحب فراش ہو گئیں تو بہ تقاضائے ہمدردی و انسانیت رابعہ اپنے تمام آلام و افکار کو بھلا کر ارمانوسہ کے کمرے میں پہنچ گئی۔ جہاں ماں اور بیٹی ایک ہی کمرے میں فراش تھیں۔ رابعہ نے کنیزوں کی اس درخواست کے باوجود کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرے اس نے جانا پسند نہ کیا اور ایک ہوشیار نرس کی

کی طرح تیمارداری کے فرائض انجام دیتی رہی ۔ عرب لڑکیاں یوں بھی اس فن میں طاق و مشاق ہوتی ہیں ۔ لیکن یہاں تو رابعہ کو ارمانوسہ سے ایک گونہ تعلق لگاؤ پیدا ہو گیا تھا ۔ تین دن اور تین راتیں رابعہ نے آنکھوں میں کاٹ دیں کبھی ملکہ کے سرہانے اور کبھی ارمانوسہ کے ۔ کنیزوں نے ہر چند سمجھایا ۔ لیکن رابعہ کے اخلاق نے پل بھر کی جدائی کو گوارا نہ کیا ۔ چنانچہ محل کی ساری کنیزیں ارمانوسہ کی سہیلیاں اور شاہی خدام رابعہ کے اس بے پایاں ایثار سے بے حد متاثر ہوئے اور ان کو ماننا پڑا کہ عربوں کے متعلق بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں ۔

جب جب ارمانوسہ اور ملکہ کی آنکھیں کھلیں رابعہ کو اپنے سرہانے پایا ۔ ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق پیشانی کی پٹیاں بدلتے ہوئے ، گنگناتے ہوئے سر سہلاتے ہوئے بالوں میں کنگھیاں کرتے ہوئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پانی پلاتے ہوئے ۔

ان دونوں ماں بیٹیوں کے حق میں رابعہ فرشتۂ رحمت بنکر آئی تھی ۔ لیکن اچانک تین رات اور دن کے بعد ایک صبح کو ارمانوسہ جب نیند سے بیدار ہوئی تو معجزانہ طور پر اس کی بیماری یکلخت جاتی رہی ۔ البتہ خفیف سی نقاہت باقی تھی ۔ ڈاکٹر دلیلا کو بھی اس غیر متوقع صورت حال سے بڑا تعجب ہوا تھا ۔ اب اس کو مقوی ادویات جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ۔

اس دن تو ارمانوسہ اپنے بستر پہ لیٹی رہی اور پچھلے واقعات پر غور و فکر کے سوا چلنے پھرنے کی کوشش نہ کی ، البتہ رابعہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر ممنونیت کے ساتھ اس کا ہاتھ دبایا اور اسے اپنے سینے پر رکھ لیا ۔ آنکھوں سے مس کیا ۔ رابعہ نے اس کی عنبریں زلفوں میں اپنی نازک انگلیوں سے کنگھی کرنے

ہوئے اس کی صحت کے لئے دعا کی۔

آج ملکہ کے دل و دماغ بھی اپنے صحیح فعل کرنے لگے تھے۔ اس نے رابعہ کو مادرانہ نگاہوں سے دیکھ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور زبردستی اسے آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔

رابعہ بھی آرام کی ضرورت محسوس کر رہی تھی اس لئے اپنے کمرے میں جا کر نماز پڑھ کر سو رہی۔

ملکہ نے ارمانوسہ کو مخاطب کیا۔

"بیٹی! اب تیری طبیعت کیسی ہے؟

ارمانوسہ: میں بالکل اچھی ہوں ماں! آپ کا کیا حال ہے؟

ملکہ۔ میں بھی قریب قریب ٹھیک ہی ہوں۔ اس عرب لڑکی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟

ارمانوسہ۔ میں تو اسے فرشتۂ رحمت سمجھتی ہوں۔

ملکہ۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ بڑی پیاری اور ملنسار لڑکی ہے۔ شاید وہ شروع ہی سے آج تک ایک پل کے لئے یہاں سے نہیں ہلی۔

تمام کنیزوں نے اس کی تائید کی اور ان میں سے ایک جو رابعہ اور ارمانوسہ ہی کی ہم عمر، حسین و خلیق اور چنچل تھی وہ رابعہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئی اور کہا ملکۂ عالم۔ یہ عرب لڑکی تین دن اور تین رات سے مسلسل شہزادی اور آپ کے سرہانے بیٹھی خدمت کرتی رہی ہے۔ ہم لوگوں نے ہر چند اسے منع کیا اور سمجھایا، آرام کرنے کی تاکید کی، طبیعت خراب ہو جانے کا خوف دلایا مگر اس نے گوارا نہیں کیا نہ تردد ہی بھی رہی اور دل و جان سے تیمارداری بھی کرتی رہی،

شہزادی کی علالت، غش اور ہذیان سے بے چین اور بے قرار بھی تھی۔ اتنی طویل مدت میں شاید وہ گھر بھر بیٹھے بیٹھے ایک آدھ گھنٹے کے لیے سوئی ہو تو ہو نہیں کہہ سکتی ورنہ وہ صرف ضروریات اور نماز ہی کے لیے سر ہلانے سے اٹھی۔ مجھے حیرت تو اس بات کی ہے کہ وہ اپنی نماز کسی وقت کے لیے نہیں چھوڑتی صبح سے لے کر رات تک پانچ بار منھ ہاتھ اور پاؤں دھو کر نماز پڑھتی ہے اور صبح و شام وہ اپنی زبان میں کوئی نہایت پیاری چیز پڑھتی ہے اس کی آواز بھی ٹھلا پیاری ہے اس لیے اس کا پڑھنا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑی ملنسار اور خلیق ہے۔ حتی المقدور ہم لوگوں کو کوئی کام نہیں کرنے دیتی۔ بالخصوص وضو کا پانی بڑھ بڑھ کر وہ خود ہی استعمال کراتی رہی۔

جوں جوں ماں بیٹی رابعہ کی تعریف سنتی جاتی تھیں اسی قدر اس کی محبت و عظمت ان کے دلوں میں بڑھتی جاتی تھی۔ آخر وہ دونوں رابعہ کو کوئی غیر نہیں بلکہ اپنے خاندان کا ایک جزو سمجھنے لگیں۔

جس کنیز نے رابعہ کی ملکہ سے تعریف کی تھی اس کا نام میریا تھا وہ قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی۔ بچپن ہی سے ملکہ کے ساتھ تھی، وہ ارمانوسہ کی ہم عمر تھی ارمانوسہ اسے بہت محبوب رکھتی تھی۔

صرف دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد رابعہ اٹھی، ضروریات سے فراغت کر کے اس نے وضو کیا، نماز پڑھی پھر وہ ارمانوسہ کے کمرے کی طرف چلی، لیکن میریا جو غالباً موقع کی منتظر تھی اس نے بڑھ کر کہا۔

"ملکہ فرماتی ہیں کہ پہلے تم کچھ کھا پی لو اس کے بعد ان سے ملاقات کے آؤ۔" میریا نے یہ گفتگو ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں کی تھی۔ ارمانوسہ بھی عربی

جانتی تھی۔ ان دونوں کو یوحنا نے تھوڑی سی عربی پڑھائی تھی۔ خود یوحنا بھی عربی زبان جانتا تھا اور ملکہ بھی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عرب کے تاجر اکثر و بیشتر یہاں آتے جاتے رہتے تھے اور سیاسی ضروریات کے پیش نظر یوحنا کو عربی زبان سے واقفیت کی ضرورت تھی۔

رابعہ میریا کے کہنے کے مطابق ٹھہر گئی۔ آج بہت زیادہ اہتمام و ادب کے ساتھ دسترخوان چنا گیا تو رابعہ نے میریا سے بھی شرکت کی فرمائش کی۔ لیکن ملکہ اور ارمانوسہ کے بڑھے ہوئے رجحان کو دیکھتے ہوئے میریا نے سوئے ادب سمجھا اور یہ بہانہ کر دیا کہ ملکہ نے اسے فوراً خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ وہ شریک نہیں ہو سکتی۔

رابعہ بھی خاموش رہی۔ میریا کی جگہ حاضری دینے کے لئے دوسری کنیز آ گئی اور میریا رابعہ کے لئے اپنے دل و دماغ میں احترام و ادب، عقیدت، محبت اور عظمت کے جذبات لئے ہوئے آہستہ آہستہ اس کمرے سے نکل کر ملکہ کے کمرے میں چلی گئی۔

رابعہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ارمانوسہ کے کمرے میں آ گئی۔ آج ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ان کو بھی مقوی غذا اور یخنی دی گئی تھی۔

اس وقت ماں بیٹی دونوں ہی اس قابل تھیں کہ تکیہ کے سہارے بیٹھ کر گفتگو کر سکیں۔ اس وقت دونوں اپنی جگہ پر محتاط تھیں۔ ماں بیٹی کے خیال سے یوحنا کے حادثے کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرتی تھی اور بیٹی ماں کے رنج و غم کو تازہ کر کے اس کی صحت کو خطرے میں ڈالنا نہ چاہتی تھی۔

رابعہ کو دیکھتے ہی ارمانوسہ کے مغموم و اداس غمزدہ چہرے پر رونق آ گئی اور ملکہ

نے بڑے پیار بھرے انداز میں رابعہ کو اپنے قریب بلایا۔
رابعہ ملکہ کے قریب جاکر ادب سے کھڑی ہوگئی اور ملکہ کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اپنی مترنم آواز میں ملکہ کا مزاج پوچھا۔
ملکہ نے رابعہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بڑے غور اور پیار سے اس کی خوبصورت کلائی اور ہتھیلی کو دیکھا۔ پھر اسے کھینچ کر اپنی مسہری پر بٹھا لیا اور بڑی شفقت سے اسے اپنے گلے لگا کر اس کی خوبصورت پیشانی پر کئی بوسے دئے۔
رابعہ شرما گئی۔ شرم وحیا سے اس کے گلابی رخسار دہک اٹھے اور وہ اور زیادہ حسین نظر آنے لگی۔
ملکہ نے کہا۔
"میری بیٹی رابعہ! آج سے تو بھی میری ایسی ہی پیاری بیٹی ہے۔ جیسے میری ارمانوسہ۔
مجھ سے اقرار کر کہ تو آج سے مجھے بھی اپنی ماں سمجھے گی اور مجھ سے کوئی تکلف نہ کرے گی۔"
ماں سے بچھڑی ہوئی رابعہ کا دل ملکہ کی گفتگو سے کھل اٹھا اور از دیاد مسرت میں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ لیکن اس نے جلدی سے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اپنی آنکھیں پاک کیں اور بڑی معصومیت سے ملکہ کا منہ تکنے لگی۔
ملکہ کی نگاہوں میں اس کی یہ ادا اس قدر بھا گئی کہ ملکہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ پیار کرتے ہوئے کہا۔
"بول میری بیٹی! تو خاموش کیوں ہے۔ میری بات کا جواب دے۔"
رابعہ سنبھلی اور اس نے کہا۔

"ملکۂ عالم! آپ نے جو فخر مجھے بخشا ہے میں اس کی لذتوں اور مسرتوں میں اس طرح کھو گئی ہوں کہ الفاظ میں اس کا حال بیان نہیں کر سکتی۔"

ملکہ۔ "نہیں بیٹی! تو سارے ادب و لحاظ کو اس وقت چھوڑ کر مجھ سے اقرار کر کہ تو آج سے مجھے اپنی ماں سمجھے گی اور ارمانوسہ کو اپنی بہن۔ میری ارمانوسہ حال کے صدمۂ عظیم سے بڑی دل شکستہ ہے اس کو اس وقت با محبت اور خلیق بہن کی ضرورت ہے اور تو نے اپنے اخلاق و محبت سے اسے اپنا بھی لیا ہے۔

رابعہ۔ ماں، ماں کی تکرار کر کے سرک کر ملکہ کے قریب ہو بیٹھی اور ملکہ نے فرط محبت میں اسے گھسیٹ کر اپنے گداز سینے سے لپٹا لیا۔

بچھڑی ہوئی ماں کی یاد اور ملکہ کی شفقت سے رابعہ کا دل بھر آیا اور وہ ملکہ کے آنچل میں اپنا چاند سا چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

ملکہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولی۔

"تو رو رہی ہے میری بھولی بیٹی!۔ اب نہ رو، نہ آج سے اپنے کو قیدی سمجھ تو جب چاہے گی میں تجھے تیرے باپ ماں کے پاس بھیجدوں گی۔ لیکن میری آنکھیں تجھ کو ہمیشہ ڈھونڈھیں گی اور شاید میں تیری جدائی برداشت نہ کر سکوں"

پھر پیار سے رابعہ کی نازک ٹھوڑی جو آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔

"کیا تو مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

رابعہ۔ "شاید چلی جاؤں، لیکن آپ کو اور آپ کی شفقتوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔"

ملکہ۔ "خدا کوئی ایسی صورت نکالے گا کہ میں تجھ سے ملتی رہوں"

جانوار مانوسہ سے بات کر اور خوش رہنے کی کوشش کر، کسی قسم کا غم نہ فکر دل میں
نہ لا۔ تو آزاد و خودمختار ہے۔ تیری ذات اور تیرا مذہب یہاں محفوظ ہے۔
رابعہ نے ملکہ کو سلام کیا اور اٹھ کر ارمانوسہ کے قریب آ کر کرسی پر بیٹھنے لگی۔
ارمانوسہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور کہا۔
"میری پیاری بہن کی جگہ یہاں ہے میرے پاس، میرے دل میں میری آنکھوں میں"
یہ کہہ کر اس نے رابعہ کو گلے لگالیا۔
رابعہ نے ارمانوسہ کا شکریہ ادا کیا۔
ارمانوسہ۔" دیکھ میری پیاری گڑیا! تو آج سے ان تکلفات کو چھوڑ دے اور بالکل
ایک بہن کی طرح میرے ساتھ رہ کر میری تمنا پوری کر دے، مجھ کو ایک محبت کرنے والی
بہن کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت آج بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ جب کہ میرا مشفق چچا
مجھ سے بچھڑ گیا ہے اور مجھے رونے اور تڑپنے کے لئے چھوڑ گیا ہے۔
رابعہ وفور محبت سے رونے لگی۔
ارمانوسہ نے کہا۔
رابعہ بہن، تم سے بہن کا رشتہ میرے اسی مشفق چچا نے قائم کر دیا ہے اس لئے
یہ رشتہ بہت پائیدار ہے۔
رابعہ بھی یوحنا کی شفقت و محبت کو یاد کر کے بے چین ہونے لگی تھی۔ اور ارمانوسہ
تو بہت زیادہ بے قرار ہو گئی تھی۔ تب رابعہ نے یہ ضروری سمجھا کہ بات کا رخ پلٹ کر ارمانوسہ
کی توجہ کسی اور جانب پھیر دے لہٰذا اس نے کہا۔
سچ ہے، میری محترم اور مہربان بہن، یہ رشتہ بہت پائیدار بنیاد پر قائم ہے، میری
مسافرت، بیکسی، قید اور انتہائے مصائب میں چچا یوحنا بیلے بندۂ خدا تھے جنھوں نے اپنی

شفقتوں، نیکیوں اور مہربانی سے مجھے تسلی و تشفی دی اور مجھے بیٹی بنایا۔ میں ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

الغرض رابعہ نے اپنے حسن اخلاق سے نہ صرف ان ماں بیٹیوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ بلکہ ساری کنیزیں اور خدام بھی اس کی محبت اور عظمت کرنے لگے تھے۔
اگرچہ یوقنا از دیا شرم سے ان دونوں ماں بیٹیوں کے سامنے نہیں آیا تھا لیکن لمحہ لمحہ کا حال اس کو معلوم ہوتا رہا اور رابعہ کے متعلق بھی اسے ساری رپورٹ مل چکی تھی اور وہ اس عجیب و غریب لڑکی کے کردار سے بہت متاثر ہوا تھا اور اس کے دل میں بھی اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی تھی۔ وہ رابعہ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس دن تو خیر وہ نہیں بلا سکا۔ لیکن دوسرے دن ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد ایک کنیز کے ذریعہ ملکہ کے پاس پیغام بھیجا۔
کنیز نے ملکہ سے کہا کہ بادشاہ سلامت رابعہ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔
یوحنا کے قتل کے بعد یوقنا کو آج تک جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ ملکہ یا اپنی بیٹی ارمانوسہ سے آنکھیں چار کرتا۔ اس لئے وہ اب تک ان دونوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ لیکن ان دونوں کی علالت سے وہ قدرتی طور پر بے حد پریشان تھا۔ اپنی ملکہ سے تو اسے عشق تھا۔ دن رات کنیزوں اور ڈاکٹروں سے ان کی خیریت پوچھتا رہتا تھا اور اسے اپنی جگہ پر چین اور قرار نہیں تھا۔ مگر ان دونوں کے سامنے جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

جب ملکہ اور ارمانوسہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارمانوسہ نے مناسب یہی سمجھا کہ وہ خود رابعہ کو اپنے ساتھ لے جائے۔ چنانچہ اس نے کنیز سے اطلاع کرادی۔
پھر رابعہ کو اپنے ہمراہ لے کر یوقنا کے کمرے میں پہنچ گئی اور جاکر اپنے باپ کو سلام کیا

بیٹی کی محزون مغموم صورت دیکھ کر یوقنا کا دل بھر آیا۔ ارمانوسہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے۔ لیکن دونوں ہی نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں صاف کرلیں اور چہرے کو ہر طرح کے جذبات سے عاری بنانے کی کوشش کی اور کسی نے بھی پچھلے واقعات کی طرف اشارہ نہیں کیا اور قصداً خاموش رہے۔

اب تک یہ دونوں لڑکیاں کھڑی تھیں۔ یوقنا نے ارمانوسہ سے پوچھا۔

"اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"اچھی ہوں" ارمانوسہ نے جواب دیا۔

یوقنا۔ "تم نے کیوں تکلیف کی؟ ابھی تم کو زیادہ چلنا پھرنا نہیں چاہیے۔"

ارمانوسہ خاموش رہی۔

یوقنا نے پھر سوال کیا۔

"تمہاری ماں کا کیا حال ہے؟"

"اب وہ بھی اچھی ہیں۔"

یوقنا نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"اس پر بیٹھ جاؤ!"

ارمانوسہ تعمیل حکم میں بیٹھ گئی۔ لیکن اس کی نگاہ رابعہ کی طرف تھی۔

یوقنا نے رابعہ کو مخاطب کرکے کہا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ بیٹی رابعہ! کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔"

رابعہ ہچکچاتے ہوئے بدن سکوڑ کر بیٹھ گئی۔

یوقنا کچھ دیر خاموش رہ کر کچھ سوچنے لگا۔

ادھر ارمانوسہ کا یہ حال تھا کہ جب تک باپ کے سامنے نہیں آئی تھی تواس کے

دل میں باپ کے خلاف حد درجہ غم و غصہ تھا۔ لیکن جب باپ کے سامنے آگئی اور اس کے اُداس اور زرد چہرے کو جو بالکل ستا ہوا تھا دیکھا تو اُس کے دل پر گھونسہ لگا اور غصہ محبت و ہمدردی سے بدل گیا۔ وہ افسوس و حسرت بھری نگاہوں سے اپنے باپ کے چہرے کو دیکھنے لگی جو شیر حلب کہلاتا تھا۔ جس کے رعب و جلال کے سامنے بڑے بڑے سرکشوں کے پتے پانی ہو جاتے تھے۔ جس کی عظمت و ہیبت کا شہرہ شام سے لے کر روم تک پھیلا ہوا تھا۔ جو عیسائیت اور ہرقل کا دست راست کہلاتا تھا۔ جس کے چہرے کی شگفتگی سدا بہار تھی اور جس کی وجاہت کے سامنے حسن و وقار پانی پانی تھا۔

آج وہی یوقنا اپنے وجود کا محض سایہ بن کر رہ گیا تھا۔ آنکھیں دھنسی ہوئی، گال پھیکے اور پچکے ہوئے تھے۔ اس کے بشرے سے ظاہر تھا کہ اس کی روح بیمار ہے، دل رو رہا ہے، غم اس کو کھائے جا رہا ہے۔

دس منٹ کی خاموشی کے بعد یوقنا نے رابعہ سے کہا۔

"بیٹی! تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں۔

رابعہ نے ادب سے جواب دیا۔

"مجھے کوئی تکلیف نہیں، میں شکر گزار ہوں کہ مجھے ہر طرح کا آرام حاصل ہے۔

یوقنا۔ میری عزیز رابعہ! تو نے جس خلوص اور محبت سے ارمانوسہ اور اس کی ماں کی تیمارداری کی ہے اس سے تیرے اخلاق اور تیری شرافت و عظمت ظاہر ہوتی ہے تیرے اخلاق و عادات کی بلندی کا اظہار ہوتا ہے اور یقین کر کہ تو میری نگاہ میں بے حد عزیز اور قابل قدر ہو گئی ہے اور اب میں تجھے ارمانوسہ ہی کی طرح اپنی بیٹی سمجھتا ہوں۔

رابعہ کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا اور اس نے دوبارہ یوقنا کا شکریہ ادا کیا۔

یوقنا۔ رابعہ! جس روز تم یہاں زبردستی لائی گئی تھیں وہ میری مرضی اور میری شان کے خلاف بات تھی۔ میں اس کے دوسرے ہی دن بعزت تمام تمہیں تمہارے والدین کے پاس بھیج دینے والا تھا۔ تمہاری تقریر نے نہ صرف مجھے بے حد متاثر کیا تھا بلکہ ان تمام لوگوں کو نادم و ذلیل کیا تھا جو تمہاری زبان سمجھ سکے۔ مگر کچھ ایسے ناگہانی اور غیر متوقع حالات پیش آئے کہ میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ ان حالات نے کسی حد تک دنیا ہی بدل دی۔ لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے یہاں رہ جانے میں بھی کوئی زبردست ہاتھ کار فرما تھا۔ کیونکہ ارمانوسہ اور اس کی ماں کو تمہاری سخت ضرورت تھی۔ اس اثنا میں جولیس جو تمہیں لایا تھا۔ اس سے میں نے مصلحتاً چشم پوشی برتی تھی۔ مگر وہ بزدل، نمک حرام میرے خلاف منصوبے باندھنے لگا اور پھر تجھے شاہی محل سے نکال لے جانے کی تدابیر سوچنے لگا۔ اس سازش میں اس کا باپ بھی شامل ہو گیا۔ تب میں نے ان دونوں کو قید کر دیا۔

مگر خیر! یہ سب باتیں تم سے کہنے کی نہیں۔ اب تم صرف ایک بات بتاؤ!

رابعہ "فرمائیے!"

تم اپنے والدین کے پاس جانا چاہتی ہو گی، اور یقیناً چاہتی ہو گی۔ اس لئے میری طرف سے اجازت ہے، آج، یا کل، یا جب بھی تمہارا جی چاہے۔ جا سکتی ہو۔ میں اپنے معتمد آدمیوں کے ساتھ فوراً روانہ کر دوں گا۔

ارمانوسہ کو اس کی بالکل توقع نہ تھی کہ اتنی آسانی سے اس کا باپ رابعہ کو اس کے والدین کے پاس بھیج دے گا۔ لیکن جب رابعہ کے جانے کی بات آئی تو وہ رابعہ سے اس قدر مانوس ہو چکی تھی کہ اس کی جدائی کے خیال سے بے چین

ہونے لگی۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ رابعہ فوراً جانے کو تیار ہوجائیگی وہ افسوس و غم کے ساتھ رابعہ کا منہ تکنے لگی۔

لیکن رابعہ نے کچھ سوچکر کہا۔

اب جبکہ آپ نے ایک باپ کی شفقت کے ساتھ مجھے بیٹی بناکر مجھے جانے کی اجازت دے دی ہے تو اگرچہ قدرتاً مجھے اپنے بچھڑے ہوئے والدین کے پاس جانے سے خوشی ضرور ہوگی پھر بھی اپنی بہن ارمانوسہ اور ان کی والدۂ محترمہ کو چھوڑ کر اس لئے نہیں جانا چاہتی کہ ابھی یہاں میری ضرورت ہے۔ ان کا غم غلط کرنے کے لئے مجھے ابھی یہاں رہنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ جب تک میں اپنی ذات کو ایک قیدی تصور کر رہی تھی تو فوری رہائی کے لئے بیقرار تھی۔ اب جبکہ میں خود کو آزاد سمجھنے لگی ہوں تو اب اتنا جلد چلے جانے کی کوئی بے تابی نہیں۔

یوقنا اور ارمانوسہ دونوں کو اس عرب لڑکی کی گفتگو سے حیرت ہوئی اور ارمانوسہ کا مغموم چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔

یوقنا نے کہا۔

"تو اب تم کو کوئی گھبراہٹ نہیں اور ہر طرح مطمئن ہو۔

رابعہ۔ نہیں، اب مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں۔ اب یہ بھی میرا گھر ہوگیا۔ میں اپنے عزیزوں میں ہوں۔ اپنی جانب سے مطمئن ہوں، ابھی میں اپنی مشفق ماں ملکہ بیگم اور پیاری بہن ارمانوسہ ہی کے پاس رہوں گی۔ ورنہ میں یہاں سے جاکر ان کی یاد میں مغموم ہوجاؤں گی۔

شہزادی نے خوش ہوکر بے پایاں مسرت میں اپنے باپ کو بھی نظرانداز کر کے

رابعہ کو ۔۔۔

یوقنا بھی خوش تھا۔ کئی روز کے بعد آج اس کا مغموم چہرہ کسی قدر مسرت سے آشنا ہوا تھا اس نے کہا۔

رابعہ بیٹی! بے شک یہ تیرا گھر ہے تو خوشی سے جب تک جی چاہے رہ اور جب جانا ہو مجھ کو بتادے فوراً تجھ کو ایک بیٹی کی طرح رخصت کر دیا جائے گا۔ اب اگرچہ تیرا جانا مجھے بھی شاق گزرے گا۔

رابعہ۔ میں دعا کروں گی کہ اللہ کوئی ایسی صورت نکال دے کہ مجھے اپنے مشفقوں کی جدائی کا ملال نہ سہنا پڑے۔

یوقنا اور ارمانوسہ دونوں عرب لڑکی کے معصومانہ جذبات سے بے حد متاثر ہوئے۔ یوقنا نے اٹھ کر شفقت سے رابعہ اور ارمانوسہ کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔

رابعہ نے کچھ سوچکر کہا۔

اگر بار خاطر نہ ہو تو میں ایک گزارش کروں۔

یوقنا۔ تجھ کو ہر وقت اور ہر بات کہنے کی اجازت ہے۔ بول میری بیٹی! تو کیا کہنا چاہتی ہے؟

رابعہ۔ آپ جیسا مشفق، بلند کردار اور انصاف پسند اگر جنگ کے پہلو کو نظر انداز کر کے عربوں اور مسلمانوں کی تعلیمات کے متعلق کچھ سوچنے کی کوشش کرے تو میں امید کرتی ہوں کہ بڑے مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ اگر میں اس وقت اسلامی کیمپ میں ہوتی تو میں کوشش کرتی کہ مسلمان آپ سے جنگ نہ کریں بلکہ آپ کو سمجھنے کی کوشش کریں کیونکہ اس وقت کے حسن سلوک نے مجھ پر یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن کر دی ہے کہ بظاہر آپ جو کچھ نظر آتے ہیں وہ نہیں ہیں اور دنیائے عیسائیت و انسانیت میں اعلیٰ ایک مقام رکھتے ہیں۔

یوقنا۔ عزیزی رابعہ! ابھی میرے متعلق فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی نہ کر، پھر مجھ سے باتیں ہوں گی۔ آہ! میں بڑا ظالم اور سنگدل ہوں۔۔۔۔۔

بخیر، لیکن تیرے لیے یہ بہتر ہوگا کہ تو ایک خط اپنے والدین کو اپنی خیریت و اطمینان کا لکھ دے تاکہ ان کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔ میں یہ خط کسی خاص ذریعہ سے اسلامی کیمپ میں بھیج دوں گا۔

رابعہ نے وعدہ کیا کہ وہ ایک خط لکھ دے گی۔

جب یہ دونوں جانے کے لئے اٹھیں تو یکایک بغیر کسی اطلاع کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ملکہ کمرے میں داخل ہوئی۔

یوقنا کی نگاہ ملکہ پر پڑی تو شاہانہ سطوت و جلال کا دامن تار تار ہوگیا۔ صبر و استقلال رخصت ہوگیا اور وہ اپنا منہ رومال سے چھپا کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ رابعہ اور ارمانوسہ کی موجودگی بھی تقاضائے فطرت کو روک نہ سکی۔ سچ پوچھیے تو اس کا دل تو کئی روز سے بین و بکا کر رہا تھا۔ لیکن آنکھوں کے پرنالوں پر اس نے مہر لگا رکھی تھی۔ آج وہ مہر ٹوٹ گئی۔ پرنالے بہ چلے اور آنکھیں دل کا ساتھ دینے پر مجبور ہوگئیں۔ بشیر دل سورما کے دل کا بند پھٹ پڑا۔ ملکہ بھی آنچل سے منہ چھپا کر کھڑی روتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ یوقنا کی طرف بڑھنے لگی۔ لڑکیاں چشم پر آب کمرے سے باہر ہوگئیں۔ ملکہ یوقنا کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

ملکہ کے دل کا غم و غصہ بھی اشکوں کی شکل میں آنکھوں سے نکلا تو دل دھل کر رہ گیا اور محبت کا سوتا پھوٹ پڑا۔ جو جذبہ محبت خشک اور بنجر ہو چلا تھا وہ آبشار کی طرح بلندی سے گرنے لگا تو دل کی دنیا عشق و محبت کے جوہر لطیف سے دوبارہ مالا مال ہوگئی۔

رنج وغم اور جوان بھائی کی مظلومانہ موت کے تخیل نے یوقنا کو بالکل پست اور نڈھال کر دیا تھا۔ اس کا شگفتہ و وجیہ چہرا مرجھایا ہوا، حسرت آگیں تھا۔ اندر اس کے سارے حوصلے اور ولولے پست ہو گئے تھے۔ غصہ اور تعصب کے جوش میں اس نے اپنے چہیتے قوت بازو کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالا تھا۔ مگر جب غصے کا ردعمل ہوا اور ہوش وحواس نے جگہ لی تو اسے اپنی ذات سے نفرت ہونے لگی۔ اور ازدیاد محبت میں اپنی زندگی اسے اجیرن نظر آنے لگی اور کیوں نہ آتی۔ جس لائق اور سعادت مند بھائی کو بچپن سے اولاد کی طرح پال پوس کر جوان کیا تھا اور جس نے کبھی بڑے بھائی سے آنکھیں چار کی تھیں اور جس نے بھائی کے اقتدار کے استحکام کے لئے اپنے تمام حقوق سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ جو اس کی لڑکی پر جان دیتا تھا، اس کو دیکھ کر زندہ رہتا تھا وہ اپنے ہی بھائی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اس کے بعد کون ایسا بے درد بھائی ہے جو زندہ درگور نہ ہو جاتا۔

کئی روز کے بعد ملکہ نے جب اپنے محبوب شوہر کی یاس انگیز صورت دیکھی تو عظیم تغیر پا کر اسے سخت صدمہ ہوا، دل کو دھچکا لگا اور سارا ملال کافور ہو گیا۔ یوقنا بھی اپنی پیاری بیوی کو دیکھ کر اپنی غیر فطری خودداری کو قائم نہ رکھ سکا۔ اور تلخ حقیقت گرم آنسوؤں کی شکل میں اس کی سطوت پسند و پُر تمکین آنکھوں سے لڑھک لڑھک کر بیاض رخسار کو دھوتی ہوئی دامن میں جذب ہونے لگی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے پر مجبور ہو گیا۔

ملکہ نے اس کا ندامت اور غم سے جھکا ہوا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے گداز مگر دھڑکتے ہوئے سینے میں چھپا لیا۔ اس کے آنسو اپنے ریشمی آنچل سے پاک کرنے لگی

رہے تھے۔ وہ ہچکیوں کے درمیان تسکین و تسلی کے الفاظ استعمال کرتی رہی اور اسے رونے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی رہی۔

ملکہ، کیا میرے مرحوم و مظلوم بھائی کا پرسہ دینے آئی ہو۔ آہ! ملکہ، مجھ جیسے ظالم، ناعاقبت اندیش اور بے درد کو تسکین نہ دو، بلکہ خوب جی بھر کے ڈانٹو، جھڑکو مجھ پر لعنت و ملامت بھیجو، مجھ سے نفرت و کراہیت کرو، زجر و توبیخ کے جتنے الفاظ تم کو مل سکیں استعمال کرو، اور جتنی سخت گالیاں دے سکتی ہو دو، اور اگر ممکن ہو تو میرا وہی خونی اور منحوس خنجر میرے ہاتھ میں دے دو۔ تاکہ میں اپنا بھی قصہ پاک کر لوں۔ آہ! میرا وجود اس زمین پر بھاری ہے۔

دیکھو! یہ میرا ہاتھ میرے عزیز بھائی کے خون سے لال ہے۔

مجھے کوسو، اور میری ہر ممکن توہین کرو، کیونکہ میں نے اپنا ایک قوی بازو اپنے ہاتھ سے قلم کر کے خود کو گنجا کر لیا ہے۔ مجھ سے دور بھاگو، میں سنگدل اور خونی ہوں۔ میں بھیڑیا ہوں، ظالم ہوں اور دنیا کا ایک بدترین انسان ہوں، میں خائن ہوں، میں نے اپنے مقدس والدین کی امانت لٹا دی ہے۔

یہ کہتے کہتے پھر اس کے جسم میں رعشہ پڑا اور پھر اس کی آنکھیں گنگا، جمنا بن کر زمین کو جل تھل کرنے لگ گئیں۔

بڑی دیر تک ملکہ اسے تسکین دیتی رہی۔ اور کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے شوہر کا غم غلط کر ہی دیا۔

یوقتنا نے اٹھ کر ہاتھ منہ دھوئے۔ تب جا کر اسکو سکون ہوا۔

نواں باب

قیدی

سالم کو بادشاہ نے جیلر کے حوالے کر کے کہہ دیا تھا کہ اسے آرام سے رکھا جائے۔ میں جلد ہی اسے اپنے پاس بلاؤں گا۔

یوقنا ایک پرجوش عیسائی اور بہادر بادشاہ تھا مگر اس کی فطرت بری نہ تھی۔ وہ بہادری اور بہادروں کی قدر کرتا تھا۔ اس نے ۲۵ مسلم نفوس کی حیرت انگیز بہادری دیکھی تھی اس نے سالم کو تنہا ہزاروں سے مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اس نے دیکھا کہ ہزاروں میں گھرے ہوئے سالم نے سیکڑوں بہادروں کو قتل کر کے ڈھیر لگا دیا تھا۔

سالم کی بہادری نے یوقنا کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ جب اسے گرفتار کر کے قلعہ میں لایا اور جیلر کے حوالے کیا تو اسے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ اس قیدی کو آرام سے رکھنا، میں جلد اسے بلا لوں گا۔ لیکن اس کے بعد ہی پے در پے ایسے واقعات ہوئے کہ یوقنا کے دل میں سالم کا خیال تک نہ آیا اور سالم زندان خانہ میں پڑا رہا۔ مگر یوقنا کی صرف معمولی سی ہدایت کا کارکنان جیل نے اس قدر احترام کیا کہ سالم کے لئے ہر قسم کی سہولتیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ اس کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی۔

سالم کو اگر تکلیف تھی تو صرف یہ کہ اسے رابعہ کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں اور کس عالم میں ہے اُسے تکلیف ہے یا آرام، اپنے والدین اور اعزہ سے بچھڑ کر اس کے دل پر کیا گذر رہی ہوگی۔ اسکے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ کیا

جاتا ہوگا۔؟

چنانچہ جس وقت رابعہ کا خیال آجاتا تو اس کے دل پر آرہ چل جاتا افسوس و ندامت کے مارے اس کا دل بے چین ہوجاتا اور وہ سوچنے لگ جاتا، کاش وہ آزاد ہوجاتا کہ وہ رابعہ کو ڈھونڈ نکالتا اور اس کو مدد کی ضرورت ہوتی تو مدد پہونچاتا۔

لیکن وہ مسلمان تھا اس کا خدا پر بھروسہ تھا وہ جانتا تھا اس کا یقین تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی جانب سے ہوتا ہے اس میں بھی اس کی کوئی مصلحت ہوگی۔ مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے؟ اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی۔

سالم جیل خانہ میں بھی رہ کر سب سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا۔ اوقات معینہ پر وضو کر کے اطمینان سے نماز پڑھتا پھر رابعہ کے حق میں دعا کرتا۔ قرآن شریف جس قدر یاد تھا خوش الحانی سے پڑھتا۔ ہر شخص سے میٹھی باتیں کرتا اس دور کے عیسائی بھی عیش کوش تھے۔ مذہبًا عیسائی ضرور تھے لیکن مذہب اور اس کے احکام کی تعمیل سے سراسر بے نیاز، کثرت شراب نوشی کی بنا پر گندے خراج کے بے حیا اور گھناؤنے خیالات کے تھے جو شراب نہ ملنے پر شور و شر مچاتے اور مل جاتی تو پی کر ہنگامہ برپا کرتے رہتے آپس میں لڑ پڑتے۔

حکام بھی ان سے سخت پریشان رہتے اور ڈرتے رہتے۔ لیکن جب سالم جیسا خموشی پسند انسان آیا تو شروع شروع میں ان اجڈ سپاہیوں نے بڑا مضحکہ اڑایا۔ بہت آوازے کسے لیکن سالم نے ذرہ برابر التفات نہ کی۔ مگر دو ہی چار دنوں میں سالم کی نیکی، پاکی، پاکیزہ خیالی، خدا شناسی اور خدا پرستی کا قدرتی اثر پڑا۔ اور سب خاموش ہو کر اس کا رنگ رویہ دیکھنے لگے۔ پھر ایک روز ان قیدیوں کا سرغنہ

جو ایک بڑا بہادر اور سرکش نوجی تھا اور جس نے یوقنا کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا تھا لیکن جلد ہی پکڑا گیا۔ نوجی عدالت میں مقدمہ چلنے لگا۔ مگر اسی وقت حلب پر مسلمانوں کا حملہ شروع ہو گیا اور مقدمہ معرض التوا میں پڑ گیا تھا۔ اس کے بہت سے ہم خیال تھے۔ اس کا نام جرجیس تھا۔

یہ ایک روز سالم کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ سالم نے کہا آؤ عیسائی برادر بیٹھو!

یہ کہہ کر سالم نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی۔

جرجیس سالم کے اس اخلاق سے بہت متاثر ہوا چونکہ یہ بصرہ اور عرب ممالک کی سیاحت کر چکا تھا اس لیے عربی اچھی طرح بول اور سمجھ لیتا تھا۔ شام کے تمام ممالک میں عرب اور عرب متنصرہ تجارتی طور پر بکثرت آتے رہتے تھے اس لیے عام طور پر لوگ عربی لیتے اور بولتے بھی تھے۔

جرجیس خاموشی سے سالم کے پہلو میں بیٹھ گیا حالانکہ وہ اپنے ساتھیوں سے یہ مشورہ کر کے آیا تھا کہ مسلم قیدی کو چھیڑ کر اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جیل کے عملوں نے اس کا عندیہ بھانپ لیا تھا اس لیے دو ایک ذمہ دار افراد کھسک کر سالم کے قریب آ گئے تھے لیکن وہ بھی جرجیس سے ڈرتے تھے۔ مگر سالم ان تمام باتوں سے بے پرواہ اسلامی اخلاق کی بنا پر خوش مزاجی سے پیش آیا جس کا گہرا اثر جرجیس پر پڑا۔ اور وہ بیٹھ کر کچھ دیر تک سالم کا منھ تکتا رہا پھر بولا۔

تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

سالم میں خاص مدینہ کا رہنے والا ہوں۔

جرجیس۔ حضرت عیسٰی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔

سالم۔ حضرت عیسٰی خدا کے بڑے برگزیدہ اور مقتدر پیغمبر تھے۔

جرجیس۔ تمہاری کتاب میں ان کے بارے میں کیا لکھا ہے؟

سالم۔ ہماری کتاب آسمانی یعنی قرآن میں جابجا ان کی تعریف آئی ہے؟

جرجیس۔ کیا تمہارے خیال میں حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں؟

سالم۔ عیسائی برادر اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی، وہ ان باتوں سے پاک ہے۔ تم صرف اس لئے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو کہ وہ کنواری حضرت مریم کے بطن سے بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ پس جس خدا میں یہ قدرت ہو کہ جس نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کیں اور حضرت آدمؑ کو بن ماں باپ کے پیدا کیا۔

تو اگر اس نے اپنے ایک اور محبوب بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے بن باپ کے پیدا کر کے اہل دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قبضۂ قدرت وحکمت میں ہر بات ممکن ہے تو اس کے یہ معنے کہاں ہوئے کہ اللہ کا بندہ اس کا بیٹا ہو گیا

دوسری حکمت اس میں بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے اہل عالم پر یہ ثابت کر دیا کہ اس کی قوت کے سامنے مرد عورت کی یکجائی یا ایک کی بھی موجودگی چنداں ضروری نہیں البتہ نظام عالم کے استحکام اور سماجی فلاح کے لئے زن و شوہر کے جائز تعلقات اور تولیدِ تناسل کے تسلسل کے لئے ایک ڈسپلن کی ضرورت خود بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ پس خدائے تبارک تعالیٰ ہر بات سے بے نیاز ہے۔

اچانک جرجیس نے پہلی بار مذہب کے معاملات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس نے پوچھا۔

تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم جس کے پیرو ہو وہ آخری پیغمبر ہیں۔

سالم۔ ثبوت تو ہزاروں ہیں جو ہماری آسمانی کتاب میں موجود ہیں۔ جن کو

میں پیش کروں تو مانو گے نہیں اس لئے آؤ ہم دوسری طرح سمجھانے کی کوشش کریں۔
مثلاً اگر تم پڑھے لکھے ہو تو خود اپنی کتاب میں ثبوت ڈھونڈو کہ کیا حضرت عیسیٰ نے آخری پیغمبر کی بشارت نہیں دی ہے اور حضرت یوحنا نے ان کا نام نامی اور حلیہ تک نہیں بتا دیا ہے۔ خیر اسے بھی چھوڑو تم ہماری قوم کے احوال سنو!

ہماری قوم اخلاق و کردار کے اعتبار سے دنیا کی بدترین قوم تھی۔ دنیا کی کوئی بھی ایسی برائی نہ تھی جو اس میں نہ تھی جو اس میں موجود نہ ہو، چوری، ڈاکہ زنی، آوارگی، بات بات پر لڑائی، کشت و خون، زنا، شراب نوشی کی کثرت بے حیائی الغرض وہ قوم انسانیت کے لباس میں جانور سے بدتر تھی۔ لڑکیوں کو قتل یا زندہ دفن کر دیتی تھی، ذلت اور تنگ دستی کی زندگی بسر کرتی، بھوت، شیطان وغیرہ پر اعتقاد تھا۔ جادو اور ٹوٹکے سے ڈرتی، پتھروں اور بتوں کو پوجتی تھی، ہر قبیلہ کا ایک الگ خدا تھا۔ ہر وقت آپس میں لڑ کر تباہ ہوتے رہتے تھے۔ لیکن ہمارے پیغمبر نے خدا کی تعلیمات پیش کیں۔ قوم نے مسلمان ہو کر ساری برائیاں ترک کر دیں۔ سب ایماندار اور خدا ترس ہو گئے، اندھیرے اجالے، مجمع اور تنہائی میں ہر جگہ خدا سے ڈرتے ہیں اب نہ کوئی چور ہے نہ شرابی نہ کوئی زانی ہے نہ سرکش، نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا، نہ کوئی آقا ہے نہ غلام، نہ کوئی اونچا ہے نہ کوئی نیچا، ہر سپاہی پادری ہے اور ہر پادری سپاہی۔

جرجیس رفتہ رفتہ ان کی اہمیت کو سمجھنے لگا تھا لیکن اس نے ایک بات اور پوچھی۔

یہ مسلمان ساری دنیا میں لڑتے کیوں پھرتے ہیں۔

سالم ہم لڑتے نہیں پھرتے بلکہ تم سے جنگ کا سبب ...

کہ دنیا کی ہر قوم کے قانون اور اخلاق کے خلاف تمہارے ایک بادشاہ نے ہمارے سفیر کو قتل کر دیا اور پھر جنگ کے لئے للکارا بلکہ الٹے ہم پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تب ہم نے ایک عالمگیر قانون کو بحال کرنے کیلئے اس کا چیلنج قبول کر لیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم خدا کا پیغام لے کر آئے ہیں کہ وہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ باپ ایسا ہوتا تو خود حضرت عیسٰی نے اپنی زبان سے اپنے کو خدا کا بیٹا کہا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ہم چھوٹے بڑے کا فرق مٹا کر انسانیت کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی اصلاح چاہتے ہیں۔ تمام برائیوں کی جڑ شراب نوشی ہے اس کو پی کر انسان جانور سے بدتر ہو جاتا ہے ماں بہن کی تمیز تک نہیں رہتی ہے غریبوں کو امرا انسان نہیں سمجھتے ان کو کچلتے رہتے ہیں حالانکہ حضرت عیسٰی خود غریب تھے غریبوں سے ہمدردی اور محبت کرتے تھے اور اسی کی تعلیم دی ہے در حقیقت ہم سچی عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔

ہم تین باتیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلمان ہو جاؤ یعنی نیکی، سلامتی، انسانیت اور نجات کے راستے پر آجاؤ۔

یا (۲) جزیہ دو۔

یعنی ایک خفیف سا فوجی خرچ بطور ٹیکس دیکر ہماری حفاظت میں آجاؤ ہم دوسرے حملہ آوروں سے دوستانہ طور پر تم کو بچائیں گے اور تمہاری مدد کرینگے

(۳) اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں۔ یعنی امن و سلامتی نہیں چاہتے۔ برائی کو چھوڑ کر نیکی، بھلائی اور انسانیت یعنی سچی عیسائیت کی طرف نہیں آنا چاہتے تب ہم سے جنگ کر کے دیکھ لو، تم ہار جاؤ گے اس لئے کہ باطل پرست ہو، تمہارے بڑے خود عیش و عشرت کر رہے ہیں اور تم کو جنگ کی آگ میں جھونک کر قتل کراتے

اور اپنے اقتدار کا راستہ صاف کرتے ہیں۔

تمہارے پادری بڑی بڑی خانقاہوں کے حصار میں بیٹھے ہوئے رد پے سمیٹتے۔ عیش و عشرت کرتے ہیں ہم کو معلوم ہے کہ ان کی اخلاقی حالت تم سے بدتر ہے لیکن وہ تمہارے گناہوں کے ذمہ دار بنتے اور معافی کا پروانہ دیتے ہیں لیکن سچ پوچھو تو یہ بہت برا ہے ایک شخص راز کی بات یا اپنا خفیہ گناہ ایک آدمی کو سنا کر اپنی کمزوری سے اُسے آگاہ کر دیتا ہے وہ اگر چاہے تو ہمیشہ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اور فائدہ اٹھانے والے اٹھاتے رہتے ہیں۔

لیکن اس سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ ایک ظاہردار مذہبی رہنما جو گرجا کی چہار دیواری میں الیسی بدترین گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے کس طرح ... وہی گنہگار دوسرے گنہگاروں کے گناہ کی داستان سن کر اسے پروانۂ نجات دے دیتا ہے۔ بتاؤ اس کو کیا حق ہے۔ کیا یہ عیسیٰ کی تعلیم ہے۔

جرجیس بہت متاثر ہو چکا تھا لیکن اس نے ایک اور سوال کیا۔

ہم نے سنا ہے کہ مسلمان جنگ کی حالت میں کھیتیاں برباد کر دیتے۔ عورتوں اور بچوں کو پکڑ لے جاتے۔ بوڑھے اور مذہبی آدمیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔

سالم نے مسکرا کر کہا۔

برادر من۔ تم نے کسی اسلامی دستے کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

جرجیس۔ دیکھا تو نہیں لیکن اپنے پادریوں سے سنا ضرور ہے۔

سالم۔ ہاں انھیں پادریوں سے جنھوں نے عیسائیت سے ہٹ کر گرجاؤں اور خانقاہوں کو عیش محل بنا لیا ہے۔ اور اپنی پُر گناہ زندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنا خود ساختہ قانون عوام پر لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کب پسند کریں گے کہ غیر ملک

کے لوگ آکر ان کی فریب خوردہ قوم کی آنکھیں کھول دیں۔ اللہ کا دین ایک ہی ہے۔ جسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ تک لائے اور حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت محمدؐ لائے۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ کا دین یہودیت اور ان لوگوں کیلئے موت ہے جن کا مذہب عیش و گناہ اور مال و منال ہے۔ وہ پادری اپنے تعیش کو خطرے میں پاکر توحید اور مساوات کا پیغام لانے والوں پر الزام لگا رہے ہیں۔ ورنہ ہمارے رسولؐ کی تعلیم یہ ہے کہ کھیتیاں اور باغات کو ہرگز برباد نہ کرو کمزوروں، غریبوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، کمزوروں، ناتوانوں، اور مظلوموں کی مدد کرو خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں۔ خانقاہوں اور گرجاؤں کو مت ڈھاؤ بلکہ ان کی عزت کرو۔ جو تم سے جنگ کرے صرف اسی سے جنگ کرو۔ زبردستی کسی کو مذہب میں داخل نہ کرو، مذہب میں جبر نہیں اور مذہب کی اختلاف کی بنا پر کسی سے دشمنی اور نفرت نہ کرو۔

اور ہم ان باتوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں اگر ہم میں سے کوئی سپاہی یا افسر اس قسم کی حرکت کرے گا تو اس کو سخت سزا ملے گی کیونکہ یہ ہمارے رسولؐ کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

جرجاہیں اب وہ جرجیس نہیں رہ گیا تھا اس کی تو جیسے بند آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اس نے اچانک ایک اور سوال کیا۔

تو کیا آپ کے دین میں گناہگار کے لئے کوئی سہارا نہیں۔

سالم۔ کیوں نہیں۔ ہمارے یہاں سب سے بڑا سہارا ہے گناہگار کسی سے اپنے گناہوں کا اعتراف کئے بغیر اگر سچے دل سے خدا کی درگاہ میں توبہ کرے۔ اور اپنے گناہوں پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے تو وہ ایسا پاک صاف

اور معصوم ہو جاتا ہے جس طرح کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوتا ہے۔ وہ خاموشی کے ساتھ تنہائی میں اپنے معبود ہی کے سامنے گڑگڑائے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرے وہی احکم الحاکمین ہے وہی اپنے بندوں کو سزا بھی دے سکتا ہے اور معاف کر بھی سکتا ہے۔ کسی انسان کو یہ اختیار نہیں خواہ وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو کہ کسی کو پروانہ معافی عطا کر دے البتہ وہ بھی خدا کی درگاہ میں اس کی معافی ہی کے لئے دعا کر سکتا ہے۔ ولی اور پیغمبر بھی اسی کے بندے ہیں اور مثل اور انسانوں کے ہیں۔ ان کو عظمت اس لئے حاصل ہے کہ وہ خالق و مالک کے پیغمبر ہیں۔ نیکی ایمانداری اور پاکبازی کی ہدایت لے کر آئے ہیں لیکن وہ اللہ کے کارخانے میں دخیل نہیں ہیں۔

ہمیں سوچو کہ یہ کتنی بڑی بے حیائی ہے کہ ہم اپنی گندگی، فحش خیالی، گناہ آلود زندگی اور ڈھکے چھپے گناہ و جرائم کا حال ایک اپنے ہی جیسے انسان کے سامنے بیان کریں اور اس کے منہ سے معافی کا پروانہ پاکر مطمئن ہو جائیں۔ حالانکہ اگر جھانک کر دیکھا جائے تو اس کی زندگی زہد و اتقا کے پردے میں مذہب کی آڑ میں اور خانقاہ وگرجا کی چہار دیواری میں تم سے زیادہ گندی اور گھناؤنی ہے پھر اسے کیونکر یہ اختیار مل گیا کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر کے تم کو معصوم بنا دے۔

اور یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تعلیم ہے کہ ایک انسان پر کچھ فرائض اللہ کے ہیں، کچھ انسانی کے کچھ محتاج کے، کچھ پاس پڑوسی کے اور خود اللہ بھی انسانوں کے اسی گناہ کو معاف کرتا ہے جو اللہ سے متعلق ہیں لیکن جن انسانوں کے حقوق پامال کئے گئے ہیں ان کو اللہ اس وقت تک معاف نہ کرے گا جب تک تم انسانوں سے معاف نہ کرالو۔ محتاج اور پاس پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہے وہ بھی ناقابل معافی ہے۔

پس میرے بھائی تمہیں سوچنا چاہیے کہ حضرت علیٰ کا دین سور اور شراب کو حرام قرار دیتا ہے اسے تم بھی پیتے ہو اور تمہارے مذہبی رہنما بھی پیتے اور کھاتے ہیں پھر تم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

جرجیس بڑی حیرت اور دلچسپی کے ساتھ یہ بات سنتا رہا وہ سوچ رہا تھا کہ ہم نے عربوں کے متعلق کیا سوچا تھا کیا سنا تھا اب کیا دیکھ رہے ہیں۔

اس نے پوچھا، کیا تم اپنے مذہب کے پادری ہو؟

سالم - ہمارے مذہب میں نہ کوئی الگ پادری ہے نہ الگ سپاہی۔ نہ الگ عام نہ الگ خاص، نہ بڑا، نہ چھوٹا نہ آقا نہ غلام نہ افسر، نہ ماتحت، نہ بادشاہ نہ رعایا۔

ہمارا گھر ہمارا گرجا ہے اور ہماری جھونپڑی ہماری خانقاہ ہے۔ ہم میں کا ہر ایک آدمی سپاہی بھی ہے پادری بھی خاص بھی ہے عام بھی، افسر بھی، ماتحت بھی، ادنیٰ بھی اعلیٰ بھی، غلام بھی، آقا بھی، بادشاہت کا ہمارے یہاں کوئی سوال ہی نہیں البتہ ہمارے یہاں ایک امیر ہوتا ہے جس کو ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہتے ہیں وہ ہمارے ہی جیسا پہنتے ہیں ہم سے بھی زیادہ معمولی کھانا کھاتے ہیں۔ غریبوں کے ہر گھر میں پہنچ کر ان کا کام کر دیتے ہیں یتیموں اور بیواؤں کا پانی بھر دیتے ہیں بازار کر دیتے ہیں ان کی تکلیف آرام کا خیال کرتے ہیں اللہ اور رسول سے ڈرتے ہیں ایک قدم احکام الٰہی کے خلاف نہیں اٹھاتے۔ چٹائی پر سوتے ہیں اور اپنے خادم کے ہر کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں اس لئے ہم ان کی عزت کرتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں ہمارے سپہ سالار فوج ہم سے بلند اپنی شخصیت کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ مسکین مزاج اور خداترس ہیں اور ہم سے زیادہ اللہ کی

راہ میں جد وجہد کرتے ہیں اور زیادہ پرجوش رہتے ہیں۔

جرجیس۔ جب یہ سب کچھ ہے تو آپ ہم سے جنگ کرنے کیوں آئے ہیں۔ جنگ میں طرفین کے آدمیوں کا خون بہتا ہے ہزاروں بچے یتیم اور ہزاروں عورتیں بیوہ اور خانماں برباد ہو جاتی ہیں۔

سالم۔ سچ ہے میرے بھائی! تم نے بڑی عمدہ بات کہی۔ لیکن ایک بار شروع ہی میں اس کا جواب دے چکا ہوں مگر پھر سنو۔

اول تو جنگ میں ہم نے پہل نہیں کی۔ ہمارے پیغمبرؐ نے امن وسلامتی کا پیغام بھیجا، ماننا نہ ماننا ایک الگ فعل تھا لیکن سفیر کا سفاکانہ قتل عالمی قانون کے خلاف تھا جب کسی سرزمین میں اتنا بے دردانہ فعل ہو تو ماننا پڑے گا کہ وہاں کے لوگ خدا اور انسانی سماج کے قانون کو فراموش کر چکے ہیں ہمارے برگزیدہ پیغمبر حضرت عیسیٰ کی تعلیم تو یہ تھی کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال بھی پیش کر دو۔ لیکن قوم اس کے خلاف عمل کر کے ایک بے قصور قاصد کو قتل کر کے انسانوں کے ایک طبقہ کو ہیتا غریب اور کمزور سمجھ کے نہ صرف دھمکاتی ہے بلکہ جارحانہ حملہ کے لئے سرحد پر فوج جمع ہو جاتی ہے۔

اس طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ تمہاری قوم اور تمہارے رہنماؤں نے خدا اور حضرت عیسیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالکر اپنا جابرانہ قانون نافذ کر رکھا ہے۔

پس ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنی طاقت سے تمہارے جارحانہ حملہ کو روکتے اور امن وسلامتی کے قانون کو پیش کر کے خداشناسی کا راستہ دکھاتے۔ جب ہم اس عظیم مقصد کے لئے آئے تو ہم کو کم اور کمزور سمجھ کر جابرانہ قانون آگے بڑھا وہ کہتا ہے کہ ہمیں امن وسلامتی اور خداشناسی نہیں چاہیئے وہ اپنے خود ساختہ اختیارات واقتدار کے

سہارے ہمیں ہمیں ڈالنا چاہتا ۔ تب ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ شیطان پرستوں اور مفسدوں
کو جو انسانیت کو کمزور سمجھ کر کچل رہے ہیں تلوار کے ذریعہ امن و سلامتی کی راہ پیدا کرنے
کے واسطے توحید کا سبق دیں ۔

ان حالات میں میرے بھائی تمہیں سوچو کہ اگر ایک غیر ضروری اور مستقبل کیلئے
مضر اور خطرناک جنگل سامنے ہو اور انسانیت زمین کی کمی سے بھوکوں مر رہی ہو تو ہمارا
فرض ہم کو اکساتے گا کہ زہریلے اور خاردار درختوں کو کاٹ کر زمین کو صاف کر کے
قابل کاشت بنا کر اس میں ایسے تخم بوئیں جو بھوکے انسانوں کا پیٹ بھر سکیں۔ اگر ان
درختوں کے کٹنے سے زمین کے کسی ٹکڑے کو بھی نقصان بھی پہونچے تو ایک بہت بڑے
فائدے کے مقابلے میں اس حقیر تر نقصان کو گوارا کرنا ہی پڑے گا ہماری جنگ ان
سے ہیں جو جنگ اور فساد سے خدا کی زمین کو بھرتے اور مخلوق کے دین و ایمان، ضمیر
روح اور جان و مال کو تباہ و برباد کر رہے ہیں ۔

جرجلیس نے کہا ۔

لیکن جبکہ آپ کو میرے جرائم کا حال معلوم نہیں ہے اگر تھوڑا سا بھی معلوم ہو جائے
تو آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے اور کبھی مجھ سے بات کرنا پسند نہ کریں گے ۔ اس وقت
بھی میں آپ کو تنگ کرنے ستانے اور تمسخر اڑانے کے لئے آیا تھا ۔

سالم ۔ اور شاید چھیڑ کر لوٹنے بھی ۔

جرجلیس ۔ ہاں یہ بھی صحیح ہے ۔ کیونکہ ہم لوگ اسی قسم کا مذاق پسند کرتے ہیں اور
کوئی بہانہ ڈھونڈ کر لڑ پڑتے اور کمزوروں کو مارتے پیٹتے ہیں ۔

سالم ۔ (مسکرا کر) پہلی بات کا جواب سنو ۔ ہم کسی کے جرائم کی بنا پر اس کی ذات
سے نفرت نہیں کرتے کیونکہ نفرت سے ضد پیدا ہوتی ہے اور ضد کی بنا ہی پر انسانی

کفر اور شرک کے غار میں گر پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج یہ نہیں کہ ان سے نفرت کی جائے یا ان کی تذلیل کیجاتے بلکہ وہ قابل رحم ہیں۔

قابل رحم اس لیے کہ خواہ کتنا ہی سرکش انسان کیوں نہ ہو جب وہ گناہ جرائم کر چکتا ہے تو تنہائی میں اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے وہ اداس، غمگین اور بے آرام ہوتا ہے۔ لوگ اس سے کشیدہ رہتے ہیں۔ اس لیے وہ غمگین بھی رہتا ہے اور دنیا میں خود کو تنہا محسوس کر کے بے چین بھی ہوتا ہے تب وہ اپنے عارضی سکون کے لئے شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کر کے اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شراب اسکے ہوش و حواس کو سلب کر کے اس کی خباثت کو متحرک کرتی ہے۔ خباثت اسے سماج اور کشیدہ خاطر انسانوں سے انتقام لینے کا مشورہ دیتی ہے۔ وہ اس انتقامانہ جذبے کے تحت روز بروز گناہ اور جرائم کے سمندر میں ڈوبتا جاتا ہے۔ پھر یہی عادت اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔

اب اگر انسان ایسے انسانوں سے نفرت کرنا چھوڑ دے۔ پاکباز انہ اور مجرمانہ زندگی کا فرق پیار اور محبت سے بتاتا رہے اور اس کی روح کو پاکی کی روشنی سے روشناس کر دے تو یقیناً ایک بڑے سے بڑا مجرم بھی۔۔ ذہنی طور پر روشنی میں آجائے گا اور اس کا جذبہ صحیح فعل انجام دے کر مجرم کی زندگی کا رُخ بنی نوع انسان کی ہمدردی، خدمت اور محبت کی طرف پھیر دے گا۔ کیوں کہ دنیا کے بنی نوع انسان ایک دوسرے کے عضو ہیں یہ اعضا متفرق اور منقسم ہو کر ایک جوھری طریقے سے متسلک اور غیر منقسم ہیں۔ اور باوجود افتراق خیال اور اختلاف مذہب کے ایک مقام پر ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں مثلاً تمہارا ایک دشمن ہے۔ تم اس کے خون کے پیاسے ہو تم موقع پاؤ تو اسے قتل کر ڈالو شمشیر کے سامنے ڈال دو، آگ میں جھونک دو، پہاڑ سے گرا دو،

لیکن وہ اگر ناگہانی حادثے کے طور پر شیر کا شکار بن رہا ہو۔ آگ کا شعلہ اس کے جسم کو گھیر رہا ہو اور غیر متوقع طور پر پہاڑ سے گر رہا ہو تو نفرت شدید کے باوجود ایسے موقع پر تمہاری خفیہ و خفتہ رگ انسانیت کو متحرک کر دے گی۔ اور جذبہ ہمدردی کو ابھار دے گی اور تم غیر ارادی طور پر اسے اپنے ہاتھ سے مقتول ہونے کے لئے بچانے کی کوشش کرو گے اور ہو سکتا ہے کہ اس حادثے کے بعد تم اپنی دشمنی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس لیے ایسا انسان قابل نفرت نہیں بلکہ قابل رحم قابل ہمدردی اور قابل دوستی ہے اور یہی سچی انسانی خدمت ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ تمہاری آمد کے مفہوم کو میں نے سمجھ لیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تم جیسے دس بیس بھائیوں سے تنہا نبٹ لوں اس لئے تم کو اپنے سے کمزور سمجھ کر تم سے نرمی اور خلوص برتنے کیلئے مجبور ہوں۔ اگر تم میرے اخلاق سے متاثر نہ ہو گے تو میں پیش دستی نہ کروں گا۔ لیکن جب تم ظالمانہ طور پر پیش دستی کرو گے تو میں تم کو معاف نہ کروں گا۔

جرجیس۔ کیا تم اس حال میں بھی مجھ سے دوستی رکھو گے کہ میں عیسائی رہوں اور تم مسلمان۔

سالم۔ کیوں نہیں۔ مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ اگر تم عیسائی رہو تو میرا کیا نقصان اور تم سے حساب لینے والا میں کون؟ میری دوستی تم سے ہر حال میں رہے گی البتہ حق بات پر بنائے دوستی میں ضرور پیش کرتا رہوں گا اور تم سے درخواست کرتا ہوں گا کہ اس دور کی عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات کو بھی دیکھو۔ اگر اس میں تمہاری اچھائی اور نجات نظر آئے تو آنکھ بند کر کے اقتدار پسند پادریوں اور امرا کی عیسائیت پر نہ چلو۔ سچی عیسائیت اسلام ہی کی ایک شکل اولین تھی اور آج

کا اسلام اسی کا یعنی عیسائیت کا نقش ثانی ہے اور ظاہر ہے کہ نقش ثانی اول سے بہتر اور مکمل ہوتا ہے۔

اچھا میرے دوست آپ کی مجلس برخواست اب مجھے نماز پڑھنا ہے۔

جرجیس۔ کیا آپ لوگ، ہر جگہ اور ہر وقت نماز پڑھتے ہیں۔

سالم۔ ہاں! اللہ کو ہر جگہ یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کی عبادت ہر حال میں ہو سکتی ہے گرجا اور مسجد کی کوئی قید نہیں۔

ہماری عبادت وہ دن رات میں پانچ دفعہ ضروری ہے لیکن جب اور کوئی دنیاوی کام نہ ہو تو ایک سمجھدار انسان کو اپنا زیادہ وقت عبادت ہی میں صرف کرنا چاہیئے کیوں کہ عبادت سے خدا کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے اور خدا کا خوف گندے اور مجرمانہ خیالات اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی پر اکساتا ہے۔

جرجیس اٹھ کھڑا ہوا۔ بچے بڑے دوستی کے ساتھ اس نے سالم سے ہاتھ ملایا اور اپنے دوستوں کے پاس واپس آگیا۔

لیکن آج جرجیس خود اپنی نگاہ میں بہت بلند نظر آ رہا تھا۔ آج اس کی آنکھ کھل گئی تھی، وہ کچھ سوچنے پر مجبور تھا۔ آج اس کی نظر میں پہلی بار عیسائیت کی دیوار بالو اور پانی پر بنی ہوئی متزلزل نظر آ رہی تھی۔ امرا اس سے زیادہ مجرم اور ظالم نظر آ رہے تھے اور مذہبی رہنما اس سے زیادہ گندے اور بھیانک دکھائی دے رہے تھے اور گرجا جرم و گناہ کا ایک بھیانک تہ خانہ نظر آ رہا تھا۔

وہ اپنے دوستوں میں آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا اس کے ایک منہ لگے ساتھی نے کہا کہ ہم لوگ تو اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ تم جھڑک کر ہاتھا پائی شروع کر دو اور ہم آگر اس کا کچومر نکال دیں مگر تم تو ایسا گھل مل کر باتیں کرنے لگے جیسے تمہارا پرانا دوست

جرجیس کو اُس کی اِس بد تمیزی پر غصّہ تو بہت آیا۔ لیکن پیرا سے سالم کی بات یاد آگئی اور وہ خاموش رہا۔

ایک دوسرے نے کہا۔ آخر تم خاموش کیوں ہو، کیا تم اس سے دب گئے یا ڈر گئے

جرجیس۔ ہاں! لیکن میں اس سے نہیں بلکہ اس کی باتوں سے ڈر گیا ہوں۔ خداوند مسیح کی قسم اتنا کہ آج جرجیس بالکل ایک بچہ بن گیا ہے۔ ابتک میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ میرا دل دھڑک رہا ہے۔ یہ دیکھو دو ہی گھنٹوں میں میرا رنگ زرد پڑ گیا ہے

واقعی جرجیس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

ایک نے کہا۔

کچھ بتاؤ بھی اس مسلمان نوجوان سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟

اب جرجیس سنبھل کے بیٹھا اور ایک گلاس پانی کی فرمائش کی۔ دوستوں نے کہا کیوں نہ شراب کے چند گھونٹ لے لو تاکہ طبیعت بحال ہو جائے۔

جرجیس نے آج زندگی میں پہلی مرتبہ شراب سے انکار کر کے پانی کا اصرار کیا۔

پانی پی کر اس کی طبیعت ذرا سکون پذیر ہوئی تو اس نے حتی الامکان اپنی یادداشت کے مطابق باتوں کو دہرا دیا۔

اس کے تمام ساتھی حیرت سے گوش بر آواز ہو کر اس کی باتیں سنتے رہے اور کوشش کر رہے تھے کہ کوئی بات چھوٹنے نہ پائے۔

رات بھر جرجیس کی اپنے ساتھیوں سے باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے ساتھی بھی اسی کی طرح سرکش، ضدی، آوارہ مزاج، جرائم پسند تھے۔ لیکن یہ سب کے سب کسی نہ کسی طرح امرا کے دست تظلم کا شکار ہو کر جرائم پیشہ بنے تھے۔ مذہبی رہنماؤں نے زہد و ریاضت کے نام پر ان کو لوٹا تھا۔ ان کی حسین و جمیل بہو، بیٹیوں اور بہنوں کو کنواری مریم کے نام پر

نہیں بناکر اپنی آتشِ ہوس بجھائی تھی اور امرا کو ان کے خلاف اُکسا کر ان کے لئے قتل وقید کا فتویٰ دیا تھا۔

اس زمانے میں عیسائیوں کا عجب حال تھا غربا کی ان کی نگاہ میں کوئی عزت نہ تھی۔ تجار پر اتنے بھاری بھاری بے شمار ٹیکس تھے کہ ان کی دولت کا بڑا حصہ زمینداروں جاگیرداروں، نوابوں، حکام بالا دست وغیرہ کی جیبوں میں چلا جاتا۔ بے شمار جاگیردار نواب اور زمیندار تھے جو طرح طرح سے لوٹ کر رعایا اور دہقانیوں کو ہمیشہ اتنا کمزور بے بس رکھتے تھے کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں۔ کاشتکاروں اور پھل پیدا کرنے والوں کے لئے پیداوار کا تقریباً ایک چوتھائی سے بھی کم حصہ ان کا اپنا تھا اس میں سے بھی جرمانہ اور ٹیکس کے نام پر کچھ نہ کچھ وصول کر لیا جاتا۔ حکومت میں بھی یہی دخیل، معتمد اور مشیر تھے۔ سرکاری عملے اتنے راشی تھے کہ رعایا بے حد تنگ تھی۔ فوجیوں کی جابرانہ کاروائیاں اس درجہ بڑھی ہوئی تھیں کہ جس لڑکی اور عورت کو پسند کر لیتے دنیا کی کوئی طاقت ان کے ہاتھوں ان کی عزت نہیں بچا سکتی تھی۔ دن دہاڑے گھروں میں گھس جاتے راہ چلتے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیتے اور اگر بدقسمتی سے ان کے اعزا سد راہ ہوتے تو بے دریغ سنگینوں اور تلواروں کا شکار ہو جاتے، ان کی اپیل کہیں نہیں تھی۔ اگر وہ آگے بڑھتے تو امرا اور حکام ان پر الزامات لگا کر کچل دیتے۔ پادری سے انکے خلاف قتل کا فتویٰ لے لیا جاتا۔ خود پادریوں کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ امرا، حکام اور فوجیوں کو اپنے ہاتھ میں رکھیں کیونکہ انھیں کے بل بوتے پر انھوں نے گرجا کے قوانین بہت وسیع کر رکھے تھے۔ جب حسین عورت کو دیکھتے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ گرجا کے لئے منتخب کرنے کی نوٹس بھیج دیتے اگر کوئی اکڑ گیا اور اس نے گرجا میں اپنی عورت بیٹی یا بہن کو نہیں پہنچایا تو حکومت اور فوج سے نیکر

امرار و رؤ ساتک حرکت میں آ جاتے اور عبرتناک سزا دی جاتی پھر راہبر بنا کر گرجاؤں میں رکھی جاتیں چند ہی دنوں میں ان کا حسن کثرت ہوس سے ماند پڑ جاتا اور حرامی بچے گرجا کے تہ خانوں میں زندہ جلا دیئے جاتے یا دفن کر دیئے جاتے اکثر پادریوں میں بھی چپقلش چلتی رہتی یا پھر سب کے سب باہمی سمجھوتے کے مطابق سب پر ہاتھ صاف کرتے رہتے تھے۔

یوقنا کی سخت گیر حکومت میں بظاہر ان باتوں کی کمی تھی اور خاص حدود شہر میں یہ دھاندلی زیادہ نہ تھی تاہم اندرون ملک اور خود شہر میں اندرونی طور پر یہ سب کچھ دوسرے انداز میں ہوتا۔ یوقنا بھی ان باتوں سے آگاہ تھا۔ وہ خود بڑا ٹھوس تھا لیکن کھل کر وہ اس کا مکمل استیصال اس لئے نہ کر سکتا تھا کہ اگر یہ سب کے سب بگڑ جائیں گے تو ایک دن بھی اس کی حکومت باقی نہ رہے گی اور خود یوقنا کے خلاف کفر کا فتوے لگا دیں گے۔ البتہ یوحنا ایک خدا پرست اور ہر دلعزیز پادری تھا اس لیئے تمام پادری اس سے ڈرتے تھے اور یوقنا کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ یوقنا سے بھی پادری، امراء اور حکام بھی ڈرتے تھے اور اسی لئے یوقنا کو ہر لحظ اپنی حکومت کا خطرہ تھا۔

اسی قسم کے ناگفتہ بہ حالات نے سارے شام و روم میں خطرناک مجرموں کی پارٹیاں بنا دی تھیں۔ اگرچہ جرجیس ایک فوجی تھا۔ لیکن فوج میں بھرتی سے قبل اُسے اور اس کے خاندان والوں کو اسی قسم کے ناگفتہ بہ حالات سے گزرنا پڑا تھا۔ مجبوراً وہ جرائم اور ڈاکہ زنی کی دنیا میں آ کر بہت مشہور ہوا اور اس کا مقابلہ دشوار ہونے لگا۔ تب اس کو اور اس کے چند ساتھیوں کو پروانہ معافی عطا کر کے فوجی ملازمت کی پیشکش کی گئی۔ جرجیس فوج میں شامل ہو گیا۔ لیکن اس کو پھر بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا۔

اور سب اس کے ساتھ حقارت اور ذلت آمیز سلوک کرتے تھے۔ اس نے اس کو محسوس کیا تو بپھر گیا اور حلب پر مسلمانوں کے حملہ سے قبل اس نے پھر اپنی پارٹی کے آدمیوں کو ہموار کر کے بغاوت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن جلد ہی یہ راز فاش ہو گیا اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت جیل خانے میں پہنچا دیا گیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود وہ اب تک کٹر عیسائی تھا۔ اس کے باپ دادا عیسائی تھے۔ عیسائی ملک کا باشندہ تھا۔ اس نے عیسائیت کے سوا کچھ سوچا بھی نہ تھا لیکن آج سالم نے اسے ایک نئی مشعل دکھائی تھی اور کچھ اس طرح اس کی گھریلو زندگی اور عیسائیت کی نقاب کشائی کی تھی کہ سرکشی و تمرد اور مجرمانہ ذہنیت کے باوجود جیسے اس کے سامنے ایک بچے کی طرح کمزور اور لاجواب ہو کر رہ گیا اور جب اس نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ نہ صرف وہ بلکہ اس کی ساری قوم ایک بھیانک غار کے دہانے پر کھڑی ہے اور عوام کے سوا، امراء، حکام اور مذہبی رہنما سبھی سانپ، بچھو اور عفریت کی طرح ڈنک اٹھائے، پھن پھیلائے اور منہ کھولے ہوئے کھڑے ہیں۔

اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو متذکرہ افراد کے مقابلے میں یہ بالکل معصوم نظر آتے۔ اس کے دل نے آواز دی کہ یہ عیسائیت ڈھونگ ہے۔ اور نفس پرستوں، اقتدار پرستوں کی مطلب برآری کا مؤثر ذریعہ ہے۔ غریبوں کے لئے ایک خطرناک کلہاڑا ہے اس نے دنیا ہی میں غریبوں اور کمزوروں کے لئے ایک خطرناک جہنم تیار کر دیا ہے۔ موت اور ذلت کو ارزاں کر دیا ہے۔

رات بھر اس کے ساتھی ایک نئے ولولہ انگیز خیال کے تحت مباحثہ کرتے رہے آج ان کے قلوب کے لئے پہلی بار اطمینان و سکون کی ایک خوشگوار لہر آئی تھی اور انھوں نے پہلی بار محسوس کیا کہ ان کی انسانیت ابھی مردہ نہیں ہوئی ہے وہ اتنے پست

نہیں ہوتے ہیں کہ ان کو ابھرنے اور انسانیت کی صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہونے کا موقع نہ مل سکے۔

آج ان کے دل میں سچی حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ عیسائیت ان کی عزت، انسانیت شرافت کو کچل رہی ہے ان کے ملک کو لوٹ رہی ہے۔

رات بھر وہ نہیں سوتے سرگوشیاں کرتے رہے۔ آج ان کی انسانیت جاگ اٹھی تھی۔

صبح ہوتے ہی جرجیس اور اس کے پچیس ساتھی سالم کے پاس آئے۔ سالم نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا جس قدر قرآن مجید یاد تھا نہایت خوش الحانی سے پڑھ رہا تھا۔

جرجیس سے جیل کے تمام ملازمین ڈرتے تھے اس لئے اس سے بگاڑ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس کی نقل و حرکت سے حتی الامکان چشم پوشی کرتے تھے اسی لئے ان کی آمد میں کوئی مخل نہیں ہوا جس وقت وہ کمرے کے دروازے پر آئے تو سنا کہ سالم کچھ پڑھ رہا ہے۔ آواز بڑی پیاری معلوم ہوئی اور قرآن حکیم کے معجز نما کلام نے ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ چپکے سے بیٹھ گئے اور سالم قرآن شریف پڑھ رہا تھا کچھ دیر بعد فارغ ہوا تو اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اس کے بعد آنے والوں کی جانب مخاطب ہوا اور کہا۔

آؤ میرے بھائیو! تمہارا آنا مبارک ہو،

کہو، میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

جرجیس نے کہا۔

عربی برادر! ہم آپ کے پاس روحانی علاج کے لئے آئے ہیں۔ آپ ہم

سب کو مسلمان کر لیں۔

سالم کا دل اس بشارت سے خوش ہوگیا اور اس کا چہرہ چمکنے لگا۔

اس نے کہا۔

بھائی جرجیس، کیا آپ اور آپ کے ساتھی خوشی سے مسلمان ہونا چاہتے ہیں اور اسلام کو سمجھا بھی ہے۔

ممکن ہے اس میں میرا کچھ فائدہ ہو اور میں تم لوگوں سے اپنا کام نکالنے کے لئے اسلام کی خوبیاں اور عیسائیت کی برائیاں بیان کرتا ہوں۔

جرجیس۔ عربی برادر ہماری عیسائیت ایک مصیبت عظمیٰ بن گئی ہے۔ ہمارا ملک اور ہماری قوم اس کی بدولت تباہی میں ہے۔ دنیا ہمارے لئے جہنم بن چکی ہے اور ہم کو نجات کا راستہ نہیں بتاتی اسلام ہی حق ہے اسلام ہی خدا کا مذہب ہے اور اسلام ہی حضرت عیسیٰ کا دین رہا ہوگا۔

سالم۔ بے شک اسلام ہی حضرت آدم علیہ السلام کا مذہب تھا اور حضرت عیسیٰ کا بھی۔ پہلے اسلام کے معنی پر غور کر لو۔ اسلام کہتے ہیں سلامت روی کو یعنی ایسے راستے پر چلنا جس میں خود چلنے والا بھی محفوظ اور خوش رہے اور دوسرے جو لوگ بھی اس راہ میں چلنے والے ملیں اس سے بھی خوش رہیں اور ان کی حفاظت جان و مال ہو سکے۔ ظالم کو ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرنے لگے۔ لیکن اگر اس کی سرکشی اور اس کا ظلم اسے خدا سے باغی بنائے ہوئے ہو تو اس کا سر کچل دینا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص خدا سے باغی ہو جاتا ہے اس کے دل میں کوئی خوف نہیں ہوتا اور وہ ظلم و تمرد کی راہ میں روز بروز آگے بڑھتا جاتا ہے۔ سماج کے قانون کو کچلتا اور انسانیت کو روندتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اونچ نیچ کے ... فرق مٹا دیا جائے۔ کوئی شخص خدا کے سوا کسی انسانی ہستی یا عظیم

بے جان شے کے سامنے سر نہ جھکائے کیونکہ جو شخص خدا کے علاوہ کسی انسان کے سامنے سر جھکاتا ہے اس سے انسان میں تمرد اور سرکشی پیدا ہو جاتی ہے اور خود کو مافوق الفطرت سمجھ کر انسانیت کی تذلیل کرتا ہے اور سجدہ کرنے والا احساس کمتری میں مبتلا ہو کر دوسرے انسانوں کو بھی ذلیل سمجھنے لگتا ہے اور اگر کسی بے جان چیز مثلاً پتھر، پہاڑ، درخت، دریا، چاند، سورج، ستارے وغیرہ کو پوجتا ہے تو زندگی اور قوت انسانی کی اہمیت اس کی نگاہ میں کم ہو جاتی ہے اور وہ ان بے جانوں کو جانداروں پر ترجیح دے کر معاملات قدرت میں رخنہ ڈالتا ہے۔

اسلام امن و امان کا علمبردار ہے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ کفر و ضلالت، طغیانی و تمرد سے دنیا اور انسانوں میں جو بد امنی اور بے چینی پھیلی رہتی ہے اور بڑا چھوٹے کو کچلتا رہتا ہے تو کفر و ضلالت، طغیان و تمرد کو سرے سے مٹا دیا جائے تاکہ بد امنی کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔

اسلام زندگی کی ان قوتوں کو جگاتا ہے جن سے قومیں طاقت ور اور ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔ عرب کی سرزمین پر اسلام سے پہلے بت پرستی کے باعث بے چینی اور بے حیائی کا مرکز تھی۔ خانہ جنگی کا یہ عالم تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا جانی دشمن تھا اور ادنیٰ ادنیٰ سی جنگ صدیوں سے چلی آ رہی تھی اور نسلوں کے بعد نسلیں انتقام لینے کے لئے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتیں۔ ہر قبیلے کا ایک خدا جدا تھا اور دوسرے کے خدا کی تکذیب و توہین کرتا رہتا تھا جس سے جنگ کی آگ مشتعل ہوتی رہتی تھی۔ اسلام نے آتے ہی سب کو ایک خدا کے آگے جھکا دیا۔ تب فساد کی تمام جڑیں سوکھ گئیں اور بد امنی کے تمام سوتے خشک ہو گئے اور اب آپس میں اس قدر اتحاد و اتفاق ہے کہ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کے فلاں آخری گوشے میں ہمارا کوئی بھائی

مصیبت میں مبتلا ہے تو ہم میں سے ہر شخص سب سے پہلے اس کی مدد کیلئے چل کھڑا ہوتا ہے
اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ پہلے ہم جرم و گناہ
کے باعث موت سے ڈرتے اور کانپتے تھے اب ہم موت کو حقیقی زندگی سمجھ کر ہر وقت
اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کیونکہ اچھے اور نیک آدمی کی موت اس کی روحانی زندگی
کی معراج ہے۔

اور سنو! ہم کسی کو اپنا بادشاہ نہیں بناتے اور نہ ہم میں سے کوئی آدمی کسی
آدمی کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ ہمارے نبیؐ نے اس کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ ممانعت
فرمائی ہے اور کہا ہے کہ خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکو۔ ہم اپنے میں سے کسی بہت
ہی نیک اور خدا سے ڈرنے والے کو خلیفہ منتخب کر لیتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی
خدمت ایک سچے خادم کی طرح کرتا اور ایک عام آدمی کی طرح رہتا ہے۔ قومی روپیہ
بیت المال میں جمع رہتا ہے۔ بیت المال خلیفہ کے چارج میں رہتا ہے۔ لیکن خلیفہ کبھی ایک
حبّہ بھی اپنی ذات میں خرچ نہیں کرتا۔ وہ قوم کے لئے ہے۔ اس میں کبھی تالا یا کنڈی
نہیں لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں میں کوئی چور نہیں ہے۔

وہ چوری اور ڈاکہ زنی کر بھی نہیں سکتا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ اللہ ہر
حال میں اور ہر وقت نگراں ہے۔

ہمارے یہاں کوئی اوباش نہیں ہے۔ ہماری خواتین مردوں میں علانیہ نہیں
آتیں وہ پردہ کرتی ہیں اس لئے کبھی اتفاق سے کسی عورت پر کسی مرد کی نظر پڑ جاتی
ہے تو اسے اتفاقی حادثہ سمجھ کر خود مرد اپنی نگاہیں جھکاتا اور چراتا ہے اس میں بھی ہی
خوف خدا شامل ہے۔ ہمارے یہاں زانی اور زانیہ کو قتل و سنگسار کر دیا جاتا ہے۔
چور کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے تاکہ وہ دوبارہ چوری نہ کرے۔

پس اسلام کا حقیقی اور صحیح مقصد صرف یہ ہے کہ انسان آپس میں کامل اتفاق اور انسانیت کے ساتھ رہیں اور اپنے اخلاق و کردار سے انسانیت کو سربلند کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساری برائیاں خود ہی کوئی تائید نہ پاکر مٹ جائیں۔

ہماری لشکر کسی قوم پر ملک کی فتح اور سلطنت کی وسعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اس لئے ہے کہ خدا کا پیغام ان سرکش انسانوں تک پہونچا دیا جائے جنہوں نے ایک خدا کو چھوڑ کر ہزاروں خدا کی بندگی قبول کر لی ہے اور انسانیت کو درہم برہم کر رہے ہیں اور گناہوں سے دنیا کو بھر رہے ہیں۔

ہم وہی پیغام لے کر تم تک آئے ہیں۔ اگر تم انسانیت کو پسند کرتے ہو اور اپنی زندگی کو سدھارنا چاہتے ہو تو نیکی کی راہ چلو۔ نیکی کی تعلیم دو اور اپنے ملک میں گھر گھر نیکی اور پاکی پھیلا دو اگر تمہاری عیسائیت میں یہ نیکیاں ہیں تو خواہ تم عیسائی رہو یا کچھ اور ہم کو تمہارے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے ہم ایک بہتر اور اچھا آدمی سمجھ کر تم کو ہمیشہ بھائی سمجھیں گے اور تمہارے ملک سے واپس چلے جائیں گے اگر تمہاری عیسائیت میں مفاد پرستوں نے دخل دے کر ان نیکیوں کو کھو دیا ہے تو ضرور مسلمان ہو جاؤ جو انہیں نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے ہم تمہارا ملک اور تمہاری دولت تمہارے لئے چھوڑ کر دنیا کے کسی دوسرے حصے میں تبلیغ نیکی کے لئے چلے جائیں گے۔ ہمارا مذہب انسانیت کی تعلیم دیتا ہے دوسرے کے دین کا احترام سکھاتا ہے اور اپنے سے بڑوں کا لحاظ و ادب سکھاتا ہے۔

ہرجیس نے کہا:۔ بے شک آپ نے سچ کہا۔ ہم لوگوں نے رات بھر اس مسئلہ پر غور کیا اور خوب سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کر دینا چاہئے اب تک ہم لوگ تاریکی اور کفر ضلالت میں تھے۔ کسی نے ہماری سچی رہنمائی نہیں کی۔

ہمارا ماحول ہی ایسا بن کر رہ گیا ہے کہ جرم و گناہ بے حیائی اور برائی کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکیں جبکہ ہمارے بڑے اور دینی رہنما بھی وہی کچھ کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔
اب آئیے دیر نہ کیجئے اور جلد ہم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائیے۔

سالم کو بڑی مسرت ہوئی اس نے یکے بعد دیگرے سب کو مسلمان کر لیا اور وہ سب کے سب صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔

آج جرجیس اور اس کے ساتھیوں کے دل کو کامل اطمینان و سکون نصیب ہو گیا دو تین دن کے وقفے میں سالم نے دینیات کی ضروری اور بنیادی تعلیم ان کو دے دی۔ نماز پڑھنا سکھایا۔ قرآن شریف پڑھ کر سناتا اور عام فہم زبان میں مطلب سمجھاتا جاتا دو ہی چار روز میں جرجیس اور اس کے ساتھی سچے مسلمان بن گئے۔ اب ان کی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح جیل سے باہر نکل کر اس عام خدائی قانون کو اپنے ملکی بھائیوں تک پہونچاتے اور اسلام کی خدمت کرتے۔

دسواں باب

عرفجہ

سالم جب گرفتار ہو کر قلعہ حلب میں داخل ہو گیا تو اس کے ساتھیوں نے اور اسلامی لشکر نے بہت ڈھونڈا لیکن سالم کا پتہ نہ ملا۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلا کہ وہ جوش میں اپنے ساتھیوں اور عرفجہ سے بچھڑ کر دور تک دشمنوں کی صف میں گھستا چلا گیا تھا اور جہاں سے وہ غائب ہوا تھا وہاں اس سے کافی جنگ ہوئی تھی۔ پچاسوں عیسائیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اس وقت عرفجہ اس سے بہت دور تھے۔ سالم کی محبت نے ان کو بیقرار کر دیا۔ پیر غضب ہو کر انھوں نے عیسائی فوج پر حملہ کر دیا۔ ان کی تلوار زبردست کاٹ کرتی ہوئی اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ بجری کا رجسم میں بجلی بھر گئی اور عرفجہ نے جان پر کھیل کر ایک زبردست حملہ کیا لیکن افسوس ان کی محنت ناکام رہی اور وہ سالم تک نہ پہونچ سکے تا آنکہ مسلمانوں کی مدد آگئی اور یوقنا سالم کو گرفتار کر کے قلعہ میں گھس گیا۔

صورت حال یہ ہوئی تھی کہ اگرچہ یہ پچیس سپاہی سالم کی قیادت میں عیسائی لباس میں ملبوس تلاش میں نکلے تھے لیکن دشمن بھی غافل نہ تھے انھوں نے اپنے پیچھے ایک جاسوس چھوڑ رکھا تھا جو ان کے ساتھ لگا ہوا تھا اور جس وقت سالم اپنے ساتھیوں سمیت قلعہ کے قریب جنگل میں پہونچا تو اس نے راستہ کاٹا اور چور دروازے سے قلعہ میں داخل ہو گیا یوقنا نے سمجھا کہ ضرور انھیں مارلیں گے یا گرفتار کرلیں گے۔ اس لئے وہ فوراً پانچ ہزار کی جمعیت سے نکل کر حملہ آور ہوا۔

عرفجہ نے عیسائیوں کی ایک ایک لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا کہیں سالم نظر نہ آیا۔ تب سب نے اندازہ کر لیا کہ سالم کو زندہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ چونکہ امدادی دستہ میں

حضرت خالد ضرار اور حضرت ابو عبیدہ وغیرہ خود آئے تھے اسی لئے وہ لوگ بھی سالم کے لئے پریشان اور بے قرار تھے۔ سالم ایک ہونہار، قابل اور پُرجوش مجاہد کا بیٹا تھا۔ اس کے باپ عیسائیوں کی جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تھے اس لئے ہر شخص کو سالم سے محبت تھی۔ سالم شام کی دو تین جنگوں میں شرکت کر چکا تھا۔ اور حضرت خالد کے دوش بدوش لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ اسلامی لشکر کا بچہ بچہ سالم کو جانتا تھا اور سالم سے محبت کرتا تھا وہ اپنی والدہ کی ملاقات اور روضہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ چند روز کے لئے گیا تھا۔ یہاں سب لوگوں کو اس کا انتظار تھا وہ جانتے تھے کہ سالم نچلا بیٹھنے والا نہیں ہے وہ جلد سے جلد شوق جہاد کے ہاتھوں بے قرار ہو کر محاذ جنگ پر آئے گا۔

یہی ہوا بھی کہ سالم ہفتہ عشرہ سے زیادہ مدینہ میں نہ ٹھہرا اور یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ کوئی دوسرا امدادی دستہ جائے تو وہ روانہ ہو بلکہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین سے اجازت لی اور تن تنہا چل کھڑا ہوا۔ نہ تو سفر کی صعوبتیں خاطر میں لایا اور "وادی الموت" کے ریگزار سے ڈرا اور حضرت عاصم سے آکر مل گیا۔ رابعہ کی تلاش میں یہ صورت حال پیش آئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔

اس کی گرفتاری اور گمشدگی سے ہر شخص کو تشویش ہوئی ہر شخص غمگین ہو گیا۔ اور سب کو فکر لاحق ہو گئی کہ سالم کے متعلق کون سی کاروائی عمل میں لائی جائے۔

• جب عرفجہ تمام لاشوں کا جائزہ لے کر آئے تو حد درجہ ملول اور غمگین تھے۔ اگرچہ وہ سخت جہاد کر چکے تھے۔ عظیم لڑائی لڑ چکے تھے اور سالم تک پہنچنے کے لئے موت کی بازی لگا دی تھی۔ مگر پانچہزار کی جمعیت میں پچیس آدمی کیا کر سکتے تھے۔ یہ مسلمانوں ہی کا دل گردہ تھا اور یہ انہیں کی زرین تاریخ ہے وہ کم بیشی کی قطعی پروا نہیں کرتے پچیس

آدمیوں نے اس طرح جہاد کیا کہ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے اور رومہ لگ بھگ ایک ہزار سے زیادہ لاشیں چھوڑ کر فرار پہ مجبور ہوئے۔ یوں تو سالم کے تمام ساتھیوں نے حق سپہ گری ادا کر دیا۔ مگر سالم اور عرفجہ کا پلہ بہر حال بھاری رہا تنہا سالم نے دو سو سے زیادہ عیسائیوں کو مار دیا اور ان کے جسم پر چند خراشوں کے سوا کوئی گہرا زخم نہ آیا تھا۔ اس کے بعد عرفجہ کا نمبر تھا انہوں نے سالم کی محبت میں پُر زور حملے کئے اور اس تک پہونچنے کیلئے متواتر اور پیہم شدید حملے کئے ان کے حملے اتنے بے پناہ شدید تھے کہ سینکڑوں عیسائیوں کو خیار تر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ لیکن ان کے دل کا حوصلہ دل ہی میں رہ گیا۔ وہ سالم تک کسی طرح نہ پہونچ سکے۔ کمبخت عیسائیوں نے اس بری طرح ان کو نرغہ میں لے رکھا تھا کہ کسی طرح سالم تک انکو نہ پہنچنے دینا چاہتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ یہ دونوں مل گئے تو عیسائیوں کے قبضے میں آنا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے انھوں نے پوری جمعیت اور پوری کوشش کے ساتھ ان دونوں کو روک لیا۔ سالم تو گرفتار ہو گیا لیکن عرفجہ مارتے کاٹتے نرغہ سے نکل آئے اور اسی وقت مسلمانوں کی امداد آ گئی اور عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے۔

جب عرفجہ مغموم و نامراد حضرت خالد اور امین الامت کے پاس آئے تو حضرت خالد نے پوچھا۔

بھائی عرفجہ۔ سالم کا کچھ سراغ نہ ملا۔

عرفجہ۔ یا ابا خالد، میں بہت غمگین ہوں۔

حضرت خالد۔ بھائی عرفجہ، ہم سب سالم کے لئے غمگین ہیں لیکن مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آؤ ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور اسے ہم میں واپس لا کر ہم سب کے دلوں کو مسرور کرے سب

نے دعا کی اور حاضرین نے آمین کہی اس کے بعد عرفجہ نے کہا۔

یا امین الامت میری ایک درخواست ہے۔

حضرت ابو عبیدہ۔ کہو میرے بھائی عرفجہ کیا بات ہے۔

دیکھئے یہ تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں دیکھتے ہوئے صحابہ کرام کہ حضرت عرفجہ ایک خادم تھے۔ لیکن سب لوگ ان کو بھائی کہہ کر عزت و احترام سے مخاطب کرتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ لوگ بڑے منکسر المزاج اور نیک خو تھے ان کے دماغوں میں کوئی بُرائی نہ تھی۔

عرفجہ۔ یا امیر، آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں کس طرح قلعہ میں داخل ہو کر اور رابعہ کے متعلق پتہ لگانے کی کوشش کروں۔

ابو عبیدہ۔ بھائی عرفجہ، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ قلعہ میں داخلہ بہت آسان ہے۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی ایسی صورت نہیں ہے کہ تم قلعہ میں داخل ہو سکو۔ یوقنا بڑا چالاک اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔ اگرچہ اس قلعہ کے متعدد چور دروازے ہیں۔ لیکن وہ سب ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ان خفیہ راستوں کا پتہ لگانے کی کوشش کی مگر کوئی سبیل بن نہ پڑی۔

عرفجہ۔ یہ تو سچ ہے اور میں بھی سمجھتا ہوں کہ قلعہ حلب میں داخلہ آسان نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ خدا کوئی سبیل پیدا کر دے اس کے سامنے بڑی بات نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں قلعہ حلب میں داخل ہو جاؤں گا۔

ابو عبیدہ۔ تاہم میرا دل کسی طرح گوارہ نہیں کرتا کہ ایک موہوم امید کے پیش نظر میں تم کو اس کی اجازت دیدوں اور اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ گزند پہنچا تو میں خلیفہ کو کیا جواب دوں گا۔ وہ سخت باز پرس کریں گے۔

(حضرت خالد سے مخاطب ہو کر)

بابا یا خالد آپ کی کیا رائے ہے۔

حضرت خالد۔ کچھ دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ بھائی عرفجہ کو اجازت دیجیے ممکن ہے کہ قلعہ میں داخلہ کی کوئی صورت نکل آئے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے لئے بہت مفید ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے گا۔

عرفجہ بھی میری رائے بھی ہے۔ میں عیسائیوں کے لباس میں یہاں سے دور جا کر کسی نہ کسی نہج سے عیسائی دستے میں شامل ہو کر قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ میرے لئے کسی قدر آسان بھی ہے۔ اس لئے کہ میں پہلے عیسائی تھا۔ عیسائیوں کی بہت سی باتوں اور عادتوں سے واقف ہوں۔ میں ان کے پادریوں میں مل جانے کی کوشش کروں گا۔

ابو عبیدہ۔ اگر تمہاری یہی رائے ہے تو بسم اللہ جاؤ لیکن بہتر ہے کہ دو ایک روز آرام کر لو۔

عرفجہ۔ یا امیر! آپ اصرار نہ فرمائیے۔ سالم کی عدم موجودگی میں میرے لئے آرام ناممکن ہے اور اگر دو روز بھی میں رہ گیا تو میرا دماغ ماؤف ہو جائے گا۔

ابو عبیدہ اور حضرت خالد وغیرہ ان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور پھر امیر لشکر نے ان کو اجازت دے دی۔

عرفجہ ایک خیمہ میں گئے اور کچھ دیر تک رہ کر وہاں سے باہر نکلے تو پادریوں جیسا لباس پہنے ہوئے تھے۔ لمبی داڑھی منہ پر لگی ہوئی تھی سینہ پر صلیب آویزاں تھی کمر میں رسی بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک لمبی سی تسبیح تھی ان کا حلیہ اس طرح بدل گیا

تھا کہ جس نے دیکھا متحیر ہو گیا اور رات کو پہچان نہ سکا۔ عرفجہ اس طرح بڑھتے ہوئے
حضرت عبیداللہ کے پاس آئے حضرت ابو عبیدہ اٹھ کھڑے ہوئے انھوں نے سمجھا کہ حلب کا
کوئی پادری یوقنا کا بھیجا ہوا آیا ہے۔

عرفجہ نے کہا۔ یا امیر میں ہوں عرفجہ۔

ابو عبیدہ رضؓ۔ عرفجہ واہ بھائی خوب آپ نے بھیس بدلا ہے۔ میں تو آپ کو پہچان
ہی نہ سکا۔

عرفجہ۔ اس کے بغیر کام چلتا ہوا نظر بھی نہ آتا تھا۔

ابو عبیدہ رضؓ۔ بہرحال یہ بھیس خوب ہے۔ انشاء اللہ دشمن پہچان نہ سکیں گے۔

عرفجہ۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں مجھے
اپنے مقصد میں کامیاب کرے اور میں سالم اور رابعہ کے لئے کچھ کر سکوں۔

ابو عبیدہ رضؓ۔ انشاء اللہ تعالٰی وہ مسبب الاسباب ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

عرفجہ نے حضرت ابو عبیداللہ سے ایک خچر کی فرمائش کی جو پوری کر دی گئی اور
عرفجہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

انھوں نے دانستہ سیدھے راستوں کو چھوڑ دیا اور اندرون ملک بڑھتے ہوئے
چلے گئے۔ جب وہ حلب سے دو منزل کی دوری پر پہنچے تو اپنا راستہ بدلا اور ایک پہاڑی
موضع میں آکر قیام کیا اتفاق کی بات تھی کہ پہاڑ پر ایک چھوٹا سا گرجا بنا ہوا تھا جس میں
ایک بہت ہی ضعیف پادری رہا کرتا تھا۔ لوگ اس کے بجد معتقد تھے اور دور دور سے
اس کی زیارت کو آتے رہتے تھے اکثر یوحنا اور یوقنا بھی اس کی ملاقات کو آیا کرتے تھے
البتہ ادھر دوران جنگ میں وہ نہ آسکے لیکن اس پادری کو جس کا نام ارسوس تھا
یوحنا کے قتل کی اطلاع مل گئی تھی اگرچہ وہ کٹر عیسائی تھا اور اپنے عقیدہ کا بڑا پابند تھا

لیکن فطرتاً کشت و خون سے اسے بے حد نفرت تھی وہ جنگ و جدال کے خلاف تھا مگر جب سے مسلمانوں سے یوقنا کی جنگ چھڑ گئی تو وہ مجبور تھا اس نے اپنے یہاں آنے والوں اور رہنے والوں میں اس کی تبلیغ کی کہ یہ ملکی لڑائی ہے اس جنگ میں شرکت وطن کی خدمت اور محافظت ہے۔ تاہم یوحنا کے قتل کے بعد اس کے خیالات پلٹ گئے اسے قتل کے اسباب معلوم ہو چکے تھے کہ خود اس کے بھائی نے محض اس بنا پر پادری یوحنا کو قتل کر دیا ہے کہ وہ جنگ کے خلاف تھا۔

ارسوس جانتا تھا کہ یوحنا درجہ قابل احترام اور پرانی کتابوں کا زبردست عالم و فاضل تھا۔ موجودہ عیسائیت سے اس لئے اختلاف تھا کہ موجودہ دور میں سچی عیسائیت باقی نہیں رہ گئی ہے اور لوگ عیسائیت کے نام پر بے دین اور گمراہ ہو رہے ہیں اور زمانہ بھر کے عیب ان میں پیدا ہو گئے ہیں۔ بے حیائی چوری ڈاکہ زنی اور دوسرے بڑے بڑے جرائم کا بے دھڑک ارتکاب کرتے ہیں بڑے لوگوں میں تو ذرہ برابر عیسائیت باقی نہیں رہ گئی ہے اور وہ صرف اس لئے عیسائی رہ گئے ہیں کہ آزادی سے مجور اور شراب کا استعمال کرتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہ اور زنا کر کے محض پادری کے سامنے اعتراف جرم کر لینے سے معافی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کی غلط کارروائی سے لوگوں میں بدظنی پیدا ہو گئی ہے اور وہ کھلے بندوں گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس لئے یوحنا کے قتل اور قتل کے اسباب کو سن کر ارسوس بھی عیسائیت کے متعلق سوچنے پہ مجبور ہوا اور غور کرنے لگا کہ کیا یہ موجودہ عیسائیت سچا دین ہے اور وہی دین ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا تھا۔

یہ ایک فطرتی بات ہے کہ جب کسی تحریک کی بنا پر شکوک و ظن پیدا ہو جاتے ہیں تو وہ شکوک و ظنون بڑھتے۔۔ چلے جاتے ہیں شبہات کی آندھیاں اٹھنے لگی

ہیں، وہم و گمان کی بدلیاں افقِ خیال پر پھیلنے لگتی ہیں۔ ایک تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ پر مکڑی کے جالے تننے لگتے ہیں اور ہر پھر کر وہ انھیں خیالات کی بھول بھلیاں سا گیا پھنس کر رہ جاتا ہے۔

یہی حال ارسوس کا ہوا جب ایک بار شک و ظن پیدا ہو گیا تو اس نے ہزار یکسوئی کی تلاش کی، دل و دماغ کو ریاضت کی جکڑ بندیوں میں الجھا کر اس خیال کو ہٹانا چاہا۔ لیکن ناممکن ہوا۔ وہ کئی روز سے سو نہ سکا تھا۔ ساری ساری رات اسی ادھیڑ بُن میں گزرنے لگی۔ اب وہ اکثر آیندہ و روندہ سے کترانے لگا۔ بہت سے لوگوں سے ملاقات تک نہ کی اور لوگ مایوس ہو ہو کر واپس جانے لگے۔

کئی روز کے غور و خوض کے بعد اسے پھر پرانی کتابوں کے پڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور دو راتیں متواتر جاگ کر پہلی مرتبہ عیسائیت اور تعصب سے ہٹ کر اس نے ان کتابوں کو پڑھا تو اس کی عیسائیت متزلزل ہو کر رہ گئی لیکن ابھی نفس کی آفت کو قبول کرنے سے روک رہا تھا۔ فلسفہ نے دلائل اور براہین پیش کیے علم کی نئی راہ اور روشنی دکھائی پہلے جن ٹھوس حقیقتوں سے اس نے اپنی آنکھیں چرائی تھیں اب بھی سُرمۂ بصیرت بن کر نگاہوں میں جگہ پا رہی تھیں۔

اب وہ اس مرکز پر آکر ٹھہر گیا تھا جہاں علم و عقل اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی تھی بلکہ ایک مخلص رہبر یا کہ ایک دوست کی ضرورت تھی جو اسے اکسا کر علم و عقل کے تقاضوں کو پورا کر دیتا۔

غرضیکہ جب اس آبادی میں پہنچے تو انھیں دور سے پہاڑ پر وہ صومعہ نظر آیا۔ انھوں نے اپنے خچر کو آہستہ آہستہ اسی راہ پر ڈال دیا۔ خچر اپنے موٹے موٹے ٹاپوں سے پہاڑ کے نشیب و فراز کو روندتا ہوا صومعہ کے احاطہ میں داخل ہوا۔

عرفجہ نہایت اطمینان سے اترے صومعہ کے ایک چھوٹے سے اصطبل میں اٹھوں نے اپنے خچر کو باندھ دیا اس کے سامنے تھوڑا سا چارہ ڈال دیا اپنا مختصر سا بقچہ کھولا۔ زین اتاری اور صومعہ کی کنڈی کھٹکھٹائی ارسوس نے اگرچہ آجکل ملنا جلنا بہت کم کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس حد تک بد اخلاق بھی نہ ہوا تھا کہ ایک نو وارد سے ملنے میں بخل کرتا اس نے پھاٹک کی چھوٹی سی کھڑکی کھول کر دیکھا تو عرفجہ ایک بلند دری کی شکل میں سامنے کھڑے نظر آئے۔

ارسوس نے پھاٹک کھول دیا اور پادری کو دیکھ "خوش آمدید" کہا۔ عرفجہ نے مرحبا کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ارسوس نے بڑے تپاک سے ہاتھ ملا کر کہا آیئے۔ عرفجہ ساتھ ساتھ چل کر ارسوس کے حجرے میں پہونچے۔

ارسوس۔ آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

عرفجہ۔ میں بحرین سے آ رہا ہوں۔ عرفجہ عربی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ ارسوس نے پوچھا کہ وہاں کتنے دنوں سے قیام ہے۔ عرفجہ بہت عرصہ سے وہیں خدمت اور حق کی تبلیغ کر رہا ہوں۔

ارسوس اور اس سے پہلے۔

عرفجہ۔ بڑی طولانی داستان ہے جو مختصر لفظوں میں نہیں بیان کی جا سکتی۔ تاہم اتنا کہہ لینے دیجئے کہ اس سے پہلے کسی زمانہ میں، میں بحیرہ راہب کے کلیسا میں رہا کرتا تھا اور ان کا خاص خادم تھا۔ وہ راہب کے حکم کے مطابق میں ان کی زندگی ہی میں بحرین کی طرف چلا گیا تھا۔

ارسوس کے دل میں بحیرہ راہب کا نام سن کر عرفجہ کی بڑی عظمت پیدا ہوئی وہ سراپا انکسار بن گیا۔ اور بولا:

مبارک ہو آپ کی تشریف آوری۔ سب سے پہلے میں آپ کے غسل وغیرہ کا انتظام کر دوں۔ آپ دور سے سفر کر کے چلے آرہے ہیں۔

عرفجہ خاموش رہے۔

ارسوس نے اپنے خادم کو بلا کر ہدایت کی کہ مہمان کے غسل وغیرہ کا انتظام کر دو اور اس حجرے کے بغل میں جو حجرہ ہے اسے صاف کر کے بستر وغیرہ درست کر دو۔ خادم چلا گیا۔ عرفجہ جلد ہی تمام ضروریات سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد سادہ غذا ان کے سامنے پیش کی گئی۔ عرفجہ نے کھا پی کر اطمینان کر لیا تو پھر ارسوس کے حجرے میں آئے۔

ارسوس نے کہا کہ اگر آپ بہت زیادہ تھکے ماندے ہوں تو آرام کریں ورنہ کچھ باتیں کی جائیں۔

عرفجہ نے کہا کہ میں کچھ زیادہ تھکا ہوا نہیں ہوں راستہ میں قیام کرتا ہوا آیا ہوں اور کل شام کو میں قریب ہی کی ایک آبادی میں ایک کسان کے گھر مہمان رہا ہوں جس نے مجھے بہت آرام پہنچایا اسی سے آپ کی تعریف سن کر میں آپ کی ملاقات کے لئے چلا آیا۔ آپ کی ذرّہ نوازی کا شکریہ! میں اس قابل تو نہ تھا کہ حضرت بحیرہ راہب کے خادم خاص کا شرف میزبانی حاصل کرتا۔ لیکن یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے نوازا۔ عرفجہ نے کہا! ہمیں آپس میں کسی تکلیف کی ضرورت نہیں۔ میں ایک جگہ عرصہ تک کام کرتے کرتے اُکتا سا گیا تھا اور پھر ارض یروشلم وغیرہ کی زیارت کے شوق سے مجبور ہو کر اس طرف آنکلا اور خدا کا شکر ہے کہ حضرت مسیح کا کرم ہے کہ مجھے مقامات مقدسہ کی زیارت کا ایک بار پھر موقع ملا۔ تب میرے جی میں آئی کہ ارض شام کی بھی تھوڑی سی سیاحت کر لوں ممکن ہے کہ کچھ بندگان خدا سے ملاقات ہو جائے اور میرے دل بیقرار کو سکون مل جائے۔ بہت سے دینی بھائیوں سے ملتا ملاتا ہوا آپ تک پہنچ گیا ہوں

لیکن آہ! ارض شام اس وقت جنگ و جدل کا مرکز محاذ بنا ہوا ہے۔ قلعہ حلب کے متعلق سنا ہے کہ محصور ہے حالانکہ میری بڑی تمنا تھی کہ میں شہر کو ایک نظر دیکھ لیتا اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ یہی میرا آبائی مولد و مسکن تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ میرے والدین زندہ تھے اور تجارت میں ممتاز۔ مجھے بچپن ہی سے دینیات کا شوق تھا جو کشاں کشاں حضرت بحیرہ راہب تک لے گیا اور آج ایک مدت دراز کے بعد میں حلب میں داخل ہونے کی تمنا لے کر آیا تو دیکھتا ہوں کہ بظاہر کوئی صورت داخلہ کی نہیں۔

افسوس۔ یہ صحیح ہے کہ ارض شام اس وقت محاذ جنگ بنا ہوا ہے۔ لیکن آپ کے داخلہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ آپ ضرور اپنے وطن مالوف کو دیکھیں گے میں کوشش کروں گا کہ یوقنا کا کوئی دستہ جو فراہمی رسد کے لیے مامور ہو اس کے ساتھ آپ کو حلب میں بھیج دوں۔

عرفجہ۔ (مجھے تو شوق ہی تھا) جب تو یہ آپ کی بہت بڑی نوازش ہو گی بے شک مسلمان اس ملک میں حملہ آور کی حیثیت رکھتے ہیں اور سچے عیسائی کی حیثیت سے میں اس حملہ کو ناپسند کرتا ہوں۔ لیکن آپ برا نہ مانیں تو ارض شام میں عیسائیت کا جو حال میں نے دیکھا ہے اس کے متعلق کہنے دیجیے کہ بہت افسوس ناک ہے۔ غربا میں کسی قدر مذہب ہے بھی اور ان کے دلوں میں خوف خدا بھی ہے لیکن امرا اور عوام کی بہت بڑی آبادی ہزار ہا گناہوں اور جرائم میں گھری ہوئی ہے۔ اور اس نے برائیوں کا نام عیسائیت رکھ چھوڑا ہے۔ یہی دیکھ لیجیے کہ یوقنا نے اپنے بھائی حضرت یوحنا کو جو ایک بڑے پایہ کے سچے عیسائی تھے اپنے مفاد اور اقتدار کے لیے یہ الزام لگا کر شہید کر دیا کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ کم از کم میں نے لوگوں کی زبانی یہی سنا ہے۔ باقی اللہ

بہتر جانتا ہے اگر ایسا ہے تو یہ حادثۂ عظیم ہے اور عیسائیت عیسائیوں کے ہاتھوں خطر میں ہے اگر معاملات اس کے برعکس ہیں تو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے کچھ آپ روشنی ڈالیئے۔

ارسوس۔ میرے محترم بھائی یہ تو آپ نے بالکل سچ کہا کہ کم از کم ارض شام میں سچی عیسائیت کا وجود بالکل ہی نہیں ہے اور مجھے بھی یہی حالات دیکھ کر دکھ ہوتا ہے اور یوحنا کی شہادت کے متعلق میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ کا ہے اس لئے میں موجودہ حالات سے بہت بددل ہوں۔

عرفجہ۔ آپ نے کچھ پچھلی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔

ارسوس۔ سالہا سال سے میں نے ان کو دیکھا تک نہ تھا۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات کی بناء پر ادھر کئی روز سے میں نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے ان کتابوں کو دوبارہ غور سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور مسلسل دیکھ رہا ہوں

عرفجہ۔ تو آپ کسی نتیجہ پر پہنچے۔

ارسوس۔ نتیجہ تک تو نہیں پہنچ سکا لیکن شکوک و ظنون میں مبتلا ہو گیا۔

عرفجہ۔ شکوک و ظنون اور عیسائیت کے متعلق؟

ارسوس۔ ہاں میرے بھائی۔ میری حق بیانی کو معاف کرو۔ آج کل میں عیسائیت کی جانب سے شک و ظن میں مبتلا ہو گیا ہوں اور شک و ظن قوم کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ اگر آپ میری تشفی کر سکتے ہوں تو مہربانی ہوگی ورنہ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ میں بہت بددل اور اپنی نجات کی جانب سے مایوس ہو گیا ہوں۔ خدا میری عاقبت پر رحم کرے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو میری باتیں ناگوار معلوم ہوتی ہوں اور آپ مجھ پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیں۔ میں اپنے قلب

کی حالت کیا بتاؤں؟ باطن کی آواز کو چھپانا اور ضمیر کے تقاضوں کو پوشیدہ رکھنا انسانیت سے منافی سمجھتا ہوں۔ ناحق جہاں بھی ہو ٹھکرا دینے کی چیز ہے اور حق جہاں بھی ہو قبول کر لینے کی بات ہے۔ غالباً علمی اصطلاح میں انسان کی انانیت اسی کا نام ہے کہ وہ حق کو قبول نہ کر کے تکفیر کرتا ہے۔

میرے محترم بھائی! انسانوں کا باوا آدم شیطان کے پھندے میں پھنس کر جنت سے نکالا گیا تو اس نے پردۂ زمین پر اپنی دانش و حکمت سے جنت بنالی۔ یہ جنت اس وقت تک قائم رہی جب تک علم و دانش کے ساتھ ایمان و ایقان بھی باقی رہا۔ مگر جوں ہی انسانوں نے شیطان کی سرکشی سیکھ لی تو بنی آدم ہی شیطان مجسم بن کر رہ گئے۔ اور ان شیطانوں نے جنت ارض کو جہنم زار بنا کر چھوڑ دیا۔ آج انسانوں کے قلب و جگر وسواس و شبہات کے گھر بن گئے ہیں۔ وساوس اور شبہات کا محرک شیطان ہو یا خود انسان کا نفس۔ اگر آغاز ہی میں انسان تمردانہ سرکشی کی راہ چھوڑ کر روحانیت اور انسانیت کی راہ اختیار کرے تو قدرت اس کی رہنمائی خود کرتی ہے اور انسان فرشتوں کی راہ پر لگ جاتا ہے۔ اور اگر ناقص جذبات دلائل و براہین کا سہارا لینے پر اکسائیں تو انسان کرۂ بہیمیت سے گر کر عزازیلیت پر فائز ہو جاتا ہے۔ نفس انسانیت کی اسی گراوٹ کو روکنے کے لیے قدرت کاملہ نے ایک طرف انسانوں میں قوت شعور و تمیز بخشی علم و عقل کی قندیل دی اور دوسری جانب اپنی پیاری مخلوقات کی ترقی پسندانہ بقائے حیات اور فرشتگانہ نجات و برکات کے لیے ہر دور میں نئے رسول اور پیغمبر بھیجے اور ان میں کچھ خاص قوتیں اور علامتیں ایسی رکھ دیں کہ وہ لاکھوں میں ممیز و متعارف ہو کر انسانیت اور سماج کی خدمت کرتے رہے، عبد و معبود کا رشتہ بتا کر توحید کا درس دیتے رہے

اور بھولے ہوئے لوگوں کو نیک راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ اگر تم غور کرو تو دونوں قسم کے بندے عموماً ایک ساتھ ہوتے آئے ہیں۔ مثلاً فرعون کی فرعونیت شباب پر تھی تو حضرت موسےٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی تشریف آوری ہوئی اور فرعونیت اسی دریائے نیل میں غرق ہو کر رہ گئی جس میں موسیٰ کی جلالت ابھر رہی تھی۔

نمرود کی سرکشی کے مقابل حضرت ابراہیم کی خلت تھی۔ باطل کی آگ حق کی آنچ کے سامنے گلزار بن کر رہ گئی۔ شداد کی جنت کا پھاٹک شداد کے لیے موت کا دروازہ بن کر رہ گیا اور ہیروڈ کی صیہونیت نے عیسیٰ مسیح کو صلیب پر نہیں لٹکایا بلکہ یہودیت کو پھانسی دے دی۔

پس اگر انسان میں عقل و تمیز ہو اور وہ نفسانیات کا رخ تلاش حق کی طرف موڑ دے تو میرا یقین ہے کہ انسان کبھی گمراہ نہ ہوگا۔

بے شک میں اس وقت شکوک و ظنوں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ مگر میرا نفس تمرد و سرکشی کی طرف مجھے نہیں لے جا رہا ہے بلکہ میں تلاش حق میں ہوں۔ اگر آپ مجھ سے برہم ہونے کی بجائے مجھے سیدھی راہ دکھائیں اور کوئی مفید مشورہ دے سکیں تو میں آپ کی اس رہبری کا ممنون ہوگا۔ یا آپ ایسے دلائل پیش کریں کہ میرے شکوک رفع ہو جائیں اور میں دوبارہ علیسائیت پر جم جاؤں۔

عمر مجہ نے اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اچھے وقت پر یہاں آئے۔

عمر مجہ خاموشی کے ساتھ ارسوس کی گفتگو سنتے رہے۔

ارسوس نے کہا۔

میرے دینی بھائی! آپ خاموش ہیں۔ شاید آپ میری بے دینی کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آہ! ایسا نہ کیجئے ورنہ میں خود اپنی نگاہوں میں سبک

ہو کر رہ جاؤں گا۔ میں آپ سے اپنی تشفی چاہتا ہوں۔

عمر فجہ۔ محترم پادری! پہلے یہ بتائیے کہ میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

ارسوس۔ میں آپ کے متعلق نیک رائے رکھتا ہوں۔ صرف اس بنا پر کہ آپ نے حضرت بحیرہ راہب کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ بحیرہ راہب اپنے وقت کے مسلم الثبوت محقق اور ذی مرتبہ پادری تھے۔ اگرچہ عام طور پر ارض شام اور روم کے پادری حضرت بحیرہ راہب سے مشکوک اور بدظن ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسائیت کا ایک بہت بڑا رکن اخیر وقت میں مسلمان ہو گیا تھا۔ آپ تو ساتھ رہے۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ کہاں تک یہ بات صحیح ہے۔ اگر واقعی وہ مسلمان ہو گئے تھے تو آپ بتائیں؟ اور میں سمجھنے کی کوشش کروں کہ عیسائیت کا ایک عظیم ستون بغیر کسی روشنی کے مسلمان تو نہ ہوا ہوگا اور جب بحیرہ راہب مسلمان ہو گئے تھے تو یقیناً دین اسلام حق معلوم ہوتا ہے اور عرب کے نبی جن کو ہم عیسائی خود ساختہ قرار دیتے آئے ہیں تو یقیناً وہ نبی آخرالزماں ہوں گے جن کے متعلق تمام کتب آسمانی نے پیش گوئی کی ہے اور آج کی دنیا میں مسلمان ہی وہ قوم ہو سکتی ہے جو حق پر ہے اور سیدھی راہ پر ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا نہیں تو سنا ضرور ہے کہ وہ شراب، سور، زنا، چوری، غارت گری اور دوسرے افعال سے سخت پرہیز کرتے ہیں۔ نماز ہر جگہ وقت پر ادا کرتے ہیں۔ ان میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ کوئی بڑا، نہ غلام ہے نہ آقا۔ نہ پادری ہے نہ خانقاہی۔ ان کا کوئی مذہبی آدمی عام دنیادار سے الگ نہیں یہاں تک کہ ان کا خلیفہ بھی عام آدمیوں سے جدا نہیں وہ خدا کی خدائی میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور رسول کے مرتبے کو خدا سے نہیں بڑھاتے۔ کسی ولی یا شخصیت کو رسول کے برابر نہیں کرتے

آپ تو سیاح ہیں اگر مسلمانوں کے متعلق آپ کی کچھ معلومات ہوں تو بیان فرمائیے تاکہ میں کوئی نتیجہ اخذ کر سکوں۔

آپ کو خبر تو ضرور گزر رہا ہوگا کہ نہ جانے کس سر پھرے ملاقات ہو گئی جس نے غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں چھیڑ دیں۔ مگر بھائی جان! یہ باتیں میرے لئے بہت ضروری ہیں۔ کیونکہ آج کل میں یہی کچھ سوچتا رہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میری قوم اور قوم کے پادریوں کو اگر اس کی خبر ہو جائے گی تو حضرت یوحنا کی طرح مجھے بھی کوئی میرا ہی بھائی قتل کر دے گا یا پھانسی پر لٹکا دیگا۔ مگر آجکل مجھے اپنی جان کی قطعی پروا نہیں ہے۔

حضرت عرفجہ حیرت اور تعجب سے ارسوس کی باتیں سن رہے تھے کہ کس طرح ایک کٹر عیسائی کی قلب ماہیت ہو رہی ہے اور وہ کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان کے نورانی احاطہ میں داخل ہو رہا ہے۔

آخر کار عرفجہ نے قفل خاموشی توڑا اور ارسوس کو مخاطب کر کے کہا۔

آپ نے اپنی گفتگو کو اس منزل پر پہنچا دیا ہے کہ اب مجھے تمام خوف و خطر کو دل سے نکال کر صحیح صورت حال پر گفتگو کرنی چاہئے۔

ابھی آپ نے حضرت بحیرہ راہب کے متعلق مجھ سے دریافت کیا ہے تو سنئے۔ میں ان کے پاس عمر کے اس حصہ میں تھا جو آغاز شباب سے بہت پہلے کا ہوتا ہے یعنی میں اپنے مذہبی اور دینی شوق میں ان کے پاس بارہ تیرہ سال کی عمر میں گیا تھا اور چند سال ان کی خدمت میں رہا۔ لیکن انہی چند سالوں میں جو میری زندگی کے بڑے قیمتی سال تھے۔ میں نے حسب استعداد معلوم کر لیا کہ حضرت بحیرہ کا کیا مرتبہ ہے۔ بہر حال یہ مجھی پر موقوف نہیں ساری دنیا جانتی ہے کہ بحیرہ راہب علمی تبحر

اور دینی تفکر کے اعتبار سے کتنی بلند شخصیت رکھتے تھے اور عبرانی اور لاطینی زبانوں کے بڑے ماہر تھے اور عربی کے زبردست عالم تھے۔ انھوں نے مذاہب عالم اور ادیان امم کا مطالعہ کیا تھا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ نبی آخرالزماں تشریف لانے والے ہیں اور جن کے نام مختلف ہیں۔ تقریباً تمام پیغمبروں نے ان کی آمد کی خبر دی ہے۔ چنانچہ توریت، انجیل اور زبور میں بھی ان کے نام نامی موجود تھے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ سرزمین عرب سے وہ آفتاب نبوت طلوع ہوگا۔ لہٰذا اس سے واقف ہو جانے کے بعد بڑی بے تابی سے پیغمبر آخرالزماں کے منتظر تھے۔ کیونکہ ان کے علم نے ان کو بتا دیا تھا کہ عنقریب وہ آفتاب رسالت طلوع ہونے والا ہے اور اس کا نور فاران کی چوٹیوں سے ظاہر ہو کر اکناف عالم کو منور کر دے گا۔

چنانچہ حضرت بحیرہ راہب کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور ان کے تین منتخب ساتھی جن میں سے ایک حضرت سلمان فارسی تھے وہ بھی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ حضرت بحیرہ راہب نے اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ نئے نبی کی رسالت کا اقرار کر لیں کیونکہ جب کوئی نیا نبی آجاتا ہے تو پرانے نبی کا دین منسوخ ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کا دین حضرت عیسیٰ کی آمد کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ افسوس کہ حضرت عیسیٰ کے دین پر گیارہ آدمیوں کے سوا دوسرے قائم نہیں رہے اور ان گیارہ میں سے بھی نو مشکوک ہیں۔ صرف ایک یا دو اس دین پر قائم رہے۔

موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ کا دین نہیں ہے۔ یہ ان سیاسیوں، مدبروں اور اقتدار پسندوں کا دین ہے جو مشرق سے مغرب تک اپنی حکومت اور اپنا اقتدار دیکھنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے طرح

طرح کی باتیں بنائی گئیں۔ خود ساختہ قوانین کو دین عیسٰی قرار دیا گیا اور یہاں تک کہ خود حضرت عیسٰیؑ پر بہتان عظیم لگا یا گیا یعنی اللہ کے ایک خاص الخاص مقبول بندے کو اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا اور ان کو خدائی میں شریک کر لیا گیا حضرت عیسٰی کی تعلیمات سے اشارۃً بھی کہیں اس کا نشان نہیں ملتا کہ انھوں نے خود کو خدا کا بیٹا کہا ہو۔ اگر انھیں اس بنا پر خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کنواری تھیں جن کے بطن سے حضرت عیسٰیؑ پیدا ہوئے تو قدرت کاملہ کے سامنے یہ کوئی بات نہیں تھی۔ جبکہ اس نے خمیر آب و گل سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور حضرت آدم کی پسلی سے حضرت حوا کو نکالا۔ یہ حقیقت تو عقل سلیم کے لئے دعوت فکر ہے کہ قدرت کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ اس نے بشریت کے ایک قانون اور ضابطہ کو شکست کر کے تولید و تناسل کے مخصوص طریقے کے علاوہ زن و شو کے اتصال باہمی کے بغیر ایک کنواری پاک دامن دوشیزہ کے بطن سے اپنے جلیل القدر نبی کو پیدا کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی خدا کے بیٹے تھے۔ خدا تو لم یلد ولم یولد ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا۔ غضب تو یہ کیا گیا ہے کہ باپ بیٹے کے علاوہ روح القدس کو بھی اس میں گھسیٹ لیا گیا ہے۔ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کا نیا فلسفہ ڈھالا گیا اور اہل علم کو فریب اور گمراہی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت عیسٰی کے دین پر چلنے کا دعوٰے کرنے والوں نے شراب اور سور جیسی فاسد اور ناپاک چیزوں کو اپنے لئے شیر مادر کی طرح حلال کر لیا۔ حالانکہ شراب نہایت گندی، ام الخبائث یعنی تمام گمراہیوں اور گناہوں کی ماں ہے۔ جس مذہب میں شراب پانی سے زیادہ استعمال کی جاتی

ہو اور جس کے رہنما اور پادری بھی اسے استعمال کرتے ہوئے نہ شرمائیں تو عقل و ہوش اسماعیات کو کیونکر تسلیم کرلے کہ موجودہ عیسائیت دینِ حق ہے۔ حضرت عیسےٰ کا دین حضرت عیسیٰ و یوحنا تک محدود و موجود تھا۔ کوئی بنیادِ عیسائی نہ اس وقت موجود تھا اور نہ آج ہے اور یہ وہ دین ہے جس کے قوانین وضع پطلے کی تدوین حضرت عیسیٰ کے تین سو سال بعد ہوئی تھی۔

حضرت بحیرہ راہب پر یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو چکی تھی اس لئے وہ اسلام قبول کر کے مرے اور ان کے تینوں ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت سلمان فارسی تو مدینہ منورہ چلے گئے اور آج ان کا شمار نبی آخرالزماں کے زبردست صحابیوں میں ہے۔

بھائی ارسوس میں مسلمانوں سے بہت زیادہ واقف ہوں۔ میں نے ان کو نزدیک سے بھی دیکھا ہے اور دور سے بھی۔ میں نے نبی آخرالزماں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے صحابہ کرام کو بھی۔ میں عہد نبوت کے آغاز سے مدینہ منورہ میں رہا ہوں اور آج تک ہوں۔

ارسوس۔ دگھبراکر) آپ تو کہہ رہے تھے کہ میں بحرین میں رہتا تھا۔ اور بظاہر آپ پادری معلوم ہوتے ہیں۔

عرمجہ۔ ہاں میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ میں عیسائی تھا۔ عرب عیسائی۔ میرے والدین حلب ہی میں تجارت کرتے اور بودوباش رکھتے تھے۔ مجھے دینی تعلیم کے شوق نے گھر سے نکالا اور بصرہ پہنچ کر حضرت بحیرہ راہب کا خادم بن گیا۔ ان کے انتقال کے بعد میں کم عمری ہی میں بحرین چلا گیا۔ ایک عرصہ تک تبلیغی کام کرتے کرتے میں غلامی میں مبتلا ہو گیا جس کا تذکرہ یہاں غیر ضروری ہے اور اسی

غلامی کی حالت ہی میں عرب میں لایا گیا اور خوبی قسمت سے حضرت سلمان فارسی سے ملاقات ہوگئی۔ اب مجھ میں بحث کی آگئی تھی۔ فلسفہ دینیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا حضرت بحیرہ راہب کی تعلیمات کے اثرات سے میں اسلام کی طرف مائل تو تھا۔ لیکن میرے باقی تمام تشکیک و شبہات حضرت سلمان فارسی نے رفع کیے اور میں نے اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ مسلمان ہو جاؤں۔ اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے بعد پہلی برکت یہ نصیب ہوئی کہ میں آزاد ہوگیا۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جس ظالم یہودی نے مجھے غلام بنالیا تھا اس کے پنجۂ ستم سے نکل کر جب میں سالم کے باپ کی غلامی میں آیا تو میری دنیا بدل چکی تھی مسلمانوں میں طبقاتی حیثیت سے کوئی غلام نہیں البتہ مذہبی تفریق ضرور ہے تاہم میرا آقا بڑا فیاض حلیم اور خوش مزاج تھا وہ حضرت رسول صلعم کے مشہور صحابی تھے انھوں نے کبھی مجھ پر سختی نہ کی، سخت وسست نہ کہا۔ کوئی تکلیف نہ دی۔ میری قوت سے زیادہ کام نہ لیا۔ وہ میرے ہر کام میں میرا ہاتھ بٹاتے اور مجھے ہر طرح کی آزادی تھی۔ اور اسی سے فائدہ اٹھا کر میں نے عام مسلمانوں کے غلاموں سے تبادلۂ خیال کیا اور ان کو بہر حال مطمئن اور مسرور پایا۔ یہاں تک کہ مذہب کے معاملے میں بھی کوئی جبر نہ تھا۔ میں نے کسی مسلمان کو بد اخلاق اور بد مزاج نہ پایا۔ اور ہر طرح کی چھان بین کے بعد میں مسلمان ہوگیا۔ میں نے حضرت رسولؐ اور ان کے زمانۂ مبارک کو دیکھا۔ مسلمانوں کی معاشرت کو آزمانے کا موقع ملا۔ اور اب میں ان کے ایک دینی بھائی کی حیثیت سے مساوی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں آزاد ہو کر بھی اپنے آقا اور دینی بھائی سے جدا نہ ہوا، ان کا گھر میرا گھر ہے۔ رسول صلعم کی تعلیم اور اپنے دینی بھائی کے مشورے سے میں نے ایک عرب خاتون سے شادی کرلی تھی اور اپنے آقا کے گھر میں اپنے گھر کی طرح رہ رہا تھا۔ چند سال کے بعد میری بیوی لاولد مر گئی، لیکن میں نے دوسری شادی نہ کی۔ آقا کے مرنے کے بعد ان کے گھر کا سارا نظم و نسق میرے ہاتھ

میں ہے۔ ان کا لڑکا سالم جسے میں نے گود یوں کھلایا ہے۔ باپ ہی کے برابر میرا احترام کرتا اور حد درجہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میرا اعتماد کرتا ہے اور میرے کسی کام میں دخل نہیں دیتا اور "عم محترم" کہکر خطاب کرتا ہے۔ سارے مسلمان مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ خود حضرت خلیفہ بھی مجھ پر بے حد شفقت رکھتے ہیں اور ہر غلام کے ساتھ ان کے آقاؤں کا وہی سلوک ہے اور کوئی کسی کو حقیر نہیں سمجھتا اور بوقت ضرورت غلاموں کو بھی سالار فوج وغیرہ کے عہدے اسی طرح ملتے ہیں جس طرح دوسروں کو۔

ارسوس۔ سخت حیران تھا کہ میں کیا سن رہا ہوں۔ میں جس کو ایک عیسائی اور پادری سمجھ رہا تھا وہ نہ پادری ہے اور نہ عیسائی۔ بلکہ مسلمان نکلا۔ ارسوس اپنے دل میں کچھ سوچنے لگا۔

عرفجہ بولے۔ بھائی ارسوس! یہ میرا موجودہ بھیس اس وقت آپ کو شک و شبہ میں یقیناً مبتلا کر رہا ہوگا۔ لیکن اب جبکہ حقیقت بیانی پر میں مجبور ہو چکا تو آیئے لگے ہاتھوں میں اس کا سبب بھی بتا دوں۔

در اصل اس وقت اس بھیس بدلنے میں میرا کوئی سیاسی مفاد نہیں ہے اور نہ کسی کی ذات کو دھوکا دینا ہے۔ ہاں اپنی خاص غرض ضرور ہے۔ اگر وہ ضرورت آپ کی امداد سے پوری ہو جائے تو نہ صرف مجھ پر بلکہ تمام مسلمانوں پر آپ کا احسان ہوگا۔

قصہ یہ ہے کہ میں نے ابھی برسبیل تذکرہ آپ سے کہا تھا کہ میں... حضرت رسول صلعم کے ایک معزز صحابی کے دینی بھائی کی حیثیت سے ان کے گھر کا سارا نظم و نسق چلا رہا ہوں۔ وہ صحابی عیسائیوں کی ایک جنگ میں شہید ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک لڑکا ہے جس کا نام سالم ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ وہ ایک سعادت مند، صالح اور پرجوش نوجوان ہے۔ بڑا مقرر اور سحر بیان ہے اس کی تعلیم

معقول ہوئی ہے اور دینی معلومات بے حد وسیع ہیں۔ کئی جنگوں میں شریک ہو چکا ہے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ وہ اپنی ماں کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ گیا تھا۔ چند روز رہ کر تنہا پھر جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ راہ میں اس امدادی دستہ کا ساتھ ہو گیا۔ جو مشہور صحابی حضرت عاصم کی قیادت میں حلب کی طرف آ رہا تھا۔

قلعہ سے ایک منزل کی دوری پر حضرت عاصم کی ایک نوخیز لڑکی کو اغوا کر لیا گیا۔ سالم اور ہم ۲۵ آدمیوں کے ہمراہ اس کی تلاش میں چل کر قلعہ حلب کے سامنے پہنچے تو پتہ چلا کہ جرجیس نامی ایک سالارِ لشکر نے یہ حرکت کی ہے اور ابھی ابھی اس لڑکی کو لے کر قلعہ حلب میں داخل ہوا ہے۔ ابھی ہم لوگ قلعہ حلب سے کچھ فاصلے ہی پر تھے کہ یوقنا پانچہزار کی جمعیت لے کر ہم ۲۵ آدمیوں پر حملہ آور ہوا۔ اس دستہ کی قیادت سالم نے کی۔ اس جنگ میں تقریباً ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن کوئی بھی مسلمان شہید نہ ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں کی مدد آ گئی اور یوقنا سالم کو گرفتار کر کے قلعہ میں گھس گیا۔ اس طرح ایک مسلم خاتون اور ایک مسلم نوجوان قلعہ میں پہنچ کر نہ جانے کن مصائب میں مبتلا ہیں میں اسی تعلق قلبی کی بنا پر بے حد پریشاں ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ قلعہ میں کسی طرح داخل ہونے کی کوشش کروں، اگر ممکن ہو تو ان کی رہائی کی سبیل نکالوں ورنہ کم سے کم ان کی خیریت معلوم کر کے مسلمانوں کو ان دونوں کی جانب سے مطمئن کر دوں۔

ارسوس غور سے یہ قصہ سنتا رہا۔ جب حضرت عرفجہ خاموش ہو کر اس کا منہ تکنے لگے تو ارسوس نے کہا۔

سب سے پہلے آپ اپنا نام بتائیے!

عرفجہ، میرا نام عرفجہ ہے۔ عیسائیت میں بھی میرا یہی نام تھا اور اسلام میں بھی میرا نام یہی ہے۔

"مسلمانوں کو آپ نے کیسا پایا؟"

عرض کیا۔ بھائی ارسوس، یوں تو میں آپ کے سامنے ہزارہا علمی دلائل سے دین اسلام کو برحق ثابت کر سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس کی چنداں ضرورت نہیں۔

مجھے اسلام سے روشناس کرانے والے حضرت بحیرہ راہب تھے اور جب میں مستقل طور پر مسلمانوں میں آ رہا تو وہ دور مبارک حضرت رسول صلعم کا تھا۔ وہ اپنا کام کر کے عالم بالا کو تشریف لے گئے۔ تب مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کا خلیفہ مقرر کیا۔ انھوں نے بھی تندہی سے اسلام کی خدمت کی اب حضرت عمر بن خطاب کی خلافت کا مبارک دور ہے۔ آپ یقین مانیں کہ اسلام نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ وہی عرب جو چور، بے ایمان۔ ڈاکو، زانی۔ شرابی، گمراہ، بت پرست، جاہل، شقی القلب اور جواری تھے۔ تمام بُرائیوں کو چھوڑ کر اللہ والے ہو گئے۔ اب پوری سرزمین عرب میں آپ کو ایک بھی چور، بے ایمان، ڈاکو، زانی، اوباش، جاہل اور مفلس و نادار نہ ملے گا وہ عرب جو ایک طرف عیسائیت کے محکوم و مغلوب تھے اور دوسری طرف پارسیوں کے محکوم۔ محکومیت اور غلامی کے تار پود کو بکھیر کر فاتح ملک بن گئے۔ جاہل ہو کر بھی خدا شناس، پکے مسلمان اور دیندار ہو چکے ہیں۔ نا اتفاقی دور ہو گئی۔ ایک دوسرے کا ہمدرد ہے، غریبوں، مظلوموں، کمزوروں، بیکسوں اور ناداروں کا محافظ و معاون بن گیا ہے اور ہر اعتبار سے مکمل انسان ہو چکا ہے۔ اب ان میں نہ کوئی غلام ہے نہ کوئی آقا۔ نہ بڑا ہے نہ چھوٹا ہے۔ نہ بادشاہ نہ رعایا۔ نہ کوئی باندی ہے نہ غلام۔ نہ خاص نہ عام۔ بیک وقت ایک مسلمان سب کچھ ہے۔ سفر، حضر، مجمع اور تنہائی میں خشیت الٰہی، ان کی نگہبان ہے۔ عبادت الٰہی ان کا شعار ہے۔ شراب، سود اور دیگر منہیات کا کہیں وجود بھی نہیں ہے۔ اب ان سے زیادہ خلیق اور

اور خدا ترس کوئی نہیں۔ ظالم کوئی ہو۔ اسکو معاف نہیں کرنے، مظلوم کسی قوم کا ہو

اس کو نظر انداز نہیں کرتے۔

حق تو یہ ہے کہ اب پورے عرب میں خدا کی اپنی حکومت ہے اور

خوف الٰہی عربوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ وہ جس ملک میں اپنا پیغام لے کر

جاتے ہیں خدائی ان خوبیوں کو قبول کر رہی ہے۔ وہ کہیں جاکر انسانیت سے

الگ نہیں ہوتے، جنگ و امن دونوں حال میں اللہ کے بندے ہیں اور اللہ

کے بندوں کے ساتھ رفق و ملاطفت کرتے ہیں۔ غریبوں اور رعایا کو نہیں

ستاتے۔ لڑنے والے اور ظالموں سے لڑتے ہیں اور مظلوموں کی ہر جگہ اور

ہر ملک میں حمایت کرتے ہیں۔ کھڑی کھیتی اور باغات کو تاراج نہیں کرتے لوگوں

کے گھروں کو نہیں اجاڑتے اور نہ کہیں آگ لگاتے ہیں۔ نہ کسی کی بہو بیٹی کی

طرف تاکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت ان کی طرف سے گزرے تو وہ خود اپنی آنکھیں

جھکا لیتے ہیں۔ تنہا ہوں یا دس آدمیوں کے ساتھ، دن ہو یا رات، جنگل ہو یا

پہاڑ، کہیں بھی ان کو شیطان بہکا نہیں سکتا اور وہ خشیت الٰہی سے الگ نہیں

ہوتے۔ زنا کو حرام سمجھتے ہیں، زانی اور زانیہ کو سنگسار کر دیتے ہیں۔ چور کا ہاتھ

کاٹ ڈالتے ہیں۔ موت کو ہر وقت یاد کرتے ہیں۔ لیکن پاکباز ہونے کی وجہ

سے موت سے ڈرتے نہیں۔ جنگ میں پیٹھ نہیں دکھاتے۔ ایک پر اگر ایک لاکھ

کا مجمع بھی حملہ کرے تو وہ بھاگے گا نہیں۔ دوسرے مذاہب کے رہنماؤں، پادریوں

وغیرہ کا احترام کرتے ہیں۔ مذہبی معابد کو ڈھاتے نہیں۔

یہ ہیں مسلمان، یہ ہے اسلام کی تعلیم، اور یہ تھے وہ رسول آخرالزماںؐ

جنھوں نے عربوں کی کایا پلیٹ کر کشود ممالک کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں

رہیں اور خلیفہ ارض بنا کر ساری دنیا کو ان کی میراث قرار دیا۔

ان کے خلفا بھی عام آدمیوں کی طرح رہتے، عام آدمیوں کا لباس پہنتے اور غریبوں کی خدمت کرتے ہیں۔ بیواؤں کا پانی بھرتے ہیں۔ یتیموں کی محافظت کرتے ہیں۔ ناداروں کی امداد کرتے مظلوموں کی فریاد سنتے۔ ضعیفوں کی نگہبانی کرتے اور ان کا ہاٹ بازار کر دیتے ہیں۔ رات رات بھر جاگ کر چوکیدار کی طرح قوم کی محافظت کرتے ہیں۔

ان کی عورتیں مردوں میں بے حجاب نہیں آتیں۔ مرد عورتوں کے مجمع میں نہیں گھستے۔

"بس کیجئے"۔ ارسوس نے کہا۔

"یہی خدائی تعلیم ہے۔ یہی سچی عیسائیت ہے۔ یہی خیر الامم کی علالت ہے یہی آخری پیغمبر کی نشانی ہے۔ اب یہی دین قیامت تک رہے گا۔ یہ بدلنے والا نہیں ہے۔ اب میں ایک لمحہ بھی شک وظن میں مبتلا رہنا نہیں چاہتا۔ آئیے خدا کے لئے مجھے مسلمان کر لیجئے۔

حضرت شاعر فجہ بہت مسرور ہوئے۔ خدائے قدوس کا شکر ادا کیا اور ارسوس کو مسلمان کر لیا۔

رات کا بڑا حصہ اسی قسم کی باتوں میں گزرا، عرفجہ اور ارسوس دونوں اپنی جگہ پر خوش اور مطمئن تھے۔ آج ارسوس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ گویا از سرنو اس کی پیدائش ہوئی ہے اور وہ ہر طرح کی تاریکیوں سے نکل کر نور کی دنیا میں آ گیا ہے۔

گیارہواں باب

سالم اور یوقنا

سالم اپنے نئے دوستوں جرجیس اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا اسلامیات پر کچھ باتیں کر رہا تھا کہ داروغہ جیل حاضر ہوا اور اس نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا کہ شاہ حلب حضرت یوقنا آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔

سالم کو کئی روز سے انتظار تھا کہ یوقنا اسے ضرور بلائے گا۔ لیکن اُسے قید خانہ میں داخل ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ گزر گیا تھا اور اب تک اسے انتظار ہی تھا۔ پیشی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اسے جیل میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی ہر طرح کا آرام اور ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ کارکنان جیل اس کا بہت خیال و لحاظ کرتے تھے اور ہر ممکن آرام پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

خود سالم کی ضروریات بہت محدود تھیں۔ وہ مسلمان تھا۔ سادہ معاشرت کا خوگر تھا۔ اس کے وقت کا بیشتر حصہ نماز اور تلاوت میں گزرتا تھا۔ ادھر حسن اتفاق سے جرجیس اور اس کے ساتھیوں کے اسلام لانے اور سالم سے گھل مل جانے کے باعث اور بھی دلچسپیاں بڑھ گئی تھیں۔ وہ زیادہ وقت ان کی اسلامی تعلیمات میں صرف کرتا تھا۔ اس لئے جیل میں اسے تنہائی نہ تھی۔

جس وقت داروغہ جیل نے سالم کو یہ پیغام پہنچایا تو سالم نے کہا کہ اچھا میں چند منٹ میں تیار ہو جاتا ہوں۔ تم باہر میرا انتظار کرو۔ داروغہ جیل کمرے سے باہر نکل گیا تو سالم نے دوستوں سے کہا۔ کہ میں یوقنا کے پاس جا رہا ہوں۔ ممکن ہے میرے لئے کوئی بہتری کی شکل نکل آئے تو میں تم لوگوں کو فراموش نہ کروں گا۔

جرجیس نے سالم کا شکریہ ادا کیا۔ سالم باہر آ گیا اور داروغہ جیل کے ہمراہ شاہی دربار میں آیا۔ جہاں یوقنا اس کا منتظر تھا۔ سالم آ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ اس نے سلام اس لئے نہیں کیا کہ یوقنا مسلمان نہ تھا۔

یوقنا نے سالم کو اشارہ کیا کہ وہ ایک کرسی پر بیٹھ جائے۔ لیکن سالم کرسی پر نہیں بیٹھا۔ وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔

یوقنا۔ تمہارا نام کیا ہے؟

سالم نے جواب دیا۔ میرا نام سالم ہے۔

یوقنا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

سالم۔ میں خاص مدینہ منورہ کا رہنے والا ہوں۔

یوقنا۔ وہی مدینہ جہاں تمہارے نبی رہتے تھے۔

سالم۔ ہاں وہی مدینہ منورہ جہاں ہمارے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلیفہ رہتے ہیں۔

یوقنا۔ تم کرسی پر کیوں نہ بیٹھے۔

سالم۔ ہم مسلمان تکلفات کو پسند نہیں کرتے۔ فرش زمین سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ کرسی یا بلند مقام پر بیٹھنے سے انسان میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔ تکبر نفسانیت کو تقویت دیتا اور انسانیت کو پست کرتا ہے۔ تکبر بہت سی برائیوں کا گھر ہے زمین پر بیٹھنے اور سادہ زندگی بسر کرنے سے انسان میں انکساری پیدا ہوتی ہے اور انکساری خدا شناسی کی دعوت دیتی ہے۔

یوقنا۔ تمہارے خلیفہ کی زندگی کس قسم کی ہے؟

سالم۔ ہمارے خلیفہ عوام سے کسی حال میں جدا نہیں ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ معمولی

غذا کھاتے ہیں۔ پیوند لگا ہوا کپڑا پہنتے ہیں۔ رعایا کے ہر گھر میں پہنچتے ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے ہیں۔ ان کے گھروں میں پانی پہنچا دیتے ہیں۔ ان کا بازار کر دیتے ہیں۔ ان کے لئے بیت المال سے کھانے پینے کی چیزیں پہنچا دیتے ہیں زمین پر ایک چٹائی بچھا کر سو رہتے ہیں۔ تکلفات کو قطعی پسند نہیں کرتے، نہ ان کے ساتھ کوئی دربان ہے نہ نگہبان، نہ باڈی گارڈ نہ ایڈی کانگ، نہ ان کا کوئی غلام ہے نہ نوکر وہ خود کو مسلمانوں کا خادم سمجھتے ہیں۔ اپنا اونٹ اور اپنی بکریاں خود چراتے اپنے کپڑے خود دھوتے، اپنا سارا کام خود کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں صرف ایک درہ ہوتا ہے اس درے کی ہیبت، سفر حضر، سوتے جاگتے ہر شخص کے دل میں ہے لیکن وہ اپنی ذات کے لئے موم سے زیادہ نرم ہیں مگر دین کے کام میں اللہ کا قہر ہیں وہ کوئی کام مسلمانوں سے مشورے کے بغیر نہیں کرتے۔ اگر وہ غلطی کریں تو سر منبر ایک بڑھیا بھی ان کو ٹوک سکتی ہے۔ ان کا نہ کوئی تاج ہے نہ تخت، ان کا تاج ان کا تقویٰ ہے، ان کا تخت ان کی خدا ترسی ہے۔ ان کا رعب ان کا حلم ہے، ان کا جلال ان کی انکساری ہے۔ ان کی عظمت ان کی پرہیزگاری ہے۔ ان کی غذا جو کی روٹی اور نمک ہے۔ ان کا آرام قوم کی خدمت ہے۔ وہ اپنی بکریاں چراتے چراتے ببول کے درخت کے نیچے فرش زمین پر سو جاتے ہیں۔ جلال ان کی حفاظت کرتا ہے جمال ان پر سایہ کرتا ہے۔ بیواؤں کا پانی بھرتے بھرتے مشک نے ان کے کندھے پر گھٹے ڈال دئے ہیں۔ لیکن ان کا رعب مسلمانوں کے دل میں ہر جگہ یکساں ہے خواہ مسلمان مدینہ میں ہوں یا شام و روم میں۔ غرض ناشناسوں کو ان کے ہاتھ سے کہیں مفر نہیں ہے، خدا شناسوں کو کہیں حذر نہیں۔ ان کو ہر بات معلوم رہتی ہے اور ہر شے کی خبر ہوتی ہے۔

یوقنا فرط حیرت سے بت بنا ہوا سالم کی تقریر سن رہا تھا اور متاثر ہوتا جاتا تھا اس لئے کہ سالم لسانی نہیں کر رہا تھا بلکہ حقیقت بیان کر رہا تھا حقیقت و صداقت میں قدرتی تاثر ہوتا ہے۔

یوقنا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس لڑکی کو جبلیس اٹھا لایا تھا وہ کون ہے۔

سالم۔ وہ مشہور و معزز صحابی حضرت عاصم رض کی لڑکی ہے۔

یوقنا۔ اس وقت تمہیں اس لڑکی کا کچھ حال معلوم ہے؟

سالم۔ نہیں! مجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہیں۔

یوقنا۔ تمہارا اس لڑکی سے کیا تعلق ہے؟

سالم۔ وہ رشتہ میں میری بہن ہوتی ہے۔

یوقنا۔ تمہارا دستہ اسی کی تلاش میں نکلا تھا؟

سالم۔ ہاں یہ امر واقعہ ہے۔

یوقنا۔ تعجب ہے کہ تم اتنی کم تعداد میں تعاقب کر رہے تھے اور دشمن ملک میں ہوتے ہوئے اپنی جانوں کی کوئی پروا نہ ہوئی۔

سالم۔ مسلمان قلت و کثرت کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ موت ایک حقیقت ہے اس کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ وقت اور جگہ سے الگ موت بے حقیقت ہے۔

یوقنا۔ فرض کرو تم پر دس ہزار عیسائی ٹوٹ پڑتے؟

سالم۔ دس لاکھ عیسائی بھی ہماری جانوں پر خدا کے حکم کے بغیر حاوی نہیں ہو سکتے اس لئے ہم جنگ سے ہرگز منھ نہ موڑتے۔

یوقنا۔ کیا تم کو اپنی فتح کا یقین ہے۔

سالم۔ بے شک، کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کی بشارت دی ہے

یوقنا نوجوان سالم کی گفتگو سے حد درجہ متعجب نظر آرہا تھا۔ پھر بھی اس نے گفتگو جاری رکھی۔

یوقنا۔ نہیں کچھ خبر ہے، کس سے گفت گو کر رہے ہو؟

سالم۔ میں یوقنا والیٔ حلب سے باتیں کر رہا ہوں۔

یوقنا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں تمہارے قتل کا حکم دے دوں۔

سالم۔ مسلمان ان سطحی باتوں پر کبھی غور نہیں کرتا۔ کسی کی موت پر کوئی انسان حاوی نہیں اور نہ کسی کو کوئی فانی آدمی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ یہ قبضۂ قدرت کی چیزیں ہیں۔ البتہ اگر میری زندگی پوری ہو چکی ہے تو میرا مرنا برحق ہے اور رشتۂ حیات باقی ہے تو آپ کی تلوار اسے نہیں کاٹ سکتی۔

یوقنا۔ اور اگر میں تم پر شدید عقوبتوں کا حکم دے دوں۔

سالم۔ آپ کی شدید عقوبتیں صرف جسمانی ایذا پہنچا سکتی ہیں۔ لیکن میرے آزاد ضمیر اور آزاد روح کو پابند نہیں بنا سکتیں۔

یوقنا۔ ایک صورت تمہاری نجات و آزادی کی ہے کہ تم دین مسیحی اختیار کر لو۔ تم کو ہر ممکن اعزاز بخشا جائے گا۔

سالم (ہنس کر) والی حلب آپ ایک مسلمان سے ان ہونی بات کی توقع کر رہیا۔

یوقنا (دل میں خفیف ہوکر) ان ہونی کیوں؟ کیا دین مسیح برحق نہیں؟

سالم۔ دین مسیح ہے کہاں؟ جس کے برحق اور ناحق ہونے پر بحث کی جائے۔

یوقنا۔ یہ تم نے کیسے کہا کہ دین مسیح ہے ہی نہیں۔

سالم۔ یہ میں نے بالکل صحیح کہا ہے کہ دین مسیح ہے ہی نہیں اور آج پر کیا موقوف ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہی سے دین مسیح کا وجود نہیں ہے۔

یوتنا۔ حضرت عیسیٰ مسیح کے متعلق ہمارا مذہب کیا کہتا ہے۔

سالم۔ حضرت عیسیٰ خدائے برتر کے ایک جلیل القدر پیغمبر تھے۔ وہ ہمارے لئے ہمیشہ قابل احترام رہیں گے۔

یوتنا۔ کیا وہ اللہ کے بیٹے نہ تھے۔

سالم۔ اللہ کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ باپ۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو تو ماں باپ کے بغیر پیدا کیا تھا۔ ان کو خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہا جاتا۔ حضرت عیسیٰؑ کے تو صرف باپ نہ تھے مگر ماں تھی۔ یہ تو اس کی قدرت کاملہ ہوئی۔ انسان کو اس سے بہتر سبق لینا چاہئے تھا۔

یوتنا۔ اب بتاؤ تم دین محمدی چھوڑ کر دین عیسوی میں کیوں نہیں آنا چاہتے۔

سالم۔ نور کو چھوڑ کر کوئی شخص تاریکی میں کس طرح آ سکتا ہے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حضرت عیسےٰ کے بعد اگر ان کا دین باقی رہا تو صرف یوحنا کی ذات تک اور شریعت چونکہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں مرتب نہ ہوئی تھی بلکہ یوحنا نے ان کے بعد اپنی یادداشت کے بموجب اس کی تدوین کی تھی اسلئے جلد ہی اس میں تغیر تبدل ہو گیا اور رفتہ رفتہ اس کی ہیئت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی اور موجودہ عیسائیت ایک بالکل ہی جداگانہ اور خود ساختہ چیز ہے جو ان کے صدیوں بعد سیاسی بنیادوں پر بنائی اور ڈھالی گئی۔

(دم لے کر) فرض کر لیجئے کہ دین عیسوی صحیح حالت میں موجود ہے تو بھی۔ جب ان کے بعد ان کی بشارت کے بموجب نبی آخر الزماں کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر حضرت عیسیٰ کا دین اسی طرح منسوخ ہو گیا جس طرح حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد حضرت موسیٰ کا دین منسوخ ہو گیا تھا۔ مگر یہودیوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے حضرت عیسیٰ کا انکار کیا اور نتیجہ میں ان کی تمام فضیلتیں چھن گئیں اور مقہور و معتوب ہو کر رہ گئے۔

اب آیئے! پڑھے لکھے انسانوں کی طرح ایک دوسرے نقطۂ نگاہ سے ہم اس حقیقت کو تعصب کی عینک اتار کر سمجھنے کی کوشش کریں۔

جس دین عیسوی میں آپ مجھے بلا رہے ہیں اس کا اس وقت حال کیا ہے؟ اگر آپ اپنے عوام کو دیکھیں تو مذہبی طور پر ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے جس کی وجہ سے سماج گندہ ہو کر رہ گیا ہے۔ خواص اور امرا کو دیکھیں تو بجز عیش و عشرت اور جاہ و اقتدار کے ان کا دوسرا کوئی مذہب نہیں، اب اپنے مذہبی رہنماؤں کو دیکھئے تو ان میں وہی بیماریاں پائی جاتی ہیں تو پھر آپ کی عیسائیت ہے کہاں، گرجے میں دم توڑ چکی ہے۔ محلوں میں روندی جا چکی ہے۔ جھونپڑوں میں پامال ہے۔ ایسے میں کوئی انسان عیسائیت کو کہاں ڈھونڈے۔ کیا آپ کی زمین عیسائی ہے آپ کے ملک کے پہاڑ عیسائی ہیں، جنگل اور دریا عیسائی ہیں۔ مذہب کی ضرورت انسانوں کو ہے تاکہ ان کا معاشرہ ترقی کرے۔ پستی اور ضلالت سے ان کا شرف زائل نہ ہو۔ آپ آج ہی اعلان کر کے دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ کا دین، شراب، سور، زنا، اور دیگر جرائم سے روکتا ہے آج سے کوئی ان کو استعمال نہ کرے، عوام کو چھوڑیئے۔ شراب ان کی فطرت اور جرم ان کی عادت ہو گئی ہے آپ کا کوئی مذہبی رہنما بھی اس اعلان سے اتفاق نہ کرے گا۔ وہ عیسائی صرف اس لئے ہیں کہ خود ساختہ عیسائیت میں شراب اور سور کے استعمال پر کوئی روک نہیں ہے اور جب تک کوئی قوم اپنے پیغمبر کے اصول سے منحرف رہے گی ممنوعہ چیزوں خصوصاً شراب خانہ خراب کو استعمال کرے گی معاشرہ ہمیشہ گندہ رہے گا۔

یوقنا کا ذہن آج پہلی مرتبہ روشن اور بے تعصب ہو کر حقیقت کو بطور حقیقت سمجھنے کی کوشش کی طرف مائل ہونے لگا۔ لیکن اس نے اپنی بات کا رخ پلٹ دیا اور بولا۔

یوقنا۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ عرب دوشیزہ کا اغوا میرے اشارے پر ہوا ہے؟

سالم۔ نہیں۔ میں یا کوئی بھی مسلمان اتنی رکیک حرکت کو آپ سے منسوب نہیں کرسکتا۔ مانا کہ ہماری آپ کی جنگ ہے اور جنگ میں طرفین کو شرارت و استعمال قوت و سیاست کا حق ہے تاہم آپ سے اس کی بعید نہ امید نہیں کی جاسکتی۔ یہ اسی معاشرہ کی خرابی ہے جو آپ کے ایک فوجی ملازم سے ظہور میں آئی اور آپ بھی ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ اگر آپ کا ملازم جنگ کر کے سب کو یا کسی ایک کو گرفتار کر کے لاتا تو اس کی نوعیت جدا ہوتی۔ اگر کسی مسلمان سے اس قسم کی حرکت سرزد ہوتی تو اسے سخت سزا دی جاتی اور مسلم فوج کے سپہ سالار سے لیکر ایک سپاہی تک اس سے باز پرس کرتا اور لڑکی کو باعزاز تمام اس کے والدین کے پاس پہنچا دیا جاتا۔

یوقنا۔ لیکن تمہارا اپنی گرفتاری کے متعلق کیا خیال ہے؟

سالم۔ میری گرفتاری دوران جنگ ہوئی ہے جو صحیح ہے؟

یوقنا۔ تمہاری کیا سزا تجویز کی جائے؟

سالم۔ یہ فیصلہ آپ کے قانون کے ہاتھ میں ہے۔

یوقنا۔ حلب پر مسلمانوں کے حملہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ کیا تمہارا مذہب جنگ وجدل سکھاتا ہے؟

سالم۔ میرا مذہب جنگ وجدل کا نہیں بلکہ امن کا پیغامبر ہے۔ میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تو آپ اور آپ کے ملک پر یہ احسان کیا کہ توحید و خداشناسی کا پیغام بھیجا آپ کو پیغمبر کے ساتھ حسن سلوک سے کام لینا چاہیئے تھا۔ مگر آپ نے تمام دنیا کے قوانین اور عیسائیت کے ضابطے کے خلاف اسے قتل کر دیا اور ایسے فعل قبیح کے ارتکاب کے بعد آپ نے الٹے جنگ کی دھمکی دی۔ سرحد پر فوج جمع کر کے اپنی قوت و جارحیت

کا مظاہرہ کیا۔ تب ہم مجبور ہوئے کہ معاشرے کی گندگی کو دور کرنے میں الاقوامی قانون کا احترام بحال رکھنے اور توحید کا درس دینے اور امن و سلامتی کا راستہ بتانے کے لیئے ہم اپنی قلت کی پروا کیئے بغیر آگے بڑھیں۔ آپ نے اچھائی اور امن و سلامتی کی راہ روکی اور بڑی بڑی طاقتوں سے ہمیں پامال کرنا چاہا تو ہم بھی جنگ پر مجبور ہوئے۔

یوقنا۔ تو یہ جنگ رک سکتی ہے۔؟

سالم۔ ہاں رک سکتی ہے۔ اگر آپ فلسفۂ مذہب پر غور کریں۔ انسانیت کے لیئے مذہب کا وجود ناگزیر ہے۔ کیونکہ آپ کی طاقت اور ہر قل کا قانون معاشرے کی برائیوں کو دور کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ صرف خدا کا خوف ہی انسان کا ہاتھ اندھیرے اجالے میں روکتا اور نیکی کی راہ پر لگاتا ہے۔ جس طرح زمانہ، وقت اور ماحول و معاشرہ کے مطابق قوانین بدل جاتے ہیں اسی طرح جب کسی قدیم مذہب سے انسانی تقاضے پورے نہیں ہوتے تب قدرت نئے نبی کی معرفت نیا اور اس سے مکمل مذہب بھیجتی ہے۔ اس مذہب کا جائزہ لیجئے اور تقاضائے بشریت کو پورا کیجئے۔

یا پھر جنگ کی ہولناکیوں اور تباہیوں کو سامنے رکھیئے۔ محض دنیاوی اقتدار، جاہ جلال یا پرانی برائیوں کی بحالی کے لیئے جنگ کہاں تک جائز ہے پہلی صورت یہ ہے کہ دین منسوخ کو چھوڑ کر دین حق اور امن و سلامتی کی راہ اختیار کیجئے اور اپنی قوم کو بھی دعوتِ خیر دے کر تعمیرِ وطن کیجئے۔

اگر ان دو اچھائیوں سے آپ کتراتے ہیں تو تیسری صورت یہ ہے کہ جنگ کر کے حق و باطل کا فرق محسوس کیجئے۔

یوقنا۔ ہم جنگ کریں گے۔

سالم - ضرور کیجئے۔ مگر آپ کو شکست ہوگی۔

یوقنا - کیوں؟

سالم - اس لئے کہ آپ حق پر نہیں، آپ کی قوم حق پر نہیں، اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہرقل کی طاقت بھی شکست کھا جائے گی۔

یوقنا - تم بڑے گستاخ ہو۔

سالم - مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ ایک مسلمان کی پہچان یہی ہے کہ وہ کہیں بھی حق کا دامن نہ چھوڑے۔ میں بغیر دلیل کے اتنی بڑی بات نہیں کہتا۔

یوقنا کو غصہ آ گیا تھا لیکن وہ سنبھلکر بولا۔

تم کو اس عرب دوشیزہ کا کچھ حال معلوم ہے جسے جرجیس اٹھا لایا ہے۔

سالم - مجھے کچھ نہیں معلوم۔

یوقنا - تو سنو وہ بخیریت و بعزت تمام میری نگرانی میں ہے اور میں جلد ہی اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے والا ہوں۔

سالم - الحمدللہ

یوقنا - آج سے تم میرے محل میں ایک معمولی نظر بندی کے ساتھ رہو گے۔ مگر وعدہ کرو کہ میرے اعتماد سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ گے۔

سالم - میں اس شرط پر اس کا وعدہ کروں گا کہ جرجیس اور اس کے ساتھیوں کو بھی رہا کر دیا جائے۔

یوقنا - رہا تو نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ سب بھی تمہارے ساتھ رہیں گے۔

سالم - یہی صحیح - آپ کا شکریہ!

بارہواں باب

حسین واعظہ

دوسرے دن یوقنا نے اپنی ملکہ اور ارمانوسہ کے ساتھ رابعہ کو باریابی کا موقع دیا اور رابعہ سے کہا۔

رابعہ، میری بیٹی، آج میں تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ بغیر کسی خیال کے پوری صفائی کے ساتھ میری باتوں کا جواب دے اور میرے کہنے پر غور کر!

رابعہ خاموش رہی۔

یوقنا نے کہا۔

رابعہ! تو نے یہ تو محسوس کر لیا ہوگا کہ ہم سب کو تجھ سے کس قدر محبت ہو گئی ہے اور تو ہے بھی محبت کے قابل اور اب تو میرے خاندان کا ایک رکن بن کر رہ گئی ہے۔ تیری جدائی ہم سب کو بہت شاق گزرے گی۔ البتہ ایک شکل ہے کہ اگر تو اسے بغیر کسی جبر کے قبول کرے تو جدائی کی خلیج حائل نہ ہو سکے گی اور تجھکو اپنے والدین سے ملنے کی عام اجازت رہے گی۔ میرا یہ منشا نہیں ہے کہ تو فوراً ہی کوئی فیصلہ کن جواب دے بلکہ میں تجھے موقع دوں گا کہ سوچ کر جواب دے۔

سانس لے کر یوقنا نے سلسلۂ سخن کو آگے بڑھایا۔

رابعہ! تو دین مسیحی اختیار کر لے۔ یہ خدا کے بیٹے کا دین ہے۔ میں تجھکو ہر اعزاز اور ہر طرح کا آرام بخشنے اور ارمانوسہ کے برابر حقوق دینے کو تیار ہوں۔ آج دنیا میں دین عیسوی سے بڑھکر کوئی مذہب نہیں ہے۔

رابعہ۔ آپ نے چونکہ پوری صفائی سے مجھے اظہار خیال کا حکم دیا ہے اس لئے
میری صاف باتیں سن لیجئے۔ مجھے اپنے فیصلے کے لئے نہ کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت
ہے نہ مہلت درکار ہے۔ میرا دو ٹوک فیصلہ ابھی حاضر ہے۔
اس میں شک نہیں کہ میں آپ لوگوں کی مہربانیوں، شفقتوں اور محبت سے بہت
زیادہ متاثر ہوں، میں آپ لوگوں کو اپنا قریب عزیز سمجھنے لگی ہوں اور مجھے اپنے گھر سے
زیادہ یہاں آرام حاصل ہے اور آپ لوگوں کی جدائی سے میں رنجیدہ بھی ہو سکتی ہوں۔
لیکن چونکہ آپ ایک منصف مزاج آدمی ہیں اس لئے آپ کو میری باتیں سن کر حقائق
سے جدا نہ ہونا چاہئے۔

میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ نے محض اپنے مذہب کے پاس وخیال سے اپنے پیارے
اور ہر دلعزیز بھائی کو قتل کر ڈالا۔ مگر اس میں آپ کا کچھ قصور بھی نہیں۔
محترم حضرت یوحنا نے اک بیک اپنے متعلق جو فیصلہ کیا وہ اس فیصلہ کے لئے
عرصہ سے تیار تھے صرف آپ لوگوں کی بڑھی ہوئی محبت کی بنا پر مسلمان ہو کر آپ لوگوں سے
جدائی کے خیال سے پریشان تھے لیکن جب غلط فہمی کی بنا پر موت کو قریب تر پایا تو انھوں نے
بے باکی کے ساتھ حق کا اقرار کر کے اپنی عاقبت استوار کر لی۔
لیکن ان کا فیصلہ سننے کیلئے آپ تیار نہ تھے یک بیک جوان کا فیصلہ سامنے آیا تو
آپ اس حد تک برہم ہو گئے کہ آپ نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اس سے ایک طرف
آپ کے اصول اور کیریکٹر کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری جانب دین کی محبت بھی
ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کوئی دیانت داری کے ساتھ دین کی محبت اسے وطن کی محبت میں
جنگ کرے تو یہ قابل نفرت بات نہیں بلکہ قابل عزت بات ہے اسی بنا پر میں آپ کو قابل
عزت اور قابل احترام سمجھتی ہوں۔

اب آیئے مذہب کے مسئلہ پر ــــــــ آپ جیسے انصاف پسند آدمی کو بھی اقتدار و جذبات سے ہٹ کر سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے، دیکھیئے جذبات کے تحت بھائی کے قتل کا فیصلہ کس قدر غلط تھا کہ بھائی نے برِبنائے محبت برسوں اپنے ضمیر اور حق کی آواز کو دبائے رکھا مگر آپ نے بدگمان ہوکر ان کو دشمن سمجھا۔

انصاف کیجئے کہ آپ کو اپنا دین کس قدر عزیز ہے۔ جب آپ کسی اصول کو عزیز رکھ سکتے ہیں تو ہر بنی نوعِ انسان کو اس کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ اپنے دین کو عزیز رکھے۔ مذہب کو کسی قوت یا قیمت کے ہاتھوں بیچ دینا قابل عزت نہیں بلکہ قابل نفرت بات ہے۔ آپ کی محبت مجھے عزیز ضرور ہے لیکن میرا مذہب مجھے زیادہ عزیز ہے۔ رہا اعزاز تو خدا اور مذہب کے بخشے ہوئے اعزاز کے مقابلہ میں آپ کا بخشا ہوا اعزاز بے حد حقیر شے ہے در آنحالیکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں آپ کے مقابلے میں زیادہ حق پر ہوں آپ نے اپنے مذہب کو سمجھا نہیں ہے۔ جذباتی حیثیت سے اس سے محبت کرتے ہیں۔ میں اپنے مذہب کو سمجھ کر محبت کرتی ہوں اور آپ کے مذہب کو بھی سمجھا ہے آپ کا مذہب اب کمزور غیر صحت مند ہوکر اس طرح خصائل انسانی کے منافی ہو گیا ہے کہ آدمیت کو بہیمیت کی راہ پر لے جا رہا ہے اور اب مذہب کے پاس کوئی تدارک نہیں نہ بادشاہ کی طاقت اس کے مریض جسم میں حرارت غریزیہ بڑھا سکتی ہے اور نہ آپ کے مذہبی رہنماؤں کی قیادت، کیونکہ آپ میں حقیقت کا فقدان اور جذبات کا بحران ہے اور آپ کے رہنماؤں میں روحانیت کی غیر موجودگی۔ اس لئے عیسائیت کی جگہ ایک نئے مذہب نے لی ہے اور وہ نیا مذہب ہے حقیقت اور نیکی سے بغاوت اور طرح طرح کی برائیوں کا اجتماع۔

بخلاف اس کے میں جس دین پر ہوں وہ کوئی نیا دین نہیں ہے دین تو وہی

ہے جو حضرت آدم، حضرت شعیب، حضرت نوح، حضرت سلیمان، حضرت یعقوب، حضرت ابراہیم، حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ کا تھا۔ البتہ اس میں وہ کمی تھی جو نسلاً بعد نسلاً چلی آرہی تھی اسے ہمارے نبی آخرالزماں نے قدرت کے سوچے سمجھے ہوئے پروگرام کے متعلق پورا کردیا۔ کمی، ادوار، انسانی اطوار اور ذہنوں کے اعتبار سے تھی اگر اسی وقت مکمل کردیا جاتا تو بجائے فائدہ کے وہی بحران پیدا ہوجاتا جو آج عیسائیت میں ہے آج انسانوں کا شعور اس دور سے زیادہ پختہ ہوچکا ہے لہٰذا دین کے تکملہ کی ضرورت ناگزیر تھی۔ اب میں اگر اسلام کی تکمیل کو مثال اور دلائل سے ثابت کروں تو آپ ہرگز نہ مانیں گے۔ آپ کو اس کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ اس میں داخل ہوکر اس کا جائزہ لیں۔

حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین اس وقت کے انسانی تقاضوں کو اس لئے پورا نہیں کرسکتا کہ وہ نامکمل بھی ہے اور طبائع انسانی کے خلاف بھی۔ نامکمل اس لئے کہ اس کے قوانین کی تدوین حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں نہیں بلکہ ان کے بعد ہوئی اور یہ غیر فطری اس لئے کہ ان کی تعلیم کہتی ہے کہ اگر تمہارے ایک گال پر… کوئی طمانچہ مارے تو تم دوسرا گال بھی پیش کردو۔

اسلام تقاضائے فطرت کو پورا کرتا ہے وہ کہتا ہے آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت، یہ ضروری اور لازمی ہے۔ لیکن اگر تم معاف کرسکو تو کردو کیونکہ یہ افضل ہے۔

یہ دونوں فطری ضروریات کا ساتھ دیتے ہیں اگر [illegible] بدلہ دیا جائے تو فتنہ کا انسداد ہوجاتا ہے وہ پھر کبھی سر نہ اٹھائے گا۔ اور اگر اسے معاف کردیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ وہ پشیمان ہوکر فتنہ سے توبہ کرلے۔

پس میرے محترم، تعلقات انسانیت اور محبت کے پاک جذبات کے لئے مذہب کی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے لئے سلامت روی کی ضرورت ہے۔ مذہب ان حقائق قوانین کا نام ہے جو دنیا سے شرک و کفر، بت پرستی، برائی، بے حیائی اور مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کرکے روح انسانی کو نیکی کے سانچے میں ڈھالے تاکہ اولاد بھی صالح پیدا ہو اور تعمیر ملک و وطن کرے۔ مذہب سے دستبردار ہو کر مذہب سے بغاوت تو قابل معافی ہے لیکن مذہب میں رہ کر مذہب سے بغاوت اپنے پیغمبر پر اتہام لگانا ہے جو قابل سزا ہے۔

آپ اپنے مذہب کا منصفانہ جائزہ لے کر مجھ پر ثابت کر دیجئے کہ آپ حق پر ہیں تب تو یہ بات میرے لئے قابل غور ہو سکتی ہے ورنہ نہیں اور میں جانتی ہوں کہ آپ نہیں کر سکتے۔

آجکل آپ کا ضمیر غیر مطمئن، مجروح اور مقتول ہے۔ آپ نے اپنے بھائی کو قتل نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالا ہے۔ آج آپ خود نہیں ہیں بلکہ آپ کا سایہ ہے۔ اس قتل نے آپ کے دل و دماغ کو تنزل کر دیا ہے۔ مذہب کو تنزل کر دیا ہے۔ آپ سکون کی تلاش میں گرتے ہوئے ستون کا سہارا لینا چاہتے ہیں اور خوف کے مارے ایسا ساتھی ڈھونڈ رہے ہیں جو دوسری جانب سے ستون کو تھامے رہے۔

آپ کے بھائی کی محبت آپ کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اس کی زندگی کا چراغ بجھ گیا ہے لیکن اس کی جلائی ہوئی قندیل کی خفیف ترین شعاع آپ کی تاریک راہ میں داخل ہو رہی ہے جس روز اس کی پوری تابانی آپ کی راہ میں آ پڑے گی تو آپ بدل جائیں گے اور وہ وقت دور نہیں۔

"چلی جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے"۔

یوقنا نے گرجکر کہا۔

اگر یوحنا زندہ ہو کر آجائے تو میں اسے دوبارہ قتل کر دوں گا۔

میں مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کروں گا۔

رابعہ۔ وطن کی حفاظت کے لئے ضرور کیجئے۔ مگر آپ ہار جائیں گے۔ یہی میری صداقت کا ثبوت ہے اور چچا یوحنا نے ابدی زندگی حاصل کر لی۔ اب آپ انہیں قتل نہیں کر سکتے۔ آپ کا دل روتے روتے کمزور ہو رہا ہے۔ مگر روح مضبوط ہو رہی ہے میں مسلمان ہوں۔ اس حال میں چھوڑ کر میں آپ کو کہیں نہیں جا سکتی۔ مگر آج کا عیسائی آپ کو مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔

یہ کہہ کر رابعہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ملکہ اور ارمانوسہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

حق کی آواز ان دونوں کے کانوں میں گونج رہی تھیں اور دونوں ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔

عیسائیت۔ اسلام

اسلام یا عیسائیت

اور یوقنا رابعہ، ارمانوسہ اور ملکہ تینوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر اپنے دل میں حسرت و یاس کی فراوانی محسوس کر رہا تھا۔

اور وہ عالم خیال میں گرتے ہوئے ستون کا سہارا لینے کے لئے اپنی ساری طاقتوں کو مجتمع کر رہا تھا۔

تیرہواں باب

جلوۂ حسن

رابعہ ارمانوسہ کے ساتھ یوقنا کے کمرے سے نکلی تو جوش سے اس کے عارض تاباں گلنار ہو رہے تھے۔ اس کا حسن سو گنا جان ستاں بن گیا تھا۔ لیکن وہ پر سکون تھی۔ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

البتہ ملکہ اور ارمانوسہ دونوں بہت اداس، مغموم اور شرمندہ تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ رابعہ کی دل شکنی اور توہین ہوئی ہے۔ یہ تینوں جب ارمانوسہ کے کمرے میں پہنچیں تو ملکہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنا تھرتھراتا ہوا ہاتھ رابعہ کے کندھے پر رکھ دیا۔ ملکہ کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

رابعہ نے گھبرا کر ملکہ کو دیکھا۔

ملکہ نے اس کو سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"رابعہ میری بچی تو یوقنا کی باتوں کا کوئی خیال نہ کر، آجکل وہ پاگل ہو رہے ہیں۔ سنا ہے کہ ان کا کھانا پانی بھی کم ہو گیا ہے۔ آجکل ان کو نیند بھی کم آنے لگی ہے اور شراب جو ان کی زندگی تھی قطعی چھوٹ گئی ہے۔ میرے جیتے جی تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، تو اطمینان سے اپنے مذہب پر قائم رہ اور اپنا دل چھوٹا نہ کر۔

رابعہ نے مسکرا کر کہا۔

: ملکہ امی! میں نے چچا یوقنا کی باتوں کا ذرہ برابر برا نہیں مانا۔ وہ قابل رحم اور ہمدردی ہیں۔ وہ دل کے برے نہیں ہیں۔ اُن کے جذبات و خیالات میں اُبال آرہا ہے طوفان برپا ہے جب طوفان کا زور کم ہو جائے گا تو وہ خود بخود روشنی میں آجائیں گے۔

میں ان سے اپنے باپ کی طرح محبت کرنے لگی ہوں۔ میں ان کا احترام کرتی ہوں۔ مجھے ان کے غم کا دکھ ہے۔

ملکہ نے ممنونیت سے رالعہ کا ہاتھ دبایا اور اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔
میری پیاری بچی تو فرشتہ ہے۔ قابل مبارکباد ہیں تیرے والدین۔ جن کی آغوش میں تو نے جنم لیا۔

ارمانوسہ نے بھی رالعہ کو کھینچکر بغل گیر کر لیا اور بولی۔

میری حسین واعظہ! تو دیکھنے میں کس قدر بھولی ہے۔ مگر کیسی جادو بیان ہے کہ بڑے سے بڑا پادری تیرے سامنے دم بخود رہ جائے۔

واقعی میرے ابا جان دل کے برے نہیں، تو نے سچ کہا میری بہن؟

رالعہ۔ ہاں! میں نے سچ کہا۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

اتنے میں یوقنا کمرے میں داخل ہوا۔ اور آتے ہی بولا۔

"کون کہتا ہے میں برا نہیں ہوں۔ کیا میں نے اپنے ہاتھوں اپنے بھائی کو قتل نہیں کر ڈالا۔

مگر خیر، رالعہ! میں تیرا شکر گزار ہوں۔

آ میرے ساتھ میں۔ تجھے ایک خوش خبری سناؤں، ارمانوسہ تو بھی آ۔

دونوں اس کے پیچھے پیچھے چل کر یوقنا کے کمرے میں آئیں تو ملکہ بھی ساتھ ساتھ آئی اور پھر سب سابق بدستور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

یوقنا۔ رالعہ! کیا تو سالم کو جانتی ہے۔

رالعہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے دبی زبان سے کہا

"ہاں! وہ میرے بھائی ہوتے ہیں۔ مگر آپ ان کو کیسے جانتے ہیں۔

یوقنا نے خوش طبعی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

میں نے سوچا، میری کا عرب بیٹی غیر قوم میں آ پڑی ہے۔ لاؤ اس کی قوم کے کسی فرد کو

بلا دوں

رابعہ۔ میں قوم اور وطنیت کی قائل نہیں۔ ہر خدا پرست دوسرے خدا پرست کا بھائی

ہے اور ہر خدا پرست کا وطن دوسرے خدا پرست کے لئے وطن ہے۔ زمین خدا کے سوا کسی کی

ملکیت نہیں ہے۔

یوقنا نے بچے کچھ سے بغیر تالی بجائی۔

خادم حاضر ہوا

"سالم کو بلا لاؤ!"

اس نام نے دوسری مرتبہ رابعہ کے دل میں دھڑکنیں ڈال دیں۔ اس کے کان کی لویں

سرخ ہو گئیں، آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک آ گئی۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا

تھا۔ اپنی بیداری پر شبہ ہو رہا تھا۔ دل اور آنکھوں میں اشارے ہونے لگے۔

وہ ابھی کچھ سوچنے بھی نہ پائی تھی کہ خادم، سالم کو لے کر حاضر ہوا۔

سالم نے جوں ہی کمرے میں قدم رکھا۔ اس نے تین عورتوں کو بیٹھے ہوئے پایا۔

وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

مگر نگاہیں فیرارادی طور پر تینوں عورتوں کی طرف گئیں۔

آواز یہ کون ہے؟

رابعہ، رابعہ! ———— رابعہ

رابعہ چلائی۔ آہ! سالم ———— میرے... سالم۔

رابعہ والہانہ طور پر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بے تابی میں دو قدم آگے بڑھی ادھر سالم تصویر حیرت

بیتا ہوا کچھ ادھ کھسکا۔ قریب تھا کہ گنگا و جمنا کی طرح دونوں مل جاتے۔

لیکن رابعہ کی نسائیت جاگ پڑی۔ حیا نے دامن پکڑا اور دوشیزگی نے اظہار محبت میں نرگسیں آنکھوں سے موتیوں کی لڑیاں برسانا شروع کر دیں۔

سالم بھی خوشی میں رونے لگ گیا۔ وہ بہادر سالم جو ہزاروں میں رہ سکتا تھا محبت میں ایک بچے سے زیادہ کمزور و ناتواں ہو کر رو رہا تھا۔

اس نے پھر آہستہ سے پکارا۔

"رابعہ!" اور رابعہ نے گردن اونچی کی۔

نمناک چہرہ شبنم سے دھلے ہوئے گلاب کے پھول کی طرح مسرت میں مسکرا رہا تھا۔ جیسے چاند بدلی کے بھیگے ہوئے سینے میں غوطہ لگا کر پوری تابانی سے ابھر آیا ہو۔

اور سالم کی مردانہ وجاہت آنسوؤں کے غازے سے نکھر آئی۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے میں سرشار تھے۔

اور ادھر یوقنا کے اشارے پر سب کے سب کمرے سے نکل گئے۔

سالم اور رابعہ، چاند اور سورج کا قران السعدین تھا۔

اتھاہ حسن کے جلوے جذبات و واردات کے طوفانی تھپیڑوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ دل گوہر مراد پا رہا تھا، آنکھ متاع حیات پا رہی تھی۔ جب بات کو زبان اپنی نوک پر لاتے ہوئے تھرتھرا رہی تھی، آنکھ کی زبان فرفر سنا رہی تھی، رموز حسن اور راز عشق دونوں ہی کھل رہے تھے

میان عاشق و معشوق رمزیست   کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

جب طوفانی جذبات کے جھکولے کم ہوئے حیرت پر مصلحت غالب آئی تو سالم نے کہا۔ رابعہ! میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، کیا تم سچ مچ میری نگاہوں کے سامنے ہو؟

رابعہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ سالم سے کھل کر باتیں کرنے کی نوبت آئی تھی وہ ایک کمرے میں۔ حالانکہ جب سے وہ حلب میں آئی تھی کوئی دن ایسا کہ سالم اسے یاد نہ آیا ہو اور کوئی بھی رات ایسی نہ تھی کہ ذہن کے پردے پر سالم کی تصویر نہ ابھری ہو، اور عالم خیال میں گھنٹوں باتیں نہ کی گئی ہوں۔

ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ رابعہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئی تھی اور جس وقت گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ کر زبردستی لائی جا رہی تھی تو اسے سب سے زیادہ سالم یاد آ رہا تھا۔ دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ سالم اس کی گم شدگی کی خبر سن کر بے قرار ہو گیا ہوگا۔ وہ میری تلاش میں ضرور نکلا ہوگا وہ گھوڑا دوڑا کر اب آ ہی رہا ہوگا۔ وہ آتے ہی دشمنوں پر حملہ کر دے گا اور دشمنوں کو مار کاٹ کر مجھ تک پہنچے گا اور مجھ کو میرے والدین تک پہنچا دے گا۔

پھر دشمنوں کی زیادہ تعداد دیکھ کر اس کا دل خوف سے بھر جاتا کہ اتنے سارے دشمنوں میں سالم تن تنہا کیا کرے گا۔ خدانخواستہ کہیں اس کو گزند نہ پہنچ جائے۔ وہ گھبرا کر بے کسی کے ساتھ آنکھیں بند کر لیتی لیکن متضاد خیالات کا سلسلہ کہیں منقطع نہیں ہو رہا تھا۔

یہی کچھ سوچتے ہوئے وہ قلعۂ حلب کے پھاٹک تک پہنچ گئی، پھر اس کا گھوڑا قلعہ میں داخل ہو گیا، وہ مایوس ہو گئی۔

دل نے کہا، اب شاید زندگی میں میں اپنے والدین کو نہ دیکھ سکوں گی۔ خالدہ کی میٹھی میٹھی باتیں سننے میں نہ آئیں گی، اور میں اپنے سالم کو نہ دیکھ سکوں گی۔

اس سالم کو جو اس کی معصوم زندگی میں یک بیک داخل ہوا جس نے اس کے بھولے بھالے دل میں گدگدی پیدا کی ایک ارمان جگایا۔ جس نے اس کی دوشیزگی کو پر کیف تصورات کی ایک جگمگاتی ہوئی دنیا بخشی۔ جس کی زبان خاموشی نے اسے ایک لامعلوم

پیغام دیا۔ جس نے اس کو یہ یقین بخشا کہ سالم اس کا اپنا ہے۔ سالم کو اس سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ جس نے اسے سنہرے اور خوش آیند خواب بخشے تھے۔ مگر آہ لیل و نہار کی ایک معمولی سی گردش نے اسے ان حسین تصورات سے جدا کر دیا۔ ماں باپ سے جدا کر دیا اور سالم سے جدا کر دیا۔

یکایک مایوسی کا ردعمل یہ ہوا کہ اس کی اسلامیت ابھری اور لاتقنطو من رحمۃ اللہ نے اسے سہارا دیا اور وہ راضی برضا ہو گئی۔ اس نے یقین کر لیا کہ خدا ہر جگہ اس کا محافظ اور نگہبان ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ وہی بچھڑے ہووں کو ملاتا ہے۔

پھر حالات پلٹے۔ اسے اپنی عصمت و عزت کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر اس نے اپنے اخلاق سے دشمنوں اور غیروں کو دوست بنا لیا۔ تب یہ امید بھی کروٹیں بدلنے لگی کہ وہ کبھی اپنے والدین سے ضرور مل سکے گی اور سالم کی صورت دوبارہ ضرور دیکھے گی۔

پھر یوفنا نے اسے اپنے عزیزوں میں جانے کی اجازت دے دی تو اسے قطعی اطمینان ہو گیا۔ تصورات نے انگڑائیاں لیں، تخیلات میں بالیدگی آئی اور اجڑے ہوئے گلشن امید میں پھر بہار آئی۔

اور آج جب اک بیک اس کے خوابوں کا دیوتا، اس کے تصورات کا شاہکار، اس کے تخیلات کا مرکز اس کی نگاہوں کے سامنے غیر متوقع طور پر آ گیا تو شکوہ و شکایات اور ہجر و حکایات کی بجائے وارفتگی نے زبان پر قفل لگا دیا۔

اور ادھر سالم کو اچانک جلوۂ حسن نظر آیا تو آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں اور زبان میں یارائے سخن نہ رہا۔

کچھ دیر کی حیرت و خاموشی کے بعد سالم سنبھلا۔ اس نے رابعہ کی خیریت دریافت کی

گم شدگی کے حالات پوچھے۔ رابعہ نے شروع سے آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا جس سے سالم پر یہ ظاہر ہو گیا کہ رابعہ ہر طرح مطمئن ہے۔ اسے حلب میں پہنچکر کوئی تکلیف نہ ہوئی اس نے یوحنا کے قتل کی خبر قید خانہ میں سن لی تھی لیکن آج اس کی شفقت و محبت اور اسلام لانے کا حال معلوم کر کے اس کے حق میں دعائے خیر نکلی

پھر ملکہ، ارمانوسہ اور یوقنا کا حسن سلوک معلوم کر کے ان کا شکر گزار ہوا اور اس نے اعتراف کیا کہ یوقنا دل کا برا نہیں بلکہ قابل قدر دشمن ہے۔

پھر رابعہ نے سالم سے اس کے حالات دریافت کئے اور یہ بھی پوچھا کہ قلعہ حلب میں کس طرح داخل ہوا۔

ابھی سالم اپنا حال بیان نہ کرنے پایا تھا کہ یوقنا کمرے میں داخل ہوا، اس کے پیچھے ملکہ اور ارمانوسہ بھی تھی۔

یوقنا نے کہا۔

بیٹی رابعہ! سالم کا حال مجھ سے سنو!

سالم ۵۰ آدمیوں کے ساتھ تمہاری تلاش میں قلعہ حلب تک پہنچا۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی شرم نہیں ہے کہ میں نے اس بہادر نوجوان پر پانچ ہزار کی جمعیت سے حملہ کیا لیکن اس نے اور اس کے بہادر ساتھیوں نے میرے بزدل سپاہیوں کے دانت کھٹے کر دئے۔ سالم ایک خاص جذبے کے تحت شدید جنگ کر رہا تھا۔ اس نے کشتوں کے پشتے لگا دئے میں بہادر دشمنوں کی بھی قدر کرتا ہوں۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کو زندہ گرفتار کرایا۔ میری دلی تمنا ہے کہ یہ دین مسیح میں داخل ہو جائے تو میں اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دوں۔ لیکن یہ اپنی ہٹ سے باز نہیں آتا۔ اس نے میری شان میں گستاخی بھی کی ہے لیکن میں اس سے ناخوش نہیں ہوں، میں اس کو موقع دوں گا کہ

کہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرے۔

سالم! تمہارے دستے میں وہ بوڑھا آدمی کون تھا۔

سالم" وہ میرے والد کا دینی بھائی اور میرا محترم چچا ہے۔ اس کا نام عرفجہ ہے۔

یوقنا۔ اس نے تم تک پہنچنے کی زبردست کوشش کی اور میری فوج کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا۔ اس نے میرے سینکڑوں سپاہیوں کو قتل کر کے رکھ دیا اور پھر بھی اس کے دم خم نے جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اسے بھی گرفتار کر لیا جائے مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔

لیکن تم جانتے ہو سالم وہ اب کہاں ہے؟

سالم۔ نہیں! مجھے ان کا کوئی حال معلوم نہیں۔

یوقنا۔ خیر میرا انتظام مکمل ہے، میں نے اس کا سب حال معلوم کر لیا۔

وہ تمہارا وفادار آزاد کردہ غلام ہے۔ وہ عیسائی سے مسلمان ہوا تھا، اس کو تم سے بہت زیادہ محبت ہے۔ وہ پادری کا بھیس بدل کر اندرون ملک داخل ہوا، ایک صومعے میں داخل ہوا۔ میرے ملک میں اسلام کی بیماری پھیل گئی ہے۔ صومعے کا بڑا نامی عزت پادری غدار نکلا وہ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور پھر وہ دونوں رسد لینے اور لانے والے عیسائی دستے میں شامل ہو کر حلب میں داخل ہوئے۔ لیکن میرے حکم سے گرفتار کر لئے گئے۔

میں نے اپنے روبرو بلوایا، دونوں کا بیان سنا۔ اب وہ دونوں تمہارے بغل والے کمرے میں نظر بند ہیں۔ میں غدار پادری کو جنگ کے بعد سولی پر ضرور لٹکا دوں گا۔ تم کو عرفجہ سے ملنے کی اجازت ہے۔

ہاں یہ بھی سن لو

شہنشاہ ہرقل کی جانب سے بہت بڑی امداد اور فوج آ گئی ہے۔ میں کل مسلمانوں سے

فیصلہ کن جنگ کر کے پیس ڈالوں گا۔

اب تم جا سکتے ہو اور جب چاہو رابعہ سے مل سکتے ہو۔

سالم، رابعہ کو الوداع کہکر جب اٹھ کھڑا ہوا تو یوقنا بولا۔

سالم! میرے رحم و درگزر کو دیکھو کہ مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ جبیس اور اس کے تمام ساتھی تمہارے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئے ہیں۔ میں نے مصلحتاً تمہاری سفارش منظور کرلی ہے۔ لیکن ان کو عبرتناک سزائیں ملیں گی۔

سالم یہ سوچتا ہوا چلا گیا کہ یوقنا ایک عجیب و غریب فطرت کا باخبر بادشاہ ہے اور اس نے عجیب و غریب طبیعت پائی ہے اور ایک شاندار دشمن ہے۔

رابعہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی کاش یہ قابل قدر انسان مسلمان ہو جاتا اور اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ جلد مسلمان ہو جائے گا۔

ملکہ اور ارمانوسہ سالم کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔

بڑا شاندار اور بہادر نوجوان ہے حالانکہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ عیسائی لڑکے تو اس عمر میں صرف کھلنڈرے ہوتے ہیں۔

اور یوقنا فصیل کے معائنے کے لئے چلا گیا۔

تیرہواں باب

جہیز

ارمانوسہ اور رابعہ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں آج رابعہ بے حد خوش تھی۔ بات بات پر مسکراہٹ، برس رہی تھی۔

گل اندام ارمانوسہ جو رابعہ سے حد درجہ محبت کرنے لگی تھی اور کسی لمحہ اس سے جدا نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ اب دونوں ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔ وہ رابعہ سے بے تکلف ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی نازک حنائی انگلیوں کو رابعہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میرا جواب دینا ہی پڑے گا میری بھولی گڑیا، ورنہ میں لگاتی ہوں گدگدی گدگدی کے نام ہی سے رابعہ کو ہنسی آ گئی، چاندی کی تھالی جیسے پختہ فرش پر گر جائے۔ رابعہ بولی!

"نہیں! نہیں میری اچھی بہن! تم مجھے گدگدی نہ لگاؤ۔

ارمانوسہ۔ میں ضرور گدگدی کروں گی ورنہ میری بات کا جواب دو۔"

یہ کہکر ارمانوسہ نے انگلیاں اس کے مخملیں شکم سے مس کر دیں۔

جلترنگ سا بجنے لگا اور رابعہ نے پھولتے ہوئے دم کے ساتھ کہا۔

"بڑی بات ہے اور بڑے شرم کی بات ہے۔ میں کیا جواب دوں؟

ارمانوسہ۔ بڑی اور شرم کی بات کیوں؟ عیسائی لڑکیاں تو آزادی سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتی ہیں اور آزادانہ طور پر اپنی محبت کا اظہار کرتی ہیں۔

رابعہ۔ لیکن ہم مسلمانوں میں یہ باتیں معیوب اور بے حیائی پر محمول کی جاتی ہیں۔

ارمانوسہ نے اس کی اہمیت کو سمجھ لیا اور صرف اس بنا پر کہ چند ہی دنوں میں رابعہ نے

اس کی فطرت صالحہ کو نیکی اور خوشخوئی کی طرف مائل کر دیا تھا۔ مگر اس نے یہ کہکر پھر اصرار کیا کہ یہ بات مجھی تک محدود رہے گی، میری اچھی بہن مجھ سے ضرور بتا دے۔

اس کے اصرار سے زیادہ اس کی آنکھوں میں التجا تھی اور التجا میں خلوص تھا۔ اس لئے رابعہ مجبور ہو گئی اور شرم آگیں لہجہ میں کہا۔

"ہاں! میں سالم کو پسند کرتی ہوں۔" یہ کہکر اس نے آنچل سے اپنا منہ چھپالیا۔

ارمانوسہ۔ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔ اور بھائی سالم کی آنکھیں بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کر رہی تھیں۔ سالم بھائی خوش قسمت ہیں۔

رابعہ اب بھی شرما ئی جا رہی تھی اور شرم وحیا نے اس کو حد درجہ دلکش بنا دیا تھا۔

یکایک ارمانوسہ کو ایک بھولی بسری بات یاد آ گئی اور اس نے اُداس لہجے میں کہا۔

رابعہ بہن۔ مرحوم چچا جان نے اپنی موت سے چند گھنٹے پیشتر ایک چھوٹا سا بکس دے کر فرمایا تھا کہ اس کو کسی وقت کھولنا۔

رابعہ، ہاں! مجھے بھی یاد آیا کہ تم نے ایک روز اس کا تذکرہ کیا تھا۔

ارمانوسہ۔ میں نے اسے بکس میں رکھ دیا تھا اور بھول گئی تھی۔ آج یاد آ گیا ہے، کہو تو نکالکر دیکھوں۔

رابعہ۔ ضرور دیکھنا چاہئے۔ ممکن ہے کوئی ضروری بات معلوم ہو۔

ارمانوسہ اٹھی اور دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے وہ چھوٹا بکس نکالا اور رابعہ کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اسے کھولو۔

رابعہ۔ پیاری بہن! تم ہی کھولو نا۔

ارمانوسہ۔ نہیں تم میری اجازت سے میرا دل اس وقت قابو میں نہیں ہے۔

واقعی ارمانوسہ رو رہی تھی۔ آہ! غریب لڑکی کو اس کا شفیق چچا یاد آ رہا تھا جو اس کو

دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔

رابعہ بھی مغموم تھی۔ تاہم اس نے بکبس کھولا تو ایک خط اور ایک نقشہ نکلا۔
یہ خط شامی زبان میں تھا۔

"میری پیاری بیٹی!

اس نقشہ کی مدد سے تو وہاں پہنچنے کی کوشش کر جہاں تیری ضرورت ہے۔ رابعہ کو ساتھ رکھنا اور اپنے والد سے کہہ کر کسی معتمد آدمی کی رہنمائی میں جانا۔ وہاں تجھے میرا وصیت نامہ ملے گا۔ اس پر عمل کرنا۔

خط کو پڑھ کر ارمانوسہ نے نقشے پر نگاہ ڈالی۔

یہ نقشہ ایک سرنگ کی راہ سے اُسے قلعہ حلب کی شمالی پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جو عربوں کے حصار سے باہر تھا۔ ارمانوسہ بارہا اس پہاڑی پر اپنے چچا کے ہمراہ گئی تھی اور اس مکان کو بھی دیکھا تھا جسے اس کے چچا نے پہاڑ کاٹ کر بنوایا تھا۔ اس مکان کا پر پیچ راستہ ایک غار سے ہو کر جاتا تھا۔ لیکن بظاہر یہ غار غیر مستعمل اور کانٹوں سے محصور تھا۔

دونوں لڑکیاں کچھ سوچتے سوچتے سو گئیں۔

صبح کو ناشتے وغیرہ سے فراغت کر کے ارمانوسہ اپنے باپ کے پاس گئی اور کہا۔

ابا جان! آج میں رابعہ بہن کے ہمراہ مرحوم چچا کے اس پہاڑی مکان میں جانا چاہتی ہوں جس کو انھوں نے بڑے شوق سے بنوایا تھا۔

یوقنا کے منہ سے ایک دبی ہوئی آہ نکلی۔

اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جا سکتی ہو، وہ جگہ محفوظ ہے۔ بوڑھے "نورس"، اور میکائیل کو ساتھ لے لو۔

رابعہ کو بے جا سکتی ہو وہ ایک نیک نہاد و بے ضرر لڑکی ہے۔

ارمانوسہ نے باپ کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرے میں واپس آکر "نورس" اور

میکائیل کو بلوا کر ان کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

ارمانوسہ، رابعہ، نورس اور میکائیل یہ چاروں سرنگ کی راہ سے شمالی پہاڑی پر

جا نکلے اور پہاڑی کے پُر پیچ راستوں کو طے کرتے، نشیب و فراز کو پھلانگتے ہوئے

ایک ایسے مقام پر جا پہنچے، جہاں کوئی شخص جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔

یہاں کانٹے دار جنگلوں سے گھرا ہوا ایک غار تھا۔ غار کے منہ پر کانٹے دار

ڈالیاں چھائی ہوئی تھیں۔

نورس اور میکائیل یوحنا اور یوقنا کے معتمد اور پرانے وفادار ملازم تھے ان دونوں

نے ارمانوسہ کو گودیوں کھلایا تھا وہ اس مکان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے

انھوں نے کانٹے دار ڈالیوں کو غار کے منہ سے ہٹایا اور غار میں داخل ہوئے، رابعہ

اور ارمانوسہ کو بھی پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں ایک خفیہ کمانی تھی جس کو ایک طرف دبانے سے ایک سیڑھی دار راستہ

ظاہر ہوا جس کے ذریعہ وہ نیچے اترے، دس فٹ کی گہرائی میں ایک پھاٹک ملا جو پتھر

کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

اس کے کھولنے کا طریقہ بھی خفیہ اور عجیب و غریب تھا۔

پھاٹک کھول کر سب لوگ اندر داخل ہوئے تو ایک سرنگ نما راستہ ملا جو

کچھ دوری پر جا کر ایک دالان پر ختم ہوتا تھا اس دالان کی پورب کی دیوار میں ایک خفیہ

کمانی تھی جس کو دبانے ہی ایک جھٹکے کے ساتھ دیوار کا کچھ حصہ ایک طرف ہٹ

گیا اور سب کے سب ایک کشادہ اور خوبصورت کمرے میں پہنچ گئے۔

رابعہ نے انسانوں کی صناعی کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس لئے وہ بہت متعجب تھی۔

کمرے کے ایک گوشے میں لکڑی کا ایک خوبصورت سا بکس رکھا ہوا تھا جسے یوحنا کے اشارہ کے بموجب کھولا گیا جس میں سے ایک چرمی تھیلی برآمد ہوئی تھیلی کھولی گئی تو اس میں ایک چھوٹا سا حریری ٹکڑا نکلا، اس میں تحریر تھا۔

"ارنوس محفوظ مال خانہ کھولیے۔"

ارنوس نے آگے بڑھ کر ٹھوس دیوار میں نقش و نگار کے درمیان پینل کے ایک بٹن کو دبایا۔ دیوار میں خلا پیدا ہوا۔ اندر ایک کشادہ الماری بنی ہوئی۔ یہ الماری بند تھی اور اس کے ایک طاق میں چاندی کا ایک چونگار رکھا ہوا تھا، ارمانوسہ نے چونگا اٹھا کر اس میں سے لپٹا ہوا ایک حریری کپڑا نکالا۔ اس ٹکڑے پر عربی زبان میں ایک خط تحریر تھا۔

میری پیاری لڑکیو! ارمانوسہ اور رابعہ!

میں نے رابعہ کو بیٹی کہا تھا۔ افسوس میری عمر نے وفا نہ کی ورنہ میری تمنا تھی کہ میں اپنی دونوں بیٹیوں رابعہ اور ارمانوسہ کی شادی اپنی مرضی سے کرتا اور دل کھول کر حوصلہ نکالتا۔

عزیز لڑکیو! تمہارا چچا کوئی دنیا دار آدمی نہ تھا۔ تاہم میرے پاس جو کچھ تھا وہ بالکل حلال اور جائز مال ہے جسے میں تم دونوں بہنوں کے جہیز کے لئے چھوڑے جا رہا ہوں۔

یہ تم دونوں کا جہیز ہے۔ برابر تقسیم کر لینا۔ میری روح کو خوشی ہوگی

اور بیٹی ارمانوسہ

میری ایک وصیت سن! میں نے پرانی کتابوں کو کھنگالا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ بجز اسلام کے دوسرا کوئی مذہب حق نہیں ہے۔ نجات اسی کی ہوگی جو اسلام کو قبول کرے گا، چونکہ مجھ سے تجھے قلبی محبت ہے اس لئے میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ تیرا نازک اور پھول سا جسم جہنم کی آگ میں جلے اس لئے میرا مشورہ قبول کر اور مذہب اسلام میں داخل ہو جا! - اس نیک کام میں جتنی جلدی کرے گی اتنا ہی اچھا ہے۔ میں دباؤ نہیں ڈالتا۔ مشورہ دے رہا ہوں مشورہ کو ماننا نہ ماننا تیری خوشی پر موقوف ہے، مجھے تجھ سے ہر حال میں محبت ہے۔ یہی پیغام تیری محترم ماں کے لئے بھی ہے۔

ارلوس اور میکائیل! میرے وفادار دوستو!

چند روزہ دنیا میں انسان کو اپنی زندگی لادینیت میں بسر کرکے اپنی آخرت برباد نہ کرنا چاہئے۔ موجودہ عیسائیت سراسر لادینیت ہے۔ تمہارے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔ نہایت دلسوزی سے میری اور میرے اہل خاندان کی خدمت کی ہے۔ پس میرا فرض ہے تمہاری خدمتوں کا معقول معاوضہ دوں اور وہ معاوضہ یہ ہے کہ تم دونوں سمجھدار ہو اگر ممکن ہو تو بلا جبر و اکراہ اسلام قبول کرکے دنیا و دین کی زندگی سدھار لو۔

شام و روم کا نقشہ تبدیل ہونے والا ہے، عیسائیت مغلوب ہو رہی ہے باطل کو مٹنا ہی ہے حق کا اُجالا آ گیا۔

میرا بھائی بھی جلد ہی مسلمان ہو جائے گا۔ میں نے اس کے لئے دعا کی ہے انشاء اللہ میری دعا رائیگاں نہ جائے گی۔

میری پیاری بھتیجی!

اپنے محبت کرنے والے چچا کو فراموش نہ کرنا۔ دعائے خیر سے یاد کرتی رہنا اور ایصال ثواب کی کوشش کرنا والدعا۔

ارنوس اور میکائیل کا حصہ الگ ایک پوٹلی میں بندھا ہوا ہے اسے وہ قبول کرلیں۔ خدا حافظ

یوحنا۔

رابعہ روتی جاتی تھی اور خط پڑھتی جاتی تھی۔

ارمانوسہ کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ارمانوس اور میکائیل زار زار رو رہے تھے۔ روتے روتے جب دل کی بھڑاس کم ہوئی تو ارمانوسہ چلا اٹھی۔

میری اچھی رابعہ! مجھے دوزخ کی آگ سے نکال، جلدی کر، میرا چچا جھوٹا نہیں تھا اس نے ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا۔ وہ ولی تھا۔ اس کا دیا ہوا جہیز میں مسلمان ہونے سے پہلے نہ دیکھ سکتی ہوں نہ چھو سکتی ہوں۔

رابعہ۔ پیاری بہن! پہلے خوب سوچ سمجھ لو، مذہب کے معاملے میں جذبات سے کام نہیں لینا چاہیے۔

ارمانوسہ۔ میں نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے۔ میں جذبات سے کام نہیں لے رہی ہوں۔ اسلام ہی حق ہے۔ جلدی کرو۔

رابعہ نے خوش ہوکر ارمانوسہ کو کلمہ پڑھایا اور مسلمان کرلیا۔

ارمانوس اور میکائیل بھی یوحنا کے بڑے معتقد تھے۔ یوحنا کی تحریر سن کر ان کے چہروں کو بھی نور خداوندی نے اپنے ہالے میں لے لیا اور دونوں نے ہاتھ بڑھا کر کلمہ پڑھانے کی استدعا کی۔

اس طرح تین سعید روحیں اسی وقت داخل اسلام ہوگئیں۔

اس کے بعد الماری کھولی گئی جو بے شمار اشرفیوں، ہیرے جواہرات اور قیمتی زیورات سے جگمگا رہی تھی۔ سب کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

الماری کے دوسرے خانے میں ارنوس اور میکائیل کے لئے بہت سی اشرفیاں تھیں، اتنی کہ ان کی ساری زندگی فراعنت سے گزر جائے۔

مگر ان سعید روحوں کو چونکہ ایک دولت ایمان مل گئی تھی اس لئے حرص و طمع باقی نہیں رہ گئی تھی۔ کسی نے اس دولت کو ہاتھ نہیں لگایا۔

ارمانوسہ نے رابعہ سے پوچھا۔

پیاری بہن! اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

رابعہ۔ میری رائے شاید مختلف ہو۔

ارمانوسہ۔ یعنی؟

رابعہ۔ یعنی یہ کہ ہم نے قبول کیا، مگر اسے بجنسہ بند کر دو۔ ہم بعد کو اس کے متعلق فیصلہ کریں گے کہ اس کا بہترین مصرف کیا ہو سکتا ہے۔ جس سے چچا یوقنا کی روح کو ثواب پہنچتا رہے۔ البتہ تم کو اپنے حصے کے متعلق اختیار ہے۔

ارمانوسہ۔ میری بھی خواہش یہی ہے۔

ہاں چچا ارنوس اور میکائیل اپنا حصہ ضرور لے لیں۔ ان کے بال بچوں کے کام آئے گا۔

میکائیل۔ اب بال بچوں سے ہمارا کیا رشتہ۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہم سے تعلق رہنا ہے ورنہ نہیں۔ ہماری زندگی آپ دونوں کی خدمت میں بہتر کٹ جائے گی ہمارے حصوں کو بھی مناسب فیصلہ اور وقت تک بند رکھئے!

ارنوس۔ "ہم نے بہت بڑی دولت پالی ہے، اب ہمیں اس کی مطلق ضرورت نہیں
خدا یوحنا کی روح کو جنت میں سکون دے۔ انھوں نے ہم کو خوب نوازا۔

ارمانوسہ۔ کیا ابا جان سے اس کا تذکرہ کر دیا جائے۔

میکائیل۔ میرے خیال میں ابھی نہیں، بہتر وقت کا انتظار کیجئے۔

رالبہ۔ میری بھی رائے یہی ہے۔

ارنوس۔ ملکہ محترمہ کو یہ خط ضرور سنا دیجئے۔

ارمانوسہ۔ میں بھی یہی مناسب سمجھتی ہوں۔

سب کے سب خزانے کو اسی طرح بند کر کے تہ خانے سے باہر نکل آئے۔ کانٹے دار ڈالیاں غار کے منہ پر پھیلا دی گئیں۔

شاہی محل میں واپس آکر ملکہ کو یوحنا کا خط اور پیغام سنا دیا گیا ملکہ زار زار رونے لگی۔ جب کچھ دیر کے بعد اس کی طبیعت بحال ہوئی تو وہ بھی فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

خدا جن کو ہدایتیں دیتا ہے وہ نیک کام میں تاخیر نہیں کرتے۔ ان کے دلوں کے دروازے رالبہ نے پہلے ہی کھول دئے تھے۔ یوحنا کا پیغام نور خداوندی لے کر داخل ہو گیا۔ پاک روحیں کفر کی تاریکیوں سے آفتاب اسلام کی روشنی میں آگئیں۔

—— جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا ——

چودہواں باب

خوفناک جنگ

مسلمانوں کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یوقنا کی امداد کے لیئے ایک زبردست لشکر امروز فردا میں پہنچنے والا ہے۔ یہ خبر ایک عیسائی جاسوس کے ذریعہ ملی تھی۔ قلعہ میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

عشا کی نماز کے بعد تمام صحابہ کرام ایک جگہ جمع ہوئے اور مشورہ ہونے لگا کہ آنے والی فوج کا یہیں انتظار کیا جائے یا آگے بڑھ کر اس کو روکا جائے۔

حضرت ضرار۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تھوڑی سی فوج بھیج کر عیسائی فوج کو آگے روکنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت خالد۔ میں بھی یہی بہتر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اگر پوری فوج اپنا محاصرہ اٹھا کر آگے بڑھے تو اس میں سبکی بھی ہے اور خسارہ بھی۔ خسارہ یہ کہ یہ محاصرہ مہینوں سے ہے اور یک بیک اس کو اٹھا دینے کے معنے یہ ہوں گے کہ از سر نو ہمیں محاصرہ کرنا پڑے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جبلہ بن ایہم بادشاہ غسان کی قیادت میں صرف تیس ہزار کا لشکر ہماری طرف آرہا ہے۔ اس کو تھوڑی سی اسلامی فوج کی مدد سے شکست دے دینا یا روک دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ انشاءاللہ وہ بھگوڑا ہمارے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔

حضرت خالدؓ نے جبلہ بن ایہم کو بھگوڑا اس لئے کہا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ پہلے وہ نصرانی عرب تھا۔ قبیلہ غسان مشہور قبیلہ تھا وہ ایک چھوٹے سے ملک کا ہرقل کی جانب سے خود مختار نگراں تھا۔ مسلمان ہو کر طواف کعبہ کر رہا تھا۔ اس کی بدقسمت

عبا کا لمبا چوڑا دامن پیچھے زمین پر جھاڑو پھیر رہا تھا۔ مزاجاً وہ متکبر تھا اور ابھی چند ہی دن ہوئے کہ وہ مسلمان ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک مسلمان کا پاؤں اس کے دامن پر پڑ گیا۔ اس نے برہم ہو کر غریب مسلمان کے منھ پر ایک چپت مار دیا۔ جبلہ قوی ہیکل اور تنومند آدمی تھا۔ اس کے چپت سے غریب کے چار دانت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ مسلمان کا معاملہ تھا۔ اس نے بطور خود انتقام نہیں لیا۔ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فریاد کی۔ آپ نے جبلہ کو طلب کیا کہ وہ یا تو مسلمان سے معافی مانگے یا جواباً وہ مسلمان بھی جبلہ کے منھ پر ایک طمانچہ مارے۔

جبلہ نے اس کو اپنی ہتک سمجھا۔ اس وقت تو خیر بہانہ کر دیا۔ لیکن رات کو بھاگ نکلا اور مرتد ہو کر ہرقل کی پناہ میں چلا گیا۔ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ جبلہ کو معلوم تھا اس لئے وہ مسلمانوں کی صورت سے گھبراتا تھا۔ تاہم حق نمک ادا کرنے اور اپنی عزت بحال رکھنے کے لئے ہرقل کی جانب سے اس کو مسلمانوں سے جنگ کرنی پڑتی تھی۔

امین الامت نے فرمایا۔

بھائی عبدالرحمٰن (حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بیٹے) بھائی عبداللہ (حضرت عمر رضؓ کے بیٹے) اپنی رائے ظاہر کریں۔

عبدالرحمٰن۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ سردست محاصرہ اٹھا لیا جائے ورنہ ہم پر دو طرف سے مار پڑے گی۔

عبداللہ۔ میری رائے بھی یہی ہے

یکایک حضرت داس ابو الہول رضؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔

یا امین الامت! میری رائے بھی یہی ہے کہ محاصرہ اٹھا کر مسلمان قلعہ سے کچھ دور کی پر چلے جائیں۔ میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے جس کو میں ابھی ظاہر نہ کروں گا۔ کل کی جنگ

کے بعد میں بتاؤں گا کہ میری سوچی ہوئی تدبیر کیا ہے؟

امین الامت۔ خیر میں اصرار نہیں کرتا۔ خدا تمہاری تدبیر کو مبارک کرے۔ میری بھی رائے یہی ہے کہ کل نماز صبح کے بعد محاصرہ اٹھا کر ہم آگے بڑھ جائیں۔

واس۔ ہاں ایک مناسب فاصلہ تک۔

خالدؓ، تو کیا یہ طے پا گیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔

امین الامت، ہاں! ہر طرف یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ وہ محاصرہ اٹھا کر ایک جگہ مجتمع ہو جائیں اور جہاں واس بتائیں قیام کر دیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صبح کی نماز کے بعد فوج قلعہ کی تینوں جانب سے آ کر جمع ہوئی اور ایک جانب چل پڑی۔ فصیل پر تمام عیسائی کھڑے واپس جاتی ہوئی فوج کا تماشا دیکھ رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ آوازہ کس رہے تھے یوقنا بھی فصیل پر موجود تھا اور واپس جاتے ہوئے لشکر کی اڑتی ہوئی گرد کو دیکھ رہا تھا۔

جب اسلامی لشکر نظروں سے اوجھل ہوا تو قلعہ کا پھاٹک کھولا گیا۔ یوقنا ۲۰ ہزار عیسائیوں کا لشکر لے کر نکلا اور اسی راہ پر چل پڑا جدھر اسلامی لشکر گیا تھا۔

اسلامی لشکر تین فرسخ کا فاصلہ طے کر کے کسی مناسب مقام پر قیام کرنا ہی چاہتا تھا کہ سامنے گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی۔ تین چار جیالے مسلمان پتہ لگانے کے لئے آگے بڑھ گئے۔ اسلامی فوج نے احتیاطاً جنگی قاعدے سے اپنی صفیں قائم کر لیں۔

اتنے میں ایک جاسوس گھوڑا دوڑا کر امین الامت کے پاس آیا اور اس نے خبر دی کہ یوقنا ایک زبردست لشکر لئے ہوئے تیزی سے بڑھا آ رہا ہے۔ غالباً

اس کا مطلب پشت پر حملہ کر دینے کا ہے۔

امین الامت نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر انھوں نے مسکرا کر کہا۔ بھائی واس آپ تمہاری رائے صائب تھی۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ عبدالرحمٰن اور بھائی عبداللہ ایک دستہ لے کر خاموشی سے پہاڑوں میں چھپ گئے ہیں۔

یہ کہکر، نصف فوج کا رخ انھوں نے یوقنا کی طرف کر دیا۔ اور ان پر حضرت عاصم، واس ابو الہول، کعب بن بشر اور حضرت ابو سفیان کو قائد مقرر کیا اور جس حصہ فوج کا رخ نئے آنے والے لشکر کی جانب تھا اس پر حضرت ضرار، حضرت خالد، عدی بن حاتم، مالک بن اشتر نخعی وغیرہ کو افسر مقرر کیا۔ سواروں کے دستے پیادہ صفوں سے آگے تھے۔ گھوڑے عیاں سے عیاں اور کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے کھڑے تھے۔ سوار نیزے سیدھے کر کے ہتھیلیوں پر جمائے ہوئے۔ تیر اندازوں کے دو دستے اصل فوج سے کٹ کر دو طرف ہو گئے۔ ایک دستہ شمال مغربی گوشے کی طرف جا کر ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر پتھروں کے اوٹ میں چھپ گیا اور ایک دستہ جنوب مشرقی کونے کی طرف جا کر ایک تنگ گھاٹی میں بیٹھ رہا۔

اسلامی فوج کی تعداد صرف ۱۹ ہزار تھی۔ اس میں سے بھی دو ہزار کا ایک دستہ حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالرحمٰن کی قیادت میں احتیاطی طور پر اسلامی فوج سے کٹ کر شاہراہ سے ہٹ گیا تھا اور پہاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔

اس کا مشورہ حضرت واس نے دیا تھا۔ ان کو اندیشہ تھا کہ مکار یوقنا اس موقع کو ضائع نہ کرے گا۔ اس لئے یہ دستہ اسی طرح اصل فوج سے جدا ہوا کہ خود لشکر میں بہت سے لوگوں کو اس کا حال معلوم نہ تھا۔

جب یہاں فوج کی ترتیب دی جا رہی تھی تو پتہ لگانے والے تیزی سے گھوڑا

دوڑتے آئے اور بتایا کہ دشمن کا عظیم لشکر طوفان برق و باد کی طرح چلا آرہا ہے
امین الامت نے پھر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا۔ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے
کہا۔

بھائیو! رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام لیواؤ
تم جوع البقر کی بیماری میں مبتلا ہو کر ملک گیری کے لئے نہیں نکلے ہو۔ تم اپنے
نبی کا پیغام لے کر چلے ہو۔ تم کفر و شرک کو مٹانے کے لئے نور توحید لے کر آئے
ہو۔ دشمن کی کثرت اور طاقت کی پروا تمہیں نہ ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ کفر کا
غلبہ اسی وقت تک ہے جب تک نور توحید کی کوئی کرن اس کے سینے پر
نہیں پڑتی۔ یہ کرن خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو کفر پہ غلبہ اسی کو حاصل
ہوگا۔ پردہ ظلمات کتنا ہی دبیز ہو مشعل ایمان کی ایک ادنےٰ سی شعاع
بھی اس کا دامن تار تار کر دے گی۔

یہ کثرت، تعداد کی یہ زیادتی خوف و خطر اور اپنی بربادی کے
پیش نظر ہے اور تمہاری قلت ایمان کی حقیقت ہے۔ حقیقت کو نہ کوئی جھٹلا
سکتا ہے نہ ٹھکرا سکتا ہے۔

تمہارے نبی کریمؐ نے تمہیں فتح کی بشارت دی ہے۔ یہ بشارت جھوٹی
نہیں ہو سکتی۔ تمہاری فتح یقینی ہے۔

بڑھو اور دشمنوں پر ثابت کر دو کہ مسلمان مرتے نہیں بلکہ شہید ہوتے
ہیں۔ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور جنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ بڑھو اور
جنت میں داخل ہو جاؤ!

اسی قسم کی تقریر حضرت ابو سفیان نے کی۔ تمام مسلمانوں کے چہرے جوش سے

تمتمانے لگے اور وہ جنگ کے لئے مستعد ہوگئے۔

سامنے سے جبلہ بن ایہم کی فوج گرد و غبار کے بھبکے اڑاتی ہوئی آئی اور آتے ہی مسلمانوں سے ٹکرا گئی۔ مسلمانوں نے نیزوں سے ان کا خیر مقدم کیا۔ عیسائی بڑے رو میں آئے تھے لیکن آتے ہی ہزاروں نیزے سے چھد کر گر پڑے۔ اتنے میں بازو سے بے حساب تیروں کی بوچھاڑ پڑی اور ہزاروں پیادے چشم زدن میں الٹا گئے اور جب تک وہ صورت حال کو سمجھیں اس وقت تک دوسری اور تیسری باڑھ پڑی اور دشمن گر گر کر کبوتر کی طرح لوٹنے لگے۔ پھر تو تیروں کا تانتا بندھ گیا۔ چابک دست عرب تیر انداز ہمیشہ ایک ساتھ سوفار چڑھاتے، چلہ کھینچتے اور تیر پھینکتے ہیں۔ یہ تیر سیمرغ کی طرح پر کھولے ہوئے، پیک قضا بنے ہوئے دشمنوں کی چھاتی پر پڑ رہے تھے اور سینوں کو توڑتے ہوئے، ہسلیوں کو کھولتے ہوئے دل و جگر کو بیدھتے ہوئے آنکھوں کو پھوڑتے ہوئے سینے کے پار اور گدی کے پیچھے ہو رہے تھے۔ موت نے عیسائیوں میں ڈیرا ڈال دیا تھا اور اپنی خوراک چن رہی تھی۔ ان تیروں کا علاج سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تیر انداز ان کی دسترس سے باہر تھے اور خود تیر اندازوں کی زد پر تھے۔

جس وقت ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ اسی وقت یوقنا پورے جوش و خروش کے ساتھ عقاب و شاہین کی طرح آ ٹوٹا۔ لیکن اس کی توقع کے خلاف مسلم دستے چشم براہ تھے اور ان کا رخ دشمن کی طرف تھا۔ تاہم یوقنا نے حملے کی شدت میں کمی نہ کی لیکن جواب برابر سے زیادہ ملا اور عربوں کے جانستان تیروں نے عیسائیوں کو لبیک کہا۔ دوسرا حملہ خود عربوں کی طرف سے ہوا اور اس حملہ میں ان کے تیروں نے زیادہ کھل کر اپنا کام کیا۔ عربوں کی

روایتی نیزہ بازی اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کر رہی تھی۔ ہزاروں سوار نذرِ اجل ہو کر گھوڑوں کے قدموں میں آپڑے اور یہ سلسلہ قائم رہا۔ حضرت کعب بن بشیرؓ، عدی بن حاتمؓ، حضرت عاصمؓ، ضرارؓ اور حضرت خالدؓ دونوں جانب پرے کا پرا صاف کر رہے تھے اور ایک صف کو توڑ کر دوسری صف میں جا گھستے اب نیزے بے کار ہو گئے۔ تلواروں کی نوبت آئی۔ حضرت خالد شیر ببر کی طرح حملے کرتے اور دشمنوں کو کاٹتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف گزر جاتے تلوار خون اگل اگل کر گلنار بنتی جا رہی تھی۔ لیکن حضرت ضرار کو نیزے کی لڑائی مرغوب تھی وہ ننگے بدن گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھے قضائے مبرم بنے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا پڑتے جس عیسائی کو ان کے نیزے کی ہوا بھی لگ جاتی وہ چھوئی موئی بن جاتا۔ موت کی نیند اس کا ٹیٹوا دبا دیتی عیسائی ان سے کترانے اور ڈرنے لگے تھے۔

اتنے میں یوقنا کے پیادوں پر بھی سنسناتے ہوئے تیروں کی ایک زبردست زد پڑی اور ہزاروں روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں۔ تن بے جان مٹی کے تودے کی طرح زمین پر آرہا۔ ابھی یہ محسوس بھی نہ کر پائے کہ یہ قضا کے فرشتے کہاں سے آ دھمکے کہ ایک بار پھر طوفانی تیروں کے خوفناک گدھ عیسائیوں کے جسم پر گرے اور ہزارہا جانوں کو نوچ لے گئے۔ اور پھر تیروں کا سلسلہ بند ہو گیا۔ یوقنا اس کوشش میں تھا کہ وہ عربوں کی صفوں کو توڑ کر جبلہ کی فوج سے مل جائے لیکن مسلمان سد سکندری بنے ہوئے کھڑے تھے۔ کیا مجال ذرا بھی رخنہ ہو کہ عیسائی تو عیسائی اس کی سانس بھی دوسری طرف گزر سکے یکایک مسلمانوں کے میمنہ نے دشمنوں کے میسرہ پر شدید حملہ کر دیا اور ہزارہا

عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر پرے کا پرا صاف کر دیا۔ یوقنا قلب میں تھا وہ نزاکت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ تیروں کی مدافعت اس کے لئے بھی ممکن نہ تھی وہ دیکھ رہا تھا کہ جنگ جلد ہی فیصلہ کن مرحلے پر پہنچنے والی ہے عیسائی جس کثرت سے ہیں اسی کثرت سے مر بھی رہے ہیں اور مسلمانوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔

اسے اس کا بعید تر گمان نہ تھا کہ وحشی عرب متمدن اور تربیت یافتہ افواج کی طرح باضابطہ بساط جنگ بچھائیں گے۔ اس نے خط و کتابت کے ذریعہ جبلہ سے یہ طے کیا تھا کہ وہ سامنے سے حملہ آور ہو، ہم پیچھے سے حملہ کریں گے۔ مسلمان چکی بجاتے چکی کے دو پاٹ میں پس کر رہ جائیں گے۔ لیکن جب مسلمان قلعے کا حصار اٹھا کر چلنے لگے تو اسے زیادہ مسرت ہوئی اور اسے کھل کر قلعہ سے میدان میں آکر تعاقب کرتے ہوئے مسلمانوں کو پسپا کر دینے کا یقین واثق ہو گیا مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

نہ مسلمان بے خبر تھے نہ اپنی پشت سے غافل ابھی یوقنا کی سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی تھی کہ یکایک عیسائیوں کی پشت پر فلک شگاف نعرۂ تکبیر کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس نعرے سے عیسائیوں کے کلیجے دہل گئے، گھوڑے الف ہو گئے ہیبت سے عیسائی اچھل پڑے، یوقنا بھی گھبرا گیا۔

نعروں کے ساتھ ہی حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ دو ہزار کی جمعیت سے بھوکے شیروں کی طرح دشمنوں پر گرے اور پہلے ہی حملے میں دو ہزار عیسائی لڑھک پڑے۔ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ یوقنا مسلمانوں کو چکی کے پاٹ میں لا کر پیسنا چاہتا تھا لیکن خود اس کی ساری وسیع فوج محصور ہو کر

ہو کر رہ گئی اور اس پر تین طرف سے مار پڑ رہی تھی۔ پیادے تو بالکل ہی بے بس اور بے کار ہو کر رہ گئے تھے اور میسرہ مکمل تباہی کے قریب تھا۔ قلب کی حالت کسی قدر قابل اطمینان تھی لیکن پشت سے مسلمانوں کے تازہ دم حملے سے قلب بھی خطرات سے قریب تر ہو گیا۔

یکایک حضرت ابو سفیان کے دستے نے علیسائیوں میں ہڑبونگ مچا دیا۔ ان کے دستے میں یمنی جانباز زیادہ تھے ان کی جنگ کا طریقہ بنیادی یوں جیسا تھا وہ مرنا اور مارنے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ جب یہ کندھے سے کندھا ملا کر دیوار کی صورت میں بڑھتے تھے تو بڑھتے ہی چلے جاتے تھے اور وہیں جا کر دم لیتے تھے جس جگہ کو انھوں نے تاک رکھا۔ حضرت سعد ابن عبادہؓ ان کے کماندار تھے وہ ایک ہاتھ میں ہلالی پرچم لیے ہوئے تھے اور دوسرے ہاتھ تلوار چلا رہے تھے۔ ان کی تلوار مہنوسے کی طرح کشتہ علیسائی کو کاٹ رہی تھی اور حضرت ابو سفیان قائد اعظم کی حیثیت سے اس دستے کو ہدایات دے رہے تھے اور نیزے سے کام لے رہے تھے۔ نیزہ گتھم گتھی جنگ میں تلوار سے بہتر کام کر رہا تھا اور دشمنوں کو قید ہستی سے آزاد کر رہا تھا۔

یہ دستہ سیدھے قلب کی طرف بڑھ رہا تھا اور پشت کی جانب سے عبد اللہ ابن عبدالرحمٰنؓ کا دستہ قیامت کی جولانیاں دکھاتا، عرصہ ہستی کو تنگ کرتا اور میدانِ جنگ کو میدانِ قیامت بناتا ہوا قبا کی طرف بڑھ رہا تھا اس نے تھوڑی ہی دیر میں میدان کو لاشوں سے پاٹ دیا۔ پیادے بہت کچھ عربوں کی مسلسل تیر اندازی سے صاف ہو چکے تھے۔

جبلہ کی فوج کی حالت اس سے زیادہ ناگفتہ بہ تھی۔ مالک بن اشتر نخعی،

ضرار ابن ازورؓ۔ خالد ابن ولید کی برق پاش تلواروں نے دشمنوں کو موت کے منھ میں ڈھکیل کر اگلی صف کو پچھلی صف سے ملا دیا تھا۔ ادھر تیر اندازوں نے بڑی پھرتی اور چالاکی سے اپنے دستے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دستہ تو اپنی جگہ پہ قائم رہ کر بدستور تیر برساتا رہا اور دشمنوں کو بھونتا رہا اور دوسرا دستہ نہایت تیزی سے چل کر دشمن فوج کے پیچھے آگیا اور پھرتی سے تیروں پر تیر برساتا رہا اور دشمن قلابازیاں کھاتے رہے۔ موت نے گویا ان کا گھر دیکھ لیا تھا۔ آگے پیچھے دونوں طرف یکساں رہنگ رہی تھی اور زندگی کو کہیں پناہ نہ تھی۔ واقعی موت ہی برحق ہے۔ حالانکہ جبلہ کی فوج میں بھی عرب ہی زیادہ تھے۔ عرب تنفرہ، خون ایک ہی طرح کا ان کی رگوں میں بھی گردش کر رہا تھا۔ طبائع ایک تھے۔ جنگ کا ڈھنگ بھی ایک ہی تھا۔ مگر خدا جانے کیوں ان کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بالکل کند اور زنگ آلود ہو گئی تھیں اور ہارنے کے مقابلے میں مرنا زیادہ پسند کر رہے تھے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت ضرارؓ دونوں کی تمام تر کوششیں یہ تھیں کہ وہ کسی طرح جبلہ تک پہنچ جائیں اور اس مرتد کو آج اچھا سبق دے دیں۔ جبلہ جنگ کی صورت حال کو بھیانک دیکھ کر کانپا جا رہا تھا۔ وہ حضرت ضرار اور خالد کی کوششوں کا مفہوم سمجھ کر سہما جا رہا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر وہ کسی مسلمان کی زد پر آگیا تو وہ کسی طرح اس سے درگزر نہ کرے گا جبلہ بزدل نہ تھا۔ لیکن وہ بھانپ چکا تھا کہ جنگ کا توازن بگڑ چکا ہے۔ اس کی فوج تین تہائی کے قریب کٹ چکی ہے۔ جبلہ نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ پروگرام کے مطابق اب یوقنا سے مل جانا مشکل ہے کیونکہ خود یوقنا کو بھی مسلم فوج نے اس بُری طرح الجھا لیا ہے کہ اس کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

وہ یہی کچھ سوچ رہا تھا۔ اور طلائی چتر کے نیچے کھڑا تھا کہ یکایک اس کے

باڈی گارڈ کے چار آدمی یکے بعد دیگرے مجروح ہو کر گرے اور جبلہ کی نظر حضرت ضرار پر پڑی جو ننگے بدن گھوڑے پر سوار اپنے خوفناک نیزے سے پانچویں سوار کی روح قبض کر رہے تھے۔

جبلہ بھی گھوڑے پر سوار اپنی جگہ پر گھوڑے کو جمائے ہوئے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا۔ ضرار پر نگاہ پڑتے ہی گھبرا کر بھاگا۔ حضرت ضرار یہ کہتے ہوئے جھپٹے۔

او بزدل ملعون کہاں بھاگا جاتا ہے، اپنا حصہ لیتا جا۔

یہ کہتے ہوئے پوری طاقت سے نیزہ مارا لیکن نیزہ گھوڑے کے پچھلے حصہ پر پڑا جبلہ بچ گیا۔ گھوڑے پر نیزے کا بھرپور وار پڑا تھا۔ وہ اُلٹ گیا۔ مگر جبلہ جان بچانے کے لئے گھوڑے سے کود کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ضرار کو باڈی گارڈ نے الجھالیا۔

طیش میں آکر ضرار نے نیزے کو ایک نئے ڈھنگ سے جنبش دی اور یکے بعد دیگرے متواتر وار کئے اور کئی سپاہیوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ باڈی گارڈ کا دستہ بھی اس آفت ناگہانی کا کوئی علاج نہ پا کر قدم بردا شتہ ہو گیا۔ جبلہ پہلے ہی بھاگ کھڑا ہوا تھا اس لئے بقیۃ السیف فوج کے قدم اکھڑ گئے اور نہایت انتشار کے ساتھ اسی رخ بھاگی جدھر سے آئی تھی۔ مسلمان مارتے کاٹتے ہوئے دور تک پیچھے لگے چلے گئے۔ مشکل سے چند ہزار نفوس اپنی جان سلامت لے گئے۔ جبلہ بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھا اس لئے وہ بچ گیا۔

یوقنا بھی اپنی فوج کا تین حصہ اور ساری پیدل فوج کو کٹوا چکنے کے بعد بری طرح بھاگا اور براہ راست قلعہ کے پھاٹک سے داخل ہونے کی جرأت

نذر کے جنگل میں گھس گیا اور خفیہ راستے سے قلعہ میں داخل ہو گیا۔

اس طرح اس خوفناک جنگ کا اختتام ہوا جو یوقنا اور جبلہ کے سوچے سمجھے پروگرام کے متعلق مسلمانوں کے استیصال کے لیے لڑی گئی تھی۔ مگر اس کا ردعمل الٹا ہوا۔

جبلہ اور یوقنا کی فوج کم و بیش بچپن ہزار تھی جس میں سے ۳۵ ہزار کے قریب ماری گئی اور مسلمان صرف دو سو بارہ شہید ہوئے۔

مسلمانوں کو اتنے مسلمانوں کے مارے جانے کا سخت ملال ہوا۔ سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر مسلمانوں کی تمام لاشیں جمع کی گئیں اور جنازے کی نماز پڑھ کر سب کو ایک ہی گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔

مسلمان اگرچہ بہت تھک گئے تھے لیکن وہ جبلہ کا سارا مال و منال اور خیمہ و خرگاہ لوٹ کر ایک کوس پیچھے ہٹ آئے اور حلب سے دو کوس کے فاصلے پر ٹھہر گئے۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ وہاں عیسائیوں کی بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن سے بیماری پھیلنے کا اندیشہ تھا۔

پندرھواں باب

عرفجہ اور سالم

یوقنا نے سالم کو بتادیا تھا کہ اس نے عرفجہ اور ارسوس کو گرفتار کر کے اسی محل میں نظر بند کر دیا ہے لیکن سالم کو عرفجہ سے ملنے کی اجازت ہے اس لئے سالم یوقنا کے کمرے سے نکلا تو اسے عرفجہ سے ملاقات کرنے کی بیتابی ہوئی۔ اس عرفجہ سے جسے سالم اپنے باپ کا قائم مقام سمجھتا تھا اور جس سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ خود عرفجہ کی لامحدود شفقتوں کا ادنیٰ سا اندازہ یوقنا کی اس گفتگو سے کیا جا سکتا ہے جس میں اس نے بتایا تھا کہ کس طرح عرفجہ موت کی لڑائی لڑ کر سالم تک پہنچنا چاہتے تھے اور کشتوں کے پشتے لگائے تھے۔ کس طرح یوقنا نے دوران جنگ ان کی گرفتاری کی پوری کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے اور پھر سالم کی گرفتاری کے بعد اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر قلعۂ حلب میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر یوقنا کی باخبری نے ان کو گرفتار اور نظر بند کرا دیا۔

لیکن اگر سچ پوچھئے تو ایک لحاظ سے ان کی گرفتاری مفید ہی رہی کہ وہ جلد سے جلد سالم تک پہنچ گئے ورنہ سالم تک پہنچنا ان کے لئے اس قدر آسان نہ تھا۔ اگرچہ سالم کو کچھ چھوٹی چھوٹی آزادیاں یوقنا نے دے رکھی تھیں مگر وہ نہتا تھا اس کے ہتھیار ضبط تھے۔ اس پر نگراں مقرر تھے اور وہ یوقنا کی اجازت اور مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھا نہیں سکتا تھا۔

عرفجہ اور ارسوس سے ملنے کی اجازت پاکر وہ باہر نکلا تو خادم شاید پہلے

سے ہدایت یافتہ تھا۔ اس نے کہا۔

آپ کو نئے قیدیوں سے ملاقات کرنا ہو تو ادھر آئیے!

سالم خاموشی سے پیچھے پیچھے ہو گیا اور اس کمرے میں پہنچا جہاں عرفجہ اور ارسوس بیٹھے ہوئے تھے۔

سالم نے جونہی کمرے میں قدم رکھا اور عرفجہ کی نگاہ اس پر پڑی تو بے تابی سے اٹھ کر یہ کہتے ہوئے۔

سالم، میرا بیٹا سالم سالم، میرا ننھا آقا۔۔۔۔۔۔

فرط جذبات سے ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

سالم چلایا۔

میرے عم محترم! میرے بزرگ۔ میرے مخلص کرم فرما۔

سالم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

یہ خوشی کے آنسو تھے۔

عرفجہ۔ آہ! میرے بیٹے! میں تجھے کھو کر سخت رنجیدہ اور نادم تھا میں مر رہا تھا۔

تیری والدۂ محترمہ کو کیا جواب دوں گا۔ کون سا منہ دکھاؤں گا۔ آ میرے لال تو نے مجھے سرخرو کیا۔ تیرے باپ کی روح سے شرمسار نہ ہوں گا۔ میری کھوئی امانت آ میرے سینے سے لگ جا۔

سالم سینے سے لگا ہوا بچوں کی طرح سسک رہا۔ عرفجہ زار زار رو رہے تھے اور ارسوس جذبات سے متاثر ہو کر سسکیاں بھر رہا تھا۔

بڑی دیر کے بعد سب کے دل قابو میں آئے۔ تینوں ایک جگہ بیٹھ گئے

عرفجہ نے سالم کی آپ بیتی سنی اور سالم نے خود عرفجہ کی زبانی ان کے احوال سنے اسلامی لشکر کا حال معلوم کیا۔ عاصم وغیرہ کی خیریت دریافت کی۔

اس کے بعد سالم ارسوس کی طرف مخاطب ہوا اور بولا۔

میرے محترم! یوقنا کی زبانی مجھے آپ کے اسلام لانے کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ قدرتی طور پر مجھے بے حد مسرت ہے کہ حلقہ نور میں داخل ہو گئے۔ مجھے آپ سے اسلام کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ حقیقی مذہب وہی تو ہے جس کے اصولوں پر کچھ دنوں چل کر انسان کو اپنے بطون میں روشنی ملے۔ نفس کو اطمینان نصیب ہو اور دین و دنیا کی فلاح نظر آئے۔

کہنے کو تو ہر شخص اپنے مذہب کو اچھا ہی کہتا ہے۔ لیکن اچھائی کے معیار کو اہل علم اور بالغ نظروں سے پوشیدہ نہ ہونا چاہیے۔ کسی شے کو مشک کہہ دینے سے وہ چیز مشک نہیں ہو جاتی مشک کی خوشبو ہی اسے مشک ثابت کرتی ہے۔ پس اگر چند دنوں کے بعد آپ کو کوئی روشنی ملے اور اطمینان قلب نصیب ہو جائے تو وہی اسلام کی حقانیت ہوگی۔

ارسوس بڑی توجہ سے سالم کی عالمانہ گفتگو سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو ارسوس نے کہا۔

"میرے بیٹے! مجھے روشنی مل گئی۔ اللہ نے مجھے روشنی کی طرف کھینچ لیا۔ بھائی عرفجہ فرشتۂ رحمت بنکر میری زندگی میں داخل ہوئے اور مجھکو تباہی سے بچا لیا۔

اب میں نے اپنے متعلق فیصلہ کر لیا ہے۔

اگر اللہ نے مجھے رہائی دی تو میں راہ حق میں جہاد کروں گا۔ جو کام میری زبان نہ کر سکی۔ میری تلوار کرے گی۔ خدا میرے ناتواں بازوؤں میں طاقت دے اور

مجھے شہیدوں کی موت سے نوازے۔

عرفجہ اور سالم نے آمین کہی۔

ارسوس۔ اسلام کی برکت اور حقانیت نے مجھے چند ہی دنوں میں مطمئن کر دیا ہے۔ خدا بھائی عرفجہ کو اجر دے جنھوں نے مجھے نئی زندگی بخشی۔

سالم۔ لائیے اپنا بزرگ ہاتھ میرے ہاتھ میں دیجئے۔ آج سے آپ میرے عم محترم، اور میرے خاندان کے ایک رکن ہیں۔ میرا گھر آپ کا گھر۔ اور میں آپ کا۔ چچا عرفجہ کا یہ بہت بڑا کرم ہے کہ انھوں نے مجھے ایک اور محترم چچا مرحمت فرمایا اللہ ان کو نیک اجر دے۔

ارسوس کی آنکھوں میں سالم کی اس فراخ دلی اور فیاضی سے آنسو آ گئے انھوں نے انتہائے ممنونیت سے سالم کا ہاتھ دبایا اور اس کے سر پہ اپنا شفقت بھرا ہاتھ رکھ دیا۔

عرفجہ کے صحت مند چہرے پر مسرت اور ممنونیت کے ملے جلے جذبات نے پر کیف رنگوں کے ہالے کھینچے۔

سولھواں باب 1

یوقنا اور رابعہ

جبلہ اور یوقنا کی مشترکہ افواج جرار کو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست فاش نصیب ہوئی اور وہ پھر قلعہ بند ہو گیا۔

یوقنا کی جگہ پر اگر کوئی اور ہوتا تو اس آخری شکست کے بعد اس کی ہمت جواب دے جاتی، لیکن یوقنا کچھ اور سوچ رہا تھا۔ اصل میں اہل قلعہ کو کسی بات کی تکلیف نہ تھی اور وہ ادھر عرصہ سے دیکھ رہے تھے کہ یوقنا نے قلعہ والوں کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کر دیا تھا۔ ان کو کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اس لئے ان میں کسی قسم کا بحران نہ تھا۔

وہ سوچ رہے تھے۔

یوقنا جس خلوص سے عیسائیت اور وطن کی خدمت کر رہا ہے قابل قدر ہے اور جس طرح مسلمانوں کو تنگ کر دینے والی جنگ جاری رکھے ہوئے ہے حوصلہ افزا ہے ہو سکتا ہے کہ مسلمان عاجز آ کر محاصرہ اٹھا لیں اور اس سرزمین سے نکل جائیں اور نہ بھی محاصرہ اٹھائیں سال دو سال پڑے بھی رہیں تو اس سے اہل قلعہ کو نہ کوئی نقصان ہے نہ تکلیف۔

یہ جذبات اس قدر عام ہو چکے تھے کہ اس عظیم شکست کی خبر پاتے ہی عوام و خواص اور مذہبی رہنما اس کی خدمت میں آئے اور اس کو یقین و اطمینان دلایا کہ وہ قلعہ بند ہو کر اپنی جنگ جاری رکھے۔ فوجی طاقت بڑھائے۔ ہرقل سے فوجی امداد طلب کرے دیگر عیسائی بادشاہوں سے مذہب کے نام پر فوجی مدد مانگی جائے

عیسائی رضاکاروں کی بھرتی کرکے فوجی تربیت دی جا رہی تھی۔ تجار، ملک اور بڑے لوگ روپے اور اسلحہ سے یوقنا کی مدد کر رہے۔ اہل شہر ہر حال میں ساتھ ہیں۔

یوقنا کی بد دلی اور مایوسی قوم کی زندگی اور بیداری سے امید و مسرت میں بدل گئی اور یوقنا نئی ہمت اور نئے ارادے سے اپنا کام کرنے لگا۔ شہر کی فصیلوں کو مستحکم کیا جانے لگا۔ پھاٹکوں پر لوہے کی چادریں چڑھائی جانے لگیں۔ یوقنا کا بیشتر وقت انتظامات میں صرف ہو رہا تھا۔

ادھر کئی روز سے اس کی ملاقات، ملکہ یا ارمانوسہ سے نہیں ہوئی تھی اگرچہ یوقنا کی ندامت بڑی حد تک مٹ چکی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں ملکہ اور ارمانوسہ کے سامنے اب بھی کھل کر جانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔

ادھر ملکہ اور ارمانوسہ بھی اسلام قبول کر لینے کے بعد یوقنا سے کترانے لگی تھیں۔ بے شک ملکہ کو یوقنا سے عشق تھا۔ مگر مذہب کی تبدیلی کے بعد وہ عشق کہیں رخصت ہو چکا تھا۔ ہاں یہ دلی خواہش ضرور تھی کہ یوقنا بھی اسلام کی روشنی میں آکر اس کا اپنا ہو جاتا۔ ارمانوسہ بھی یہی سوچا کرتی اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ تھی۔

وہ وقت کا انتظار کر رہی تھی۔

خدا اس کی امیدوں کو پورا کرے

ایک دن یوقنا فصیل کے معائنہ سے واپس آکر اپنے کمرے میں سوچ رہا تھا۔ مسلمان قلعہ حلب سے دور خیمہ ڈالے ہوئے ہیں نجانے ان کے کیا ارادے ہیں۔

اتنے میں اسے اپنے معتمد جاسوس کی آمد کی خبر ملی

باریابی کی اجازت پاکر جاسوس حاضر ہوا اور مراسم آداب بجا لاکر کھڑا ہو گیا۔

یوقنا۔ کیا خبر ہے؟

حضورؑ مسلمانوں کی فوج اپنی جگہ سے کوچ کر کے آگے جارہی ہے۔

یوقنا۔ کدھر؟

جاسوس۔ بعلبک کی طرف۔

یوقنا، جانے دو۔

یوقنا خوب سمجھتا تھا کہ مسلمان حلب پر حملہ کر کے اس سے دست کش ہونے والے نہیں ہیں۔ البتہ کچھ دنوں کے لئے ٹل گئے ہیں۔ دو چار ماہ کے بعد ضرور واپس آئیں گے۔ لیکن وہ اس لئے مطمئن ہو گیا کہ اس دو چار ماہ کی مدت میں اس کو تیاری کا کافی موقع مل جائیگا۔

آج مہینوں کے بعد پہلا دن تھا کہ یوقنا جنگی تدابیر، منصوبوں، اور فکروں سے خالی الذہن ہو کر محل گیا اور رار مانوسہ و رابعہ کو طلب کیا۔ ملکہ بھی ساتھ آئی۔

یہ تینوں ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

یوقنا آج قدرے خوش تھا۔

سب کی خیریت دریافت کی اور رابعہ سے پوچھا۔

"کہو بیٹی رابعہ! تم اچھی ہو؟

رابعہ۔ جی ہاں!

یوقنا۔ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔

رابعہ۔ نہیں، آپ لوگوں کی مہربانیوں سے مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

یوقنا۔ والدین تو یاد آتے ہوں گے۔

رابعہ۔ یہ تو قدرتی امر ہے۔ لیکن اب مجھے کوئی بے تابی اور بے چینی نہیں ہے

جب طبیعت کا زیادہ تقاضا ہوگا۔ چلی جاؤں گی۔

یوقنا۔ میں نے تو اجازت دے دی تھی۔ اگر تم اس وقت جانے کو تیار ہو جاتیں تو میں باعزاز تمام رخصت کر دیتا۔ لیکن اب تو اسلامی فوج یہاں سے رخصت ہو کر بعلبک کی طرف چلی گئی۔

رابعہ۔ کب گئی؟

یوقنا۔ آج، کیا تم کو پریشانی ہوئی۔؟

رابعہ، بالکل نہیں، میں جانا چاہوں گی تو آپ مجھے بعلبک میں بھی بھیج سکتے ہیں میرا خیال ہے کہ اب میرے والدین میرے لئے پریشان نہ ہوں گے۔

یوقنا۔ کیوں؟

رابعہ۔ آپ نے میرا خط جو بھجوا دیا تھا۔

یوقنا۔ ہاں ٹھیک تو، مجھے وہ بات یاد ہی نہ تھی۔ تو نے اس خط میں کیا لکھا تھا بیٹی!

رابعہ۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ چچا یوقنا کا میرے ساتھ مشفقانہ سلوک ہے اور میں بعزت تمام شاداں و مسرور اپنی نئی بہن اور ملکہ ماں کے گھر ہوں۔ اپنی مرضی سے ہوں اور جب چاہوں گی۔ آپ لوگوں سے آ ملوں گی۔

یوقنا۔ یہ تو نے بالکل صحیح لکھا۔ سالم اور عرفجہ کے متعلق بھی میرا یہی فیصلہ ہے

رابعہ۔ آپ اتنے اچھے ہو کر مسلمانوں سے لڑتے کیوں ہیں عم محترم!

یوقنا ہنسنے لگا۔

بیٹی تجھے لڑائی جھگڑے کی باتوں سے کیا مطلب؟ تجھ سے تو کوئی لڑائی نہیں

ہے؟

رابعہ۔ باپ بیٹی میں کیا لڑائی ؟ ۔ لیکن آپ جیسا مدبر اور قابل قدر آدمی فطری طور پر جنگ جو نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک آپ نے وطن اور مذہب کی محبت میں جو لڑائیاں مسلمانوں سے لڑی ہیں وہ بے مقصد اور بے معنے ہیں؟

کیوں ؟ یوقنا نے کہا ۔ مسلمانوں نے میرے ملک پر حملہ کیا، میرے مذہب پر حملہ کیا تو کیا میں نہ لڑتا۔

رابعہ، آج مجھ سے ایک وعدہ کیجئے تو میں آپ سے مفصل باتیں کروں۔

یوقنا۔ جی کھول کر باتیں کر بیٹی ! مجھ سے کیا وعدہ لینا چاہتی ہے ؟

رابعہ ۔ یہی کہ باپ بیٹی کی باتوں سے ناخوش نہ ہو گا۔

یوقنا۔ میں ہرگز تجھ سے ناخوش نہ ہوں گا ۔

رابعہ سنبھل کر بیٹھ گئی ۔

آج میں آپ سے لڑوں گی ۔ بیٹی اپنے باپ سے لڑے گی ۔ ضد کرے گی، اور مچلے گی ۔ آج اپنا حق طلب کرے گی ۔ آج میں تل گئی ہوں کہ اس تھوڑی سی بیگانگی کو بھی ختم کر دوں، جو میرے اور آپ کے درمیان ہے۔

میری باتیں غور سے سنئے !

مسلمان میرے ہم مذہب اور ہم رشتہ ہیں میں ان کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں ۔ وہ کبھی حلب کو فتح کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے، یہ ان کی جنگی چال ہے کہ وہ بظاہر یہاں سے ہٹ گئے ہیں ۔ اس لئے آج آپ کے لئے خطرہ قریب ہے خدا ان کے ساتھ ہے ان کو فتح ضرور ہو گی اور آپ کی کوئی تدبیر کام نہ آئے گی اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو آج قلعہ کی حفاظت کا بہتر انتظام کر لیجئے ۔ اب میں آپ کی یا اہل حلب کی بربادی نہیں دیکھ سکتی، میرا آپ سے رشتہ ہو چکا ۔ اب مسلمان

قلعہ کو فتح کر کے بھی حتی الامکان آپ سے درگزر کریں گے اس لئے کہ میرا اور سالم کا وجود آپ کے خاندان میں شامل ہے۔ چچا عرفجہ بھی موجود ہیں۔ مسلمان آپ کے اقتدار کے دشمن نہیں۔ جنگ ہے اصول کی۔ جنگ ہوگی۔ اور ضرور ہوگی۔

آپ کی جنگ کو میں نے بے مقصد اس لئے کہا ہے کہ ملک و وطن اور عیسائیت کی بقا کے لئے آپ نے جو جنگ کی ہے اس کا حاصل کیا رہا۔ کیا ہزارہا عورتیں بیوہ نہیں ہوگئیں، ہزارہا بچے یتیم نہیں ہو گئے، ان کے مقابلے میں اپنی متعدد جنگوں میں آپ نے کتنے مسلمانوں کو مارا، ذرا انگلی پر گن کر بتائیے تو۔

کیا مسلمان گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں یا آپ کی تلواروں میں کاٹ نہیں، مسلمان بھی گوشت پوست ہی کے بنے ہوئے ہیں اور آپ کی تلواریں ان سے زیادہ جوہر دار ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ ان کی جنگ حق کے لئے ہے۔ وہ آپ کے لئے پیغام امن و صلح لے کر آئے تھے درس توحید لے کر آئے تھے آپ کو چاہئے تھا کہ جنگ کرنے سے قبل مسلمانوں سے ملتے وہ بڑے خلیق اور بے ضرر ہیں عربوں کی مہمان نوازی ساری دنیا میں مشہور ہے اگر دشمن بھی مہمان بن کر جائے یا ان کی پناہ میں چلا جائے تو وہ دشمنی کو بھول جاتے اور اپنی جان دے کر اس کی جان بچاتے ہیں، میرا یقین ہے کہ آپ مسلمانوں کا مفہوم سمجھ کر جنگ میں کبھی پیش قدمی نہ کرتے آپ کو آپ کے پادریوں نے بھڑکایا اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف خودساختہ اتہامات لگا کر ان کو بھیانک بنا کر پیش کیا۔

آپ خود سوچئے کہ سنی سنائی باتیں کب قابل اعتبار ہوتی ہیں اور جس عیسائیت کے لئے آپ جنگ کر رہے ہیں وہ عیسائیت ہے کہاں؟ آپ کے عوام کی حالت ناگفتہ بہ ہے، خواص ان سے بدتر ہیں۔ فوجی اور بھی بد اخلاق اور گندے کردار

.... یہ ہیں شراب پی کر جنگ کرنے جاتے ہیں۔ شراب کے پیپے ہمراہ ہوتے ہیں اسلحہ سے زیادہ شراب، فاحشہ عورتیں ہمراہ، رقص و سرود کا سامان وافر، کیا نشہ میں مست اور عیاش لڑائی میں جم سکتے ہیں۔ ان کے اہل وطن اور اہل مذہب کی بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو خود ان کے محافظ علیسائیت اور رضا کاران وطن کے ہاتھوں برباد ہوتی ہے۔ مذہبی رہنماؤں کی حالت ان سے بدتر ہے انھوں نے کلیسا کے قوانین ایسے بنا رکھے ہیں کہ آپ کا اقتدار بھی ان کے آگے سر جھکاتا ہے اور آپ کا قانون ان سے ٹھکراتا ہے۔ کیا کنواری اور پاک دامن حضرت مریم کی عبادت گاہ ہیں وہی برائیاں دھڑلے سے نہیں ہوتیں جو ان سے باہر ہوتی رہتی ہیں اور آپ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے نظر انداز کر دینے پر اس لئے مجبور ہیں کہ کلیسا کی طاقت کے سامنے ہرقل کی شخصیت اور طاقت، بھی پرکاہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی یہودیوں نے صرف ایک بار حضرت علیسیٰ کو مصلوب کیا۔ لیکن ہر علیسائی اور ہر پادری دن اور رات میں ہزاروں بار خدا کے بیٹے کو اپنے اغراض و مقاصد اور نفس سرکشی کی ناپائدار اور مکروہ لذت کے لئے مصلوب کرتا رہتا ہے اور آپ دل میں علیسائیت کا درد رکھتے ہوئے بھی ان برائیوں کو دور نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی جڑیں بہت گہرائی میں پہنچ گئی ہیں۔

آپ متضاد عقائد کے قائل ہیں۔

ایک طرف اللہ کے ایک برگزیدہ پیغمبر کو جو انسان کامل تھے خدا کا بیٹا بنا کر معراج انسانیت کی توہین کرتے ہیں اور دوسری طرف جس کو خدا کے بیٹے کا درجہ دے رکھا ہے اتنا بے بس سمجھتے ہیں کہ یہودی بادشاہ نے ان کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ کسی وقت ایک ایسا انسان بھی ہو سکتا ہے

جو ایک قدم آگے بڑھ کر ..... بیٹے کے باپ یعنی خدا کو بھی پکڑ کر پھانسی پر لٹکا سکتا ہے اور ایسا انسان مستقبل قریب میں اب مفروضہ عیسائیت میں پیدا ہوگا کیونکہ شراب اور سور کے استعمال کی کثرت سے ان میں کا ہر شخص ہیروڈ سے زیادہ سرکش اور پاگل ہو رہا ہے۔

بخلاف اس کے مسلمان اس خدا کو مانتا ہے جس کے نہ ماں ہے نہ باپ اور جو نہ کسی کا باپ ہے نہ ماں۔ وہ عظیم طاقتوں کا خالق کل ہے اور حضرت عیسیٰ کی وہ آپ سے زیادہ عظمت کرتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ یہودیوں کی آنکھوں پر پٹی پڑ گئی۔ ان کی مجال نہ تھی کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کو سولی پر لٹکا دیتے۔ اللہ نے ان کو جو تھے آسمان پر زندہ اٹھا لیا جہاں وہ فرشتوں کی امامت کرتے ہیں اور قرب قیامت میں جب دنیا نجاستوں، کفر و الحاد اور جرائم سے بھر جائے گی تو حضرت عیسیٰؑ اپنے پروردگار کے حکم سے ایک بار پھر زمین پر تشریف لائیں گے اور برائیوں کو مٹا کر دنیا کو نیکیوں سے بھر دیں گے۔

پس آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صحیح طور پر ماننے والے عیسائی ہیں یا مسلمان، پھر وہ مسلمان جو دین عیسےٰ کا اصول پیش کر رہے ہیں کہ گناہوں سے توبہ کرو اور حق پرستی کی طرف آؤ تو کیا برا کرتے ہیں۔

ایک دور تھا کہ حضرت عیسیٰ کی تکذیب صیہونیت کر رہی تھی ایک دور ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم و شریعت کی تکذیب نام نہاد عیسائیت کر رہی ہے اور جب کوئی قوم دین خدا اور سچی عیسائیت کو لے کر آتی ہے تو اس سے جنگ کی جا رہی ہے بالکل اسی طرح جیسے جرائم پیشہ اور ڈاکو لوگوں کی پارٹی امن پسندوں اور قانون والوں سے جنگ کرتی ہے اور نیکوں، غیر ڈاکوؤں کو مٹا دینے پر تل جاتی ہے

پس جب عیسائیت موجود ہی نہیں تو عیسائیت کے لئے جنگ کے کیا معنے۔ آپکی یہ جنگ تو ان شرابیوں، آواروں اور مجرموں کے لئے ہے جو عیسائیت کو روندتے رہتے ہیں۔

وطن کی خدمت بھی نہیں۔ جو سرزمین ناشکروں اور مجرموں کی سرزمین بن چکی ہے آپ اس کی محافظت کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے نا، کہ قانون پسندوں کا اس میں گزر نہ ہو۔ یہ تو سراسر غلط ہوا اور ان مجرموں کے بچاؤ کے لئے آپ نے اب تک ایک لاکھ کے قریب عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم بنا ڈالا۔ ان عورتوں کا حشر کیا ہوگا جرائم پیشہ عیسائی اب آزادی کے ساتھ ان کی آبرو سے کھیلیں گے اور بے سہارے بچے، پستی اور بدکرداری میں آگے بڑھتے جائیں گے۔

بولئے! کیا حضرت عیسیٰ آپ سے باز پرس نہ کریں گے کہ تو نے ہماری شریعت اور ہمارے اصولوں کو ٹھکرانے والوں کی حمایت کرکے براہ راست برائیوں کو پناہ دی۔ کیا خدا کے آنکھیں نہیں، وہ ان بداعمالیوں کو نہیں دیکھ رہا ہے جب وہ عاقبت میں باز پرس کرے گا، تو کنواری مریم، روح القدس، حضرت مسیح وغیرہ جھوٹ بول کر کسی کی سفارش کریں گے۔

اگر ایسا ہو تو رہی سہی نیکیوں کا وجود بھی ختم کر دیجئے جو ایک بے معنے شے کی طرح کسی گوشے میں اس عیسائیت پر بین و بکا کر رہی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو مصلوب سمجھ کر کھلے بندوں جرائم کی ترغیب کی ہے۔

مسلمان ایک عرصے تک آپ کی دیوار کے نیچے پڑے رہے۔ آپ نے ان میں سے کسی کو شراب پیتے دیکھا۔ نشہ میں لڑائی کرتے دیکھا۔ رقص و سرود کے ہنگامے سنے۔ فاحشہ عورتوں کی ٹولیاں دیکھیں۔ کسی عورت پر نظر پڑی اور

کسی کو بے نمازی دیکھا۔

امن اور غیر جنگی حالات میں آپ نے ان کو دن اور رات میں پانچ وقتوں کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تلوار کے سائے میں نماز ادا کرتے ہوئے نہیں پایا۔ ان غیر شرابیوں، اور نمازیوں پر آپ کی تلواریں کیوں کند ہو گئیں، وہ زیادہ قتل کیوں نہ ہوئے، کبھی تو آپ کی بھاری جمعیت نے ان کو مغلوب کر لیا ہوتا۔

سنئیے! اللہ ان کے ساتھ ہے وہ حضرت محمد صلعم کی وساطت سے حضرت عیسیٰ کے دین کا مقصد پورا کر رہے ہیں۔ آپ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ غیر خدا پرست خدا پرستوں کو کبھی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو خدائی کہاں جائے گی

یاد رکھئے! حشرات الارض اور انسان مخلوقات ہونے کی حیثیت سے اللہ کے دربار میں بالکل برابر ہیں انسان کو اسی وقت اولیت، فوقیت اور شرف پانے کا مستحق ہے جب وہ شرف انسانی کا مظاہرہ کرے نہ کہ بہیمیت کا۔

پس اگر آپ کی نگاہ میں عیسائیت موجود ہے تو دل کھول کر لڑئیے اور اگر کہیں نہیں ہے تو ایسا بدل تلاش کیجئے جس سے از سر نو سماج اور انسانیت کی سطح بلند ہو اور انسان اشرف المخلوقات کہلانے مستحق ہو جائے۔

آپ لاکھوں انسانوں کے چرواہے ہیں اگر یہ پستی اور گمراہی کی طرف جا رہے ہیں تو اس کی باز پرس آپ سے ہوگی۔ گناہوں کے براہ راست ذمہ دار آپ ہیں۔

آپ کی قوم، آپ کا وطن، اور آپ کے رہنما اپنے مفاد دنیاوی کے لئے آپ کو دوزخ میں ڈھکیل رہے ہیں۔

آپ سمجھ دار ہیں۔ انصاف پسند ہیں۔ انصاف خدا کی صفات میں سے

ایک بڑی صفت ہے۔ خدا کی ایک صفت کا حامل اگر انصاف کا مظاہرہ نہ کرے مادی ضروریات و مفاصد کے پیش نظر سچائی نیکی اور ایمانداری کی راہ اختیار کرنے میں پہل نہ کرے تو کون کرے گا۔

بتائیے! میرے عم محترم، میرے اچھے بزرگ!

آپ کی حقیقی عیسائیت اور عیسائیت کا درد کس بات کے متقاضی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ اپنا مذہب بدل دیجئے۔ آپ ہر حال میں میرے بزرگ رہیں گے۔

آپ خدا کے لئے بے مقصد جنگ کو رو کئے۔

چچا یوحنا جھوٹے نہ تھے انھوں نے بچپن سے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا اس لئے وہ مرنے کے وقت جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔ انھوں نے اس روشنی کو دیکھ لیا تھا جو انسانی عظمت کو بلند کر کے کشور ملک کی جابی عنایت کرتی ہے اور جنت کا حقدار بناتی ہے۔

وہ آپ کے دشمن نہ تھے آپ کی بیٹی کے عاشق زار تھے، بھائی کے عاشق زار تھے وہ بھائی کو دین و دنیا میں اونچی عزت دیکھنا چاہتے۔ بھائی کو غلط فہمی میں مبتلا دیکھ کر بھی انھوں نے اپنی جان کی مدافعت کو سعادتمندی اور تقاضائے محبت کے خلاف سمجھا۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔

اور آپ نے بے مزاحمت ان کو شہید کر دیا۔

یقیناً احد شہادت بھی ان کے لب پھڑک رہے ہوں گے۔

کیوں نا؟

شاید تقاضائے محبت ان کو آپ کے حق میں دعائے خیر پر مجبور کر رہا ہوگا۔
غلط فہمی نے دنیا میں دو با محبت بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا
تو کیا ہوا ان کی شدید محبت آج بھی آپ کے گرد چکر لگا رہی ہے۔
کس لئے؟

صرف اس لئے کہ اس کا پیارا بھائی، محبت والا بھائی آخرت میں اس سے جدا نہ رہے۔ ابدی زندگی میں دونوں جنت میں ملاقی ہوں اور ہمکنار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ ایک جگہ رہیں۔
آپ حقیقت کو ظاہری خودداری، تمکنت اور غیر فطری تصنع سے چھپانے کی کوشش نہ کیجئے۔

اپنی بے پناہ محبت کو چھپانے کی سعی نہ فرمائیے۔
آپ کی آنکھیں رو رہی ہیں اور ڈھونڈ رہی ہیں دن رات اپنے بھائی کو۔
آپ کا دل رو رہا ہے، مریض و ناتواں ہے۔
آپ کے قلب میں ٹیس اٹھتی ہے
آپ کی پوری رات بے چینی میں کٹتی ہے۔
آپ ننھے یوحنا کی بے جان تصویر کو سینے سے بھینچ بھینچ کر روتے ہیں۔ آپ کی کربناک آوازیں ہم نے سنی ہیں۔
آپ کو تصویر سے عالم خیال میں ہم کلام پایا ہے۔
سوتے جاگتے بھائی کا معصوم چہرہ آپ کی نگاہوں میں سمایا ہے
آپ اپنے یوحنا کو پکارتے ہیں۔
یوحنا۔ تو جھوٹی ہے میری جادوگر لڑکی (دھیا کر) تو جھوٹی ہے۔

رابعہ۔ نہیں واللہ اے چچا جان!

آپ کی جنگ کا مقصد میں بتا دوں؟

یوقنا۔ بتا! یہی تیرا امتحان ہے۔

رابعہ۔ اچھا تو سنئے!

صرف ایک مقصد ہے محض ایک۔

بھائی کے غم میں آپ کی زندگی سنسان ہو گئی ہے۔ آپ بادل ناخواستہ خود کو جنگ میں گھسیٹ کر محض اس لئے لے گئے۔ کہ

یوقنا چلایا۔ کیا؟

عیسائیت نے آپ کو تسکین نہ دی۔ کنواری مریم نے آپ کو آنکھیں دکھائیں حضرت عیسیٰؑ کا مجسمہ آپ کو غصے سے گھورتا رہا۔ تب آپ محض قتل ہونے کے لئے اور مر کر بھائی سے ملنے کے لئے جنگ کو گئے۔

یوقنا۔ ہرگز نہیں، مسلمان مجھ کو قتل نہیں کر سکتے، میری فوج کی فوج ختم کر سکتے ہیں۔

رابعہ۔ بے شک کسی مسلمان کی تلوار رابعہ کے پیارے چچا پر نہیں اٹھ سکتی آپ کی روح اسلام کی پناہ میں آ چکی ہے۔ لیکن آپ کی خونخوار و بدکردار فوج۔

یوقنا۔ چپ رہ لڑکی۔ میں ایک ایک بدکردار کو کٹوا دوں گا۔

آج کی جنگ میں ایک مسلمان مجھ تک پہنچ گیا تھا اور میں دو قدم آگے بڑھ کر اس سے قریب ہو گیا لیکن اسکو جراٴت نہ ہوئی کہ مجھ کو قتل کر سکتا۔ لیکن میری فوج کے بسیلوں کو اس نے مار گرایا۔

"ہاں! شاید اس لئے۔" رابعہ نے کہا۔ کہ آپ نے تلوار بلند نہ کی اور وہ آپ کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ امین الامت کا حکم یہی ہوگا۔

چچا جان!۔ آپ رو رہے ہیں۔

یوحنا۔ تو چھوٹی سے شریر لڑکی، مجھ کو تنگ کر رہی ہے۔ میں تو تیری نادانی کی باتوں پر ہنس رہا ہوں۔

ہنس رہا ہوں شریر لڑکی۔

تو بہت شوخ ہوگئی ہے۔

رابعہ، رابعہ، بھاگ جا!

ارمانوسہ تو بھی جا۔

ملکہ تو بھی جا!

میں روتا نہیں ہنس رہا ہوں۔

میں یوحنا کو کبھی یاد نہیں کرتا۔

میں رات بھر سوتا ہوں۔

یوحنا رومال سے آنکھیں چھپائے ہوئے تھا۔ مگر آنسو کی دھاریں انگلیوں کے جوڑوں سے خارج ہو کر دامن کو بھگو رہی تھیں۔

تینوں یعنی رابعہ، ارمانوسہ اور ملکہ اٹھ کر اپنے کمرے سے بھاگ گئیں

اور ان تینوں کی آنکھیں رو رہی تھیں۔

کیونکہ ایک فولادی انسان رو رہا تھا۔

عزم و ارادہ کا دھنی رو رہا تھا۔ دل و جگر کے ٹکڑے بہہ رہے تھے۔

سولھواں باب

سالم اور رابعہ

سالم اور رابعہ دونوں ایک ہی محل میں رہتے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ زنانے حصے میں رہتی تھی اور خاص ارمانوسہ شہزادی حلب کے کمرے میں، اور شہزادی کا کمرہ ملکہ کے کمرے کے برابر تھا۔

سالم اور عرفجہ کا کمرہ مقابل میں دیوان خانے میں تھا جہاں سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ اگرچہ یوقنا نے سالم کو اجازت دے دی تھی کہ وہ جب چاہے رابعہ سے مل سکتا ہے اور رابعہ کو اس بات کی عام اجازت تھی کہ وہ سالم سے ملاقات کر سکتی ہے۔ لیکن اس کی دوشیزگی نے اس اجازت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بس صرف ایک ملاقات یوقنا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔

یوقنا اور رابعہ کی دوسری گفتگو کے دوسرے دن ارمانوسہ بے حد مصر ہوئی کہ رابعہ سالم سے ملاقات کرے۔

اگرچہ رابعہ کی آنکھیں دن رات سالم کو ڈھونڈتی رہتی تھیں اور عالم خیال میں باتیں ہوتی رہتی تھیں لیکن کیا مجال کبھی اس کے چہرے بشرے سے اس کے جذبات و خیالات کا اظہار ہو سکے۔

اور یہی حال سالم کا تھا۔

ایک ہی محل میں رہتے ہوئے جس قسم کے احساسات ہو سکتے ہیں سالم بھی ان سے معرانہ تھا۔ لیکن اسلامی تربیت و تعلیم کی پختگی محبت کے حقیقی مفہوم کو جس روشنی میں دیکھتی ہے وہ عام نظریات اور سطحی خیالات سے بالکل مختلف ہے

تاہم انفصال اور قربت کے تصور سے سالم کے دل کے مخفی گوشوں میں جو لذت آمیز کرب تھا وہ کبھی کبھی ملاقات کا محرک ضرور تھا۔ لیکن رابعہ کی دوشیزگی کے احترام کے پیش نظر سالم نے کبھی رابعہ سے ملاقات کی جرأت نہ کی۔ اگرچہ عرفجہ نے کئی بار سالم سے یہ پوچھا کہ تم رابعہ سے نہیں ملے وہ اداس اور غمگین تو نہیں ہے۔ لیکن کچھ اطمینان کے الفاظ کہہ کر اس بات کو ٹال گیا۔

آج ارمانوسہ کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور اس نے یوقنا کے کمرے میں ملاقات کا انتظام کر کے سالم کو بلوایا۔

سالم نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا تو اس نے دیکھا۔

ملکہ، ارمانوسہ اور رابعہ تینوں کمرے میں بیٹھی ہوئی اس کی منتظر ہیں۔

سالم نے آتے ہی السلام علیکم کہا۔

تینوں نے جواب دیا۔

وعلیکم السلام

رابعہ شرمائی ہوئی تھی۔ لیکن مسرت کی دیوی اس کی برق پاش آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔

سالم کو ملکہ اور ارمانوسہ کی جانب سے جواب سلام پر حیرت ہوئی۔

ملکہ نے شفقت کے ساتھ کہا۔

بیٹھو بیٹا سالم!

سالم ادب سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اچھے ہو نا! تم کو کسی بات کی تکلیف تو نہیں!!

سالم۔ نہیں۔ آپ لوگوں کی مہربانیوں سے مجھے ہر طرح کا آرام ہے۔

ملکہ۔ "جی تو نہیں گھبراتا"۔

سالم۔ گھبراتا تو نہیں لیکن اپنے موجودہ حال پر افسوس تو ضرور ہے۔

ملکہ۔ کیوں؟

سالم۔ اس لئے کہ میں گرفتار ہو کر بے بس اور جہاد کے ثواب سے محروم ہو رہا ہوں۔

ملکہ۔ لیکن ایک مجاہد کا یہ بھی جہاد ہے۔ اس میں تمہاری کوتاہی کو دخل نہیں بلکہ مجبوری ہے۔

ملکہ۔ شاہ حلب دل کے بُرے نہیں اور تمہارے بدخواہ بھی نہیں۔

سالم بجا ارشاد ہے۔ انھوں نے تو مجھے اجازت دے دی تھی کہ اگر تم اسلامی لشکر میں واپس جانا چاہو تو عرفجہ کو لے کر جا سکتے ہو۔

ارمانوسہ پہلی مرتبہ بولی۔

مگر سالم بھائی آپ خود جانا نہیں چاہتے۔

سالم۔ ہاں! کچھ ایسا ہی ہے۔

ارمانوسہ۔ میں سمجھ گئی۔ آپ رابعہ بہن کو یہاں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔

سالم خاموش رہا۔

ارمانوسہ (ہنس کر) لیکن میں رابعہ بہن کو جانے کب دوں گی۔

ملکہ (مسکرا کر) تب سالم یہیں رہیں گے۔

ارمانوسہ۔ اور جہاد کون کرے گا۔

ملکہ۔ شاید اب جنگ ختم ہو جائے۔

ارمانوسہ۔ نہ بھی ہو تو سالم بھائی لڑتے کیا ہوں گے۔ جو ایک لڑکی کو یہاں نہ

بناکر لشکر میں جانے کا نام نہ لے۔ وہ کیا لڑے گا۔

بلکہ ہنس پڑی، رابعہ شرما گئی۔ اور سالم بھی قدرے پشیماں نظر آنے لگا۔ ملکہ نے کہا۔ ارمانوسہ تو بڑی شریر ہے۔ نہیں سادیکھتی میری بیٹی بے چاری شرمائی جا رہی ہے۔

ارمانوسہ۔ (ہنستے ہوئے) بُرا نہ مانئے گا سالم بھائی۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ آپ خوب لڑتے ہیں۔ میں نے مذاق سے کہا تھا۔ مگر کہیں ہم لوگوں سے نہ لڑ پڑیئے گا۔

اب سالم بھی سمجھ گیا تھا کہ ارمانوسہ رابعہ کے رشتے سے مذاق کر رہی ہے۔ اس نے کہا نہیں نہیں، بہنوں کی بات کا کوئی بُرا مانتا ہے۔

ارمانوسہ۔ شکریہ ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

پھر ملکہ اور ارمانوسہ چپکے سے اٹھ کر چلی گئیں۔ اب سالم اور رابعہ کمرے میں رہ گئے۔ دو جوان دل تیزی سے پہلو میں دھڑکنے لگے۔ نگاہوں سے نگاہیں ٹکرائیں اور خود بخود جھک گئیں۔ دوشیزگی کو حیا نے ہوا دی، تنہائی کے احساس نے عرق ندامت کو لولوئے آبدار بناکر لوح سیمیں پر بکھیر دیا۔ حسن کی جانستاں ادائیں ندامت و شرمندگی سے ہمکنار ہو کر حشر آفریں ہو گئیں۔

سالم کی ملتجی نگاہیں پر کیف تصورات کے خلاؤں میں ہر چہار جانب اپنی رابعہ کو جلوہ فرما دیکھ رہی تھیں۔ لیکن نوجوان سالم مسلمان تھا اور رابعہ مومنہ، اُبھرتے ہوئے سارے جذبات تحت الشعور میں سر ابھارتے ہی سو گئے۔ جیسے مشاق مغنی کی انگلیاں پُر خروش نغمات کی لہریں بکھیرتے بکھیرتے تاروں کی ساری جھنجھناہٹوں کو ایکا ایکی نقطۂ صفر پر روک دیں۔

دونوں سنبھل کر بیٹھے، سالم مخاطب ہوا۔

سالم نے رابعہ سے پوچھا۔

ملکہ اور ارمانوسہ مجھے مسلمان دکھائی دیتی ہیں

رابعہ۔ ہاں خدا کا شکر و احسان ہے کہ دونوں مسلمان ہو گئیں۔

سالم۔ الحمد للہ کہ تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں۔ حلب تک تمہاری آمد میں قدرت کی شاید یہی مصلحت کارفرما تھی۔

رابعہ۔ ان کے اسلام لانے میں میری کوششوں کو اتنا دخل نہیں ہے۔ جتنا خود ان کی فطرت صالحہ کو۔

سالم۔ کاش یوقنا بھی مسلمان ہو جاتا۔ وہ آدمی برا نہیں بلکہ قابل قدر دشمن ہے

رابعہ۔ انشاء اللہ وہ اسلام کا قابل دوست ثابت ہوگا۔

سالم۔ آمین۔ رابعہ، ان لوگوں کا تمہارے ساتھ بہتر سلوک ہوگا۔

رابعہ۔ میرے ساتھ مرحوم یوحنا۔ والی حلب، ملکہ، اور ارمانوسہ کا اول ہی دن سے بہت بہتر سلوک ہے اور انھوں نے مجھے بیٹی بنا لیا ہے۔

سالم۔ والدین کی یاد تو ضرور آتی ہوگی؟

رابعہ۔ یہ تو قدرتی بات ہے۔ لیکن یہ بھی میرا گھر بن چکا ہے۔

سالم۔ تم نے چچا عاصم کو کوئی خط لکھا تھا۔

رابعہ۔ ہاں! میں نے خط لکھا تھا اور استدعا کی تھی کہ چچا یوقنا کے اسلام لانے کا قرینہ غالب ہے، اُن کے اور ان کے اہل خاندان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کا سلوک میرے ساتھ عزیزانہ ہے اس لیے مسلمانوں پر ان کے حقوق ہو گئے ہیں۔ ان کے خط سے معلوم ہوا کہ امین الامت اور جمیع مسلمانوں نے میری درخواست کو منظور کر لیا ہے۔

سالم۔ یہ تم نے بہت ہی اچھا کیا۔ میری رائے بھی یہی ہے اور میرے ساتھ بھی تو والی حلب کا سلوک بہت ہی مشفقانہ ہے۔ میں اور چچا عرفجہ دونوں برائے نام نظربند ہیں۔ ہم کو ہر طرح کا آرام حاصل ہے۔ خدا چچا یوقنا کو اجر خیر دے وہ بہترین آدمی ہیں۔

اتنے میں یوقنا کمرے میں داخل ہوا۔ غالباً اس نے سالم کی بات سن لی تھی۔ وہ آتے ہی بولا۔

"شریر نوجوان! تم نے بھی رشتہ جوڑ لیا شریر رابعہ کی طرح ستانے کے لئے۔

تو برائے نام نظربند نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس قید رہے گا اور تیرے بڑھے چچا عرفجہ کو تو میں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ جوانوں سے بڑھ چڑھ کر خطرناک ہے

رابعہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر یوقنا نے کہا۔

تو کہاں چلی۔ میرے خلاف بیٹھی ہوئی سازش کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بھاگ چلی۔

رابعہ۔ میں جاتی نہیں عم محترم!

یوقنا۔ تو بیٹھ جا کرسی پر۔

ارمانوسہ بھی باپ کی آواز سن کر کمرے میں داخل ہوئی۔

یوقنا آج بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔ کل کے غم والم کا کوئی خاص اثر نمایاں نہ تھا۔ اس نے خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

تم بھی آ گئیں ارمانوسہ!

ارمانوسہ۔ جی ہاں ابا جان۔

یوقنا۔ کچھ نہیں، کچھ نہیں، میں نہیں حکم دینے والا کوئی۔ لیکن ہاں، تم دونوں کی شرارت نے مجھے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ کوئی بات سوچنے کو جی نہیں چاہتا تھا

لئے میں تم دونوں کے لئے سزا تجویز کر رہا ہوں۔

ارمانوسہ۔ وہ کیا سزا ہے ابا جان!

یوقنا۔ ذرا مسلمانوں کی طرف سے یکسوئی ہو جائے تو میں تم دونوں کو شدید سزا دوں کا شدید ———— یعنی تم دونوں کا بیاہ کر دوں گا۔

رابعہ اور ارمانوسہ دونوں ہی شرما گئیں۔ سالم مسکرانے لگا۔

یوقنا۔ اوہ! تو ہنستا ہے شریر لڑکے! مجھے ستانے میں تیرا ہاتھ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ تیری باتوں نے میری رات کی نیند حرام کر دی ہے۔ میرے خیالات کو تو نے میرے اختیار سے باہر کر دیا ہے۔ تو نے میرے سینکڑوں سپاہیوں کو کاٹ ڈالا۔ تو نے پڑ انے فولادی یوقنا کو بھی حلال کر ڈالا۔ تیرے لئے بھی میں نے سزا تجویز کر رکھی ہے۔

یہ کہکر یوقنا جلدی جلدی کمرے سے نکل کر شہر میں چلا گیا۔

لیکن نہیں یوقنا شہر میں نہیں گیا۔ بلکہ آج بھائی کے قتل کے بعد پہلی مرتبہ وہ یوحنا کے عبادت خانے میں داخل ہوا۔ اور اس کے کمرۂ خاص میں جاکر اندر سے کواڑ بند کر کے شام تک نہ جانے کیا کرتا رہا۔

سترھواں باب

قلب ماہیت

تین دن ہو چکے، مسلسل تین دن، تین راتیں کہ یوقنا اپنے بھائی کے عبادت خانے ہی میں رہا۔ اس عرصہ میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایک منٹ کے لئے سویا بھی یا نہیں لیکن اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ مطلق نہیں سویا ہے۔

اس کا خادم خاص "نورس" اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس کو جس طرح یوحنا سے محبت تھی۔ اسی طرح یوقنا سے۔ البتہ ادھر چند دنوں سے وہ یوقنا سے محض اس لئے کشیدہ رہا کہ اس نے یوحنا کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا وہ اس کو ظالم سمجھ رہا تھا۔ مگر جب یوقنا کو ایک خفیہ غم نے بے حد نڈھال کر دیا، اس کا حلیہ بدل کر رہ گیا اور یوقنا کی انتہائی کوشش کے باوجود کہ کوئی شخص اس کے خفیہ غم اور اس کی تبدیلی سے آگاہ نہ ہونے پائے اس کی تبدیلی نمایاں ہو کر رہی اور غم ظاہر ہو گیا تو "نورس" بہت متاثر ہوا، اس کی محبت رفتہ رفتہ عود کر آئی۔ جذبۂ ہمدردی نے جوش مارا اور وہ یوقنا کے لئے رنجیدہ ہونے لگا، اس لئے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ اللہ یوقنا کے قلب کو اسلام کی روشنی دے کر مطمئن کر دے۔

وہ بغیر ہدایت کے دروازے پہ جما رہا۔ اس نے میکائیل کو بھی بلا لیا۔ میکائیل بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ دونوں بہت پرانے اور بوڑھے تھے۔ ان دونوں نے یوقنا اور یوحنا کو گود میں کھلایا تھا

میکائیل اور نورس نے باصرار تمام کئی بار دروازہ کھلوا کر یوقنا کو زبردستی

کچھ کھلا پلا دیا تھا۔ اگرچہ یوقنا بہت بگڑ تا رہا مگر ان دونوں نے اس کے غصے کی کوئی پروانہ کی۔ ملکہ بھی مسلمان ہو کر حتی الامکان الگ تھلگ رہنے لگی اور خود یوقنا بھی یوحنا کے قتل کے بعد آج تک ملکہ سے تنہائی میں نہیں ملا تھا۔ ارمانوسہ، ملکہ، ارنوس، میکائیل کے اسلام لانے کی اسکو بظاہر خبر نہ تھی۔ مگر جب سے یوقنا عبادت خانے میں آکر گوشہ نشین ہوا تھا ملکہ پرانی محبت کی بنا پر اس کی طرف سے بہت پریشان تھی۔ ارمانوسہ کو بھی غلجان و اندیشہ تھا کہ کہیں عالم یاس میں وہ خود کشی نہ کر بیٹھے۔ صرف ایک رابعہ کا خیال جدا گانہ تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

سونا غم کی آگ میں تپ کر کندن بنا ہی جاہتا ہے۔

ارمانوسہ اور ملکہ بھی کئی بار دروازے تک گئیں۔ رابعہ ساتھ تھی لیکن یوقنا تک رسائی نہ ہوئی۔ ہاں ارنوس اور میکائیل سے خیریت معلوم ہوتی رہی اور ان ہی دونوں مخلص خادموں کی زبانی معلوم ہوا کہ کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ یوقنا، یوحنا کی جمع کردہ پرانی کتابوں میں اپنے دل کی دوا ڈھونڈ رہا ہے۔

جب تیسرا دن اور تیسری رات بھی گزر گئی تو ملکہ اور ارمانوسہ کی بے قراری بہت بڑھی اور وہ رابعہ کو ہمراہ لے کر عبادت خانے میں گئیں اور رابعہ سے کہا کہ اگر تم کوشش کرو گی تو دروازہ ضرور کھل جائے گا۔

بہر حال بسم اللہ کر کے رابعہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تین چار بار کی کوششوں کے بعد ایک تہدید آمیز آواز آئی۔

"تو نرس اور میکائیل!

بھئی، تم لوگوں نے مجھے کیوں تنگ کر رکھا ہے، میں جی رہا ہوں مرا نہیں ہوں مجھے ابھی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جب ضرورت ہو گی تو میں خود بلا لوں گا۔

رابعہ بولی۔

میں ہوں عم محترم! دروازہ تو کھولئے!

یوقنا۔ تو کون ہے شریر رابعہ، کیا تو یہاں بھی آدھمکی۔ تیری ہی شرارتوں سے تو میں یہاں گوشہ نشین ہوں۔

رابعہ۔ کواڑ تو کھولئے، کھڑے کھڑے میری ٹانگیں دکھ گئیں۔

یوقنا۔ ارے رے! تو کب سے یہاں کھڑی ہے۔ پہلے ہی اپنا نام کیوں نہ بتادیا۔

یہ کہہ کر یوقنا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

یوقنا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں متورم تھیں۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے جھلملانے لگے اور ارمانوسہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ رابعہ کی آنکھوں سے قطرات اشک موتیوں کی طرح لڑھک رہے تھے۔

یوقنا نے بڑھ کر ارمانوسہ اور رابعہ کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور کہا۔

پگلی لڑکیو! تم روتی ہو۔

میں تو کبھی نہیں روتا۔

میں یہاں اطمینان سے بیٹھا جنگی نقشہ بنا رہا تھا۔

اب میں وہ تدبیر کرنے والا ہوں کہ کامیابی میرے قدموں میں ہوگی۔

رابعہ، چلئے چچا جان! اب گھر چلئے، وہاں اچھا نہیں لگتا۔

یوقنا۔ تو چل بیٹی! اب تھوڑا سا کام باقی رہ گیا ہے۔ میں اسے انجام دے کے خود ہی آجاؤں گا۔

رابعہ۔ نہیں! اب میں آپ کو یہاں تنہا نہیں رہنے دوں گی۔ اگر آپ نہ جائیں گے تو میں بھی یہیں رہوں گی۔

یوقنا۔ اوہ تو بڑی شریر ہے۔

رابعہ، دیکھئے نہیں، آپ کی طبیعت خراب ہے۔ آپ کا ہاتھ بے حد گرم ہے غالباً بخار آگیا ہے۔

یوقنا۔ تو نہیں مانے گی، چل، میں جانتا تو تجھے اسی روز خود اسلامی کیمپ میں پہنچا آتا۔ مگر اب تو خیر۔۔۔۔

رابعہ۔ چلئے! آپ کیا سمجھتے ہیں، میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاتی۔ میں جہاں بھی ہونگی آپ کے ساتھ رہوں گی۔

یوقنا نے انداز ممنونیت سے اس کا ہاتھ دبایا اور شاہی محل کی طرف چلا پڑا۔

یوقنا کو واقعی شدید بخار تھا۔

اس کے پیر کانپ رہے تھے۔

اب وہ اپنی حالت کو چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

اس نے خود کو ارمانوسہ اور رابعہ کے سپرد کر دیا۔

یوقنا بولا۔

کیا واقعی مجھے بخار آگیا ہے رابعہ!

رابعہ، ہاں عم محترم! لیکن کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔

یوقنا۔ ارمانوسہ!

ارمانوسہ، کہئے ابا جان!

رابعہ کہتی ہے کہ مجھے بخار آگیا لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں، وہ جھوٹا نہیں

کہتی، کیونکہ وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔

ارمانوسہ۔ ہاں ابا جان، رابعہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔

یوقنا۔ تو نے اپنے چچا کو دیکھا تھا بیٹی، میں نے تو دیکھا تھا۔ تین دن اور تین رات میں نے اپنے محبوب بھائی سے باتیں کیں۔

میرا خیال غلط نکلا۔

میں نے اپنے بھائی کو قتل نہیں کیا ہے۔

میں کیسے قتل کر سکتا تھا اپنے پیارے کو۔

ہونہہ! یہ بھلا کب ممکن تھا۔

مذہب۔ مذہب، عیسائیت سراسر ڈھونگ ہے

ارمانوسہ میرا بھائی زندہ ہے اس کو ایک لافانی ملک کی بادشاہت مل گئی ہے۔ اس کے سر پر نورانی تاج ہے۔ وہ تیرے لئے بے چین ہے بیٹی!

یوقنا۔ محل میں پہنچ گیا تھا، اس کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ ارمانوسہ، ملکہ اور رابعہ تینوں بیٹھ گئے۔

ارمانوسہ اور ملکہ بے حد پریشان تھیں۔

رابعہ تسکین دے رہی تھی۔

یوقنا کا ہذیان بڑھتا جا رہا تھا۔

[illegible] اور ارنوس دونوں ملول تھے۔

عکرمہ اور سالم کو خبر ملی تو وہ دونوں بھی آ گئے۔

عکرمہ نے ضروری تدابیر بتائیں

پیشانی پر ٹھنڈی پٹیاں رکھ کر [illegible] لگیں۔ بالآخر یوقنا کو نیند آ گئی

پوری رات، سالم، عرفجہ، ارنوس، میکائیل، رابعہ، ارمانوسہ اور ملکہ نے آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دی۔ شاہی طبیب بھی رات بھر اسی محل میں رہا اور بار بار آکر یوقنا کو دیکھتا، دوائیں بدلتا رہا۔

رابعہ ایسے مواقع پر پردہ کرتی تھی۔ طبیب ایک بوڑھا نیک دل عیسائی تھا۔ وہ خود بھی رابعہ کی موجودگی کا خیال رکھتا تھا۔

اگرچہ یوقنا کو نیند آگئی تھی۔ مگر اس کی ابتدائی نیند بے چین تھی۔ وہ بار بار نیند میں اُچک پڑتا تھا۔

خدا خدا کر کے دو بجے رات کو اس کی حالت میں تبدیلی ہوئی۔ بخار رفتہ رفتہ کم ہوگیا اور پر سکون نیند نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

تب۔ ارمانوسہ، رابعہ اور ملکہ نے باری باری اس کی نگرانی کے فرائض انجام دئے۔

یہاں تک کہ آسمان کا آخری ستارہ ٹمٹما کر بجھ گیا۔ سپیدہ سحری نے حجلۂ عروسی سے نکل کر اپنا گھونگھٹ الٹ دیا اور نسیم سحری نے بڑھ کر اس کے عارض تاباں کو بوسے دئے۔

رابعہ، ارمانوسہ اور ملکہ۔ نماز کے لئے اُٹھ کر مخصوص کمرے میں چلی گئیں۔

اٹھارہواں باب

توحید کی گونج

دوسری صبح کو یوقنا کی حالت بدرجہا بہتر تھی۔ ہر طرح ہشاش بشاش تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ سچی بات ہے کہ یوقنا کی شخصیت عجیب وغریب تھی۔ وہ بڑے عزم صمیم اور مضبوط ارادے کا مالک تھا۔ اُس نے عرصہ ہوا اپنی تمام کمزوریوں کو عزم مستحکم کی چکی میں پیس کر اُس سے ایک ٹھوس ارادے کی آہنی دیوار تیار کرلی تھی کسی کمزوری کا اظہار اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ وہ بڑا مدبر اور سیاست داں تھا وہ کٹر اور سچا عیسائی تھا۔ اس کو عیسائیت کا پشت پناہ تصور کیا جاتا تھا، وہ بڑے اعزاز وجاہ کا مالک تھا۔ روم وشام میں اس کی دھاک تھی۔ قسطنطنیہ اور انطاکیہ کے ہرقلی دربار میں اس کا ایک خاص مقام تھا اور ہرقل ثانی کہلاتا تھا۔ صاحب علم و خرد تھا۔ بڑے بڑے پادری اور مذہبی رہنما اس سے دبتے تھے وہ اپنی رعایا میں ہردلعزیز و مقبول تھا۔ وہ انصاف کا زبردست حامی تھا۔ انصاف کے معاملے میں دوست، بیگانے، دشمن اور یگانے کسی کی تفریق کو روا نہیں رکھتا تھا۔ اپنے اصول میں بڑا سخت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آج سچی عیسائیت مفقود ہے۔ لیکن وہ اپنے ہی آئینہ میں سب کو دیکھتا تھا۔

جب مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا تو پادریوں نے مسلمانوں کا غلط نقشہ بنا کر پیش کیا اور ان کو بڑا بھیانک کر کے دکھایا تھا۔ اس لئے اس نے پوری شدت و طاقت سے مسلمانوں سے جنگ کی اور سچے جذبۂ حب الوطنی اور سچی عیسائیت کے تحت مسلمانوں کے مکمل استیصال کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کے مقابلہ

میں عیسائیوں کو حد درجہ بزدل پایا اور جب بار بار اسی بزدلی کا مظاہرہ ہوا تو اس نے سمجھ لیا کہ
یہ بزدلی محض جرم و گناہ اور عیش کوشی کے نتائج ہیں۔ شراب خانہ خراب کی تباہ کن خرابیاں
ہیں۔ وہ ان عیسائیوں سے بہت برہم ہوگیا۔ یوقنا خود شراب سے بے حد احتراز کرتا تھا
اس نے کسی خاص موقع پر ہی دو چار بار شراب پی ہوگی اور وہ بھی کم سے کم مقدار ہیں
لئے دئے ہوئے۔

ان تمام حالات اور غم و غصہ کے باوجود اس کے دل میں اگر کوئی آگ بھڑکی
ہوئی تھی تو صرف یہ کہ اپنے پیارے وطن سے جس طرح ممکن ہو پہلے مسلمانوں کو
نکال دیا جائے تب پوری طاقت سے عیسائیوں کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا جائے
اور جن لوگوں کی حرکات سے عیسائیت کمزور ہو رہی ہے اس کو نقصان پہنچ رہا ہے
ان کی قرار واقعی گوشمالی کی جائے

اس کا خاص سبب یہ تھا کہ وہ اپنی ذات سے عیسائیت میں اس درجہ آگے
بڑھا ہوا تھا کہ اس نے نہ تو اسلام کے متعلق کچھ سنا اور سمجھا اور نہ عیسائیت کے
خلاف کچھ سننے کی کوشش کی۔

اسلام کی حمایت میں سب سے پہلی آواز بالکل غیر متوقع طور پر سنی بھی تو کس سے
اپنے اس چہیتے بھائی سے جو عیسائیت کا ایک عظیم ستون تھا جو صاحب علم تھا اور جو
اس قدر مقبول اور ہر دلعزیز تھا کہ اگر وہ بھائی کی محبت کے غلبہ پڑ کر نہ رہ جاتا اور علانیہ
مذہب اسلام قبول کر لیتا تو شاید ہزاروں عیسائی اسی کی آواز پر مسلمان ہو جاتے۔
اس خطرے سے یوقنا بے خبر نہ تھا وہ اپنے بھائی سے اس کی توقع نہیں کر
سکتا تھا مگر جب یہ ناگوار پہلو اس کے سامنے آہی گیا تو اس کی قوت فیصلہ جواب
دے گئی۔ تعصب نے بھائی کی محبت کو مغلوب کر دیا اور ایک بھائی وہ کر گزرا جو اس کو ترد ل

پسند نہ تھا۔ وہ اس صدمہ کو سہہ جاتا۔ اگر عیسائیت غیر صحت مند نہ ہوتی، عیسائی خوش کردار اور اسی کی طرح سچے عیسائی ہوتے۔ جنگ میں اس کا مکمل ساتھ دیتے اور بہادری سے اپنی اور اپنے وطن کی محافظت کرتے۔

جب ایسا نہ ہوا اور ناکامی و تباہی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا تب اس کا مظلوم بھائی اسے یاد آیا۔ جب یاد آیا تو اس کی محبت دوچند ہو کر ابھری اور اسے اپنا فعل غیر فطری اور ظالمانہ نظر آیا۔ اور اس کا جو ردعمل ہونا چاہیے تھا۔ آخرکار ظہور میں آیا۔ اس وقت اس کی انا نہایت کمزور، مجبور اور مسکین بن کر رہ گئی۔

دو روز تک یوحنا اسی کمزوری اور مجبوری کا شکار ہو کر بیمار رہا، ہذیان و غشی میں مبتلا رہا۔ جب طبیعت سنبھلی، سکون ہوا، تو اس نے اپنی تسکین کے لیے سالم کو کمرے میں طلب کیا۔

سالم خود ہی مزاج پرسی کے لئے آنے والا تھا۔ وہ یہ اطلاع پاکر فوراً یوحنا کے پاس آیا اور خیریت مزاج پوچھی۔

یوحنا۔ آؤ بیٹھو سالم! میں بالکل اچھا ہوں۔ مسلسل دماغی کوفت کا یہ نتیجہ تھا کہ میں بیمار ہو گیا۔ مگر میں ایسی معمولی بیماری کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اگر رابعہ اور بانو نے مجھے بستر علالت پر نہ ڈالا ہوتا تو میں بیمار بھی نہ ہوتا۔ مگر انھیں لڑکیوں کا دل رکھنا بھی ہو گا۔

ایک بات بتاؤ سالم!

سالم۔ پوچھئے!

یوحنا۔ سالم سچ بتاؤ، کیا لڑکیاں ایسی ہی شریف اور بااخلاق ہوتی ہیں، جیسے تم دونوں ہو اور رابعہ اسی طرح اپنے والدین سے بھی ضد کیا کرتی تھی؟

سالم نے یوحنا کا مطلب سمجھ لیا کہ وہ براہ راست مسلمانوں کے متعلق واقفیت حاصل نہیں کرنا چاہتا، لیکن اس کا مقصد یہی ہے۔

اس نے جواب دیا۔

میرے محترم!

اسلام سے پیشتر عرب کی حالت بہت خراب تھی اور یہ بالکل بجا ہے کہ آپ کے عیسائی خراب تر ہونے کے باوجود عربوں سے بہت زیادہ بہتر ہیں۔ لیکن خدا نے کہ جو سارے جہان اور جہان والوں کا پروردگار ہے... انسانیت کو ایک خاص شرف بخشا ہے اسی شرف نے آدم کو مسجود خلائق و فرشتہ کیا۔ شیطان اسی شرف کو تسلیم نہ کرنے سے ملعون و مردود ہوا۔ جب بھی بنی آدم اس شرف کو فراموش کرنے لگے اللہ نے اپنا پیغمبر بھیجکران کی تنبیہ و تہدید کی۔

بنی اسرائیل کو بہترین امت قرار دیا گیا۔ لیکن جب انھوں نے اپنا شرف کھو کر شیطانی راہ اختیار کی تو حضرت عیسیٰ کو انھیں میں سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ مگر یہ یہودیوں ہی کی حرکت ہے کہ انھوں نے شرف انسانی کی تکذیب کے لیے خدا کے بیٹے کے غلط عقیدے کی ترویج کی۔

اسی ایک غلطی کا یہ ردعمل ہے کہ بنیادی طور پر عیسائیت میں کوئی ایسی حقیقت سرے سے موجود ہی نہیں کہ عیسائیوں میں اتحاد کامل پیدا کر سکے یا ان شیطانی برائیوں کی بیخ کنی کر سکے جو نام نہاد عیسائیت میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ لیکن قادر مطلق اتنی رحیم و کریم ہے کہ اپنے ان بندوں کی تباہی نہیں دیکھنا چاہتا جن کو فرشتوں کا مسجود قرار دیا گیا تھا۔ اس کی رحمت کاملہ نے حسب وعدہ اپنے آخری نبی صلعم کو بھیجا۔ عیسائیوں کو ان سے کوئی اختلاف نہ ہونا تھا وہ منتظر تھے کیونکہ توریت اور انجیل، زبور

اور تمام صحف آسمانی میں یہ مذکور ہے کہ اس نبی کا نور "فاران" کی چوٹیوں سے ظاہر ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ پیغمبر عرب میں ہوگا۔ پیغمبر کہیں بھی پیدا ہو دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر کی جو خاص نشان ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہے یا نہیں اور اس کا پیغام تمام بنی نوع انسان کی نجات وحیات کا آئینہ دار ہے یا نہیں اور اس کی تعلیم پچھلے تمام پیغمبروں کی تعلیمات سے مطابقت کرتی ہے یا نہیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ عیسائیوں کو بھی آخری پیغمبر کا انتظار تھا اور یہودیوں کو بھی عیسائیوں کا یہ تصور نہ تھا کہ آخری پیغمبر عیسائیوں ہی میں ہوگا یا شام وروم ہی میں ہوگا لیکن پچھلی فضیلتوں کی بنا پر یہودیوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ آخری پیغمبر بھی بنی اسرائیل ہی میں ہوگا۔

یہودیوں کی دشمنی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہوا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے ایک عظیم عیسائی حضرت بحیرہ نے پہچانا اور وہ ایمان بھی لائے ان کے بعد بہت سے عرب تنصرہ ایمان لائے۔ تب یہودیوں نے اس کو بہت بڑا خطرہ تصور کر کے اعلان کیا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں ہوگا اور انھیں اسرائیلیوں نے پوری طاقت سے عیسائیوں کو بدظن کیا اور مسلمانوں کا نقشہ بھیانک بنا کر پیش کیا۔ اور ان کی منظم سازش نے ساری دنیا کے انسانوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے ان کو انسانی شرف حاصل کرنے سے روکا۔ یہودیت کسی فضیلت، قوت، دولت اور حکومت کو اپنے سوا کسی دوسرے میں نہیں دیکھنا چاہتی، اسی خود غرضی نے ان کو ہر جگہ ذلیل کر رکھا ہے۔ آج بھی ان کو اچھی نگاہ سے محض اسی لئے نہیں دیکھتے مگر ان کی سازش کام کرتی ہی رہے گی۔

میں بتا چکا ہوں کہ اہل عرب کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی دنیا کے پردے

پر اس سے بڑی کوئی قوم نہ تھی لیکن پیغمبر عالم کی تشریف آوری کے بعد ہم یکسر بدل گئے۔ تمام برائیوں کو چھوڑ کر ہزار چند بھلائیوں کا مجموعہ بن گئے۔ ہم ایک ان مٹ طاقت بن چکے ہیں۔ ہمارا پیغام صرف توحید ہے، صرف انسانیت ہے صرف سلامتی و امن ہے۔ جنگ و بے چینی نہیں۔ دنیا میں اچھے اور بُرے ہر جگہ ہیں جو اچھے ہیں ان کی نگاہیں صرف ہماری اچھائیوں پر پڑتی ہیں۔ جو بُرے ہیں اپنے آئینے میں ہمیں دیکھتے اور ہمارا حلیہ اپنا جیسا بنا کر پیش کرتے ہیں لیکن ہمارا مقصد دنیا کو جنگ میں مبتلا کر کے انتشار پھیلانا نہیں بلکہ نیکوں کے لئے میدان وسیع کرنا اور بُروں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا ہے تاکہ شرف انسانیت زائل نہ ہو جائے اور خدا کا مقصد معرض التوا میں نہ پڑ جائے۔

اگر آپ غور سے دیکھیں تو سچا عیسائی، سچا موسوی اور تمام پیغمبروں کا احترام کرنے والا صرف مسلمان ہے۔ وہ سچی عیسائیت کی خوبیوں کو اپنانے سے دریغ نہیں کرتا کیونکہ اس کا واحد مقصد انسانیت کی خدمت ہی تو ہے اب جو کوئی ہمارے اس نیک مقصد میں حائل ہو کر ہمارے کاموں میں خلل ڈالے گا تو ہم اصولی جنگ کے لئے مجبور رہیں۔ تلوار کا کام کاٹنا ہے جو تلوار کے سامنے آئے گا کٹے گا۔ قصور آنے والے کا ہے وہ تلوار لے کر آتا ہے پہلے وار کرتا ہے تب ہم اپنی تلوار کو کاٹنے کا حکم دیتے ہیں۔

یہی ہمارے رسول کے رسول ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے ایک ایسی قوم کے شرف انسانی کو جگایا جو بدترین تھی۔ اس کو نئے سانچے اور حلہ انسانیت کے قالب میں ڈھالکر اس کے ہاتھ میں خدائی تلوار دے دی ہے اس خدائی تلوار کو کوئی شیطانی طاقت شکست نہیں دے سکتی اور چونکہ ہم اچھا پہلو کو لیا ہے

اور کسی حال میں نہیں چھوڑتے اس لئے ہماری خوش اخلاقی مسلم اور فتح یقینی ہے
جس دن ہم سے یہ دونوں غلطیاں ۔۔۔۔ ہو جائیں گی ۔شیطان ہم پر غلبہ پالے گا
اور ہم بھی عیسائیت اور یہودیت کی طرح اپنی شریعت کو چھوڑ کر شرف انسانی
کو کھو دیں گے۔

عم محترم!
میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر آپ فی الواقع سچے عیسائی ہیں
تو آپ میں اور ہم میں کوئی بعد و فصل نہیں ہے۔ ہم کو سمجھنے کی کوشش کیجئے
اگر ہم سچی عیسائیت سے ٹکراتے ہوں تو آپ ہم سے ضرور جنگ کیجئے۔ یہ آپ کا
فرض ہوگا۔

ورنہ! ورنہ
یوقنا ۔ ورنہ کیا؟
آپ کی جنگ باطل اور شیطان کے لئے ہے۔ میری جنگ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے خدا اور حق کے لئے ہے۔

آپ پڑھے لکھے ہیں، سمجھدار ہیں۔ فطرۃً موحد اور نیک ہیں۔ سچی عیسائیت
کو واپس لانے کے لئے آپ کا دل تڑپ رہا ہے تو آپ جنگ کی بساط کو لپیٹ کر
دریا برد کر دیجئے اور ہم سے اشتراک کیجئے۔ ہم آپ کے بہترین دوست
ثابت ہوں گے جیسے آپ رالف اور سالم کے بہترین دوست ہیں۔

آپ ہر مسلمان سے محبت کرنے پر مجبور ہوں گے اور ہر مسلمان آپ
سے محبت کرنے پر مجبور ہوگا۔

یوقنا ۔ کیا مسلمان حلب پر پھر حملہ کریں گے ۔؟

سالم۔ یقیناً کریں گے۔ کیونکہ مسلمانوں کی جنگ آپ سے نہیں۔ یہ اصول کی جنگ ہے۔ ہو کر رہیگی۔

یوقنا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ مسلمان قلعہ پر قبضہ کرلیں گے۔

سالم۔ مسلمان اپنے ارادوں کو خود معرض التوا میں نہیں ڈالتے۔ اگر ان کی یہ جنگ حق کی جنگ ہے تو قلعہ ضرور فتح ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ نفس کی جنگ نہیں ہے۔

یوقنا۔ اور فتح پاکر سارے اہل قلعہ کو قتل کر ڈالیں گے۔ گرجوں کو منہدم کردیں گے۔

سالم۔ مسلمان صرف ان کو قتل کرتے ہیں جو حق کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لئے اُن پر تلوار اٹھاتے ہیں۔ اس پنڈوں اور شہریوں پر ان کی تلواریں کُند ہوتی ہیں۔ وہ دیگر فاتحوں کی طرح گھروں میں آگ نہیں لگاتے، لوٹ مار نہیں کرتے، مذہبی آدمیوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر تلوار نہیں اُٹھاتے، کھیتی اور باغات کو اجاڑتے نہیں عبادت گاہوں کی بے حُرمتی نہیں کرتے۔ اس کی کوئی مثال نہیں، یہ درندگی و بہیمیت ہے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔

یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کی جنگیں حق کے لئے نہیں نفس کے لئے ہوتی ہیں بلکہ گیری کے لئے ہوتی ہیں۔ جن کا کوئی مذہب نہیں۔

یوقنا۔ یہ جزیہ کیا ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ دیگر اقوام کی تذلیل و توہین کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

سالم۔ یہ بالکل غلط ہے۔

مجھ سے سنئے!

جزیہ اس خفیف ترین ٹیکس کا نام ہے جو صرف اس لئے وصول کیا جاتا ہے

کہ دیگر حملہ آوروں سے ان کی حفاظت اور ان کے ملک کی مدافعت کی جائے۔ اگر کسی سبب سے مسلمان اس ملک کی حفاظت سے قاصر ہو جاتے ہیں تو جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس کو پوری دیانت داری سے واپس کر دیتے ہیں۔ مسلمان کسی کی تحقیر نہیں کرتے۔ اور جب کوئی ان کی حفاظت میں آجائے تو مذہب اور طبقہ کے امتیاز کو روا نہیں رکھتے سب کے حقوق کی یکساں حفاظت کرتے ہیں۔

یوقنا۔ سنا ہے کہ وہ اپنے مفتوحوں کو بجبر مسلمان کر لیتے ہیں۔

سالم۔ یہ سراسر غلط ہے لا اکراہ فی الدین۔ مذہب میں جبر نہیں۔ اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ ہم کسی کے مذہب میں دخیل نہیں ہوتے۔ مذہب اور معتقدات کا تعلق دلوں سے ہے۔ دل جس چیز کو قبول کرے، دوسرے کو اپنی پسند اس پر ٹھونسنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ ہم باطل کے مقابلے میں نرمی سے دوستانہ طور پر حق کو رکھ دیتے ہیں۔ اگر طبیب خاطر حق پسند اس کو قبول کرے اور اس کا اطمینان قلب ہو جائے تو وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے۔ ہم صرف فتنہ و شر، جرائم اور بہیمیت کی جڑیں کاٹ دیتے ہیں تاکہ سماج اور انسانیت کے قوانین متوازن رہیں اور انسان انسانوں میں شیطانی قانون رائج نہ کر سکے۔

آخر مسلمان ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ یوقنا نے ایک اور سوال کیا۔

سالم۔ مسلمان آپ جیسے مدبر اور لائق انسان سے حق پسندی کی امید کرتے ہیں اور میرا یقین ہے کہ آپ کی طبیعت حق پسند ضرور ہے۔

یوقنا۔ اگر کمتیں اور رابعہ کو میں مسلمانوں میں پہنچا دوں تو مسلمان مجھ سے وسعتاً برقرار ہو جائیں گے۔

سالم۔ ہم دونوں کے جانے نہ جانے پر کوئی بات موقوف نہیں ہے۔ اسلام کسی شخصیت کو نہیں پوجتا۔ اس کی نگاہ اجتماعیت پر ہوتی ہے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں مسلمانوں سے مشورہ طلب کرتے تھے اور ہر شخص پوری آزادی سے مشورہ دیتا تھا۔

ہمارے خلفا بھی یہی کرتے ہیں۔ ہمارے امیر لشکر بھی یہی کرتے ہیں اور ہمارا ہر سپاہی یہی کرتا ہے۔ ہم پر بجبر کوئی حکم نہیں صادر کیا جاتا۔ ہم اپنے فرائض کے خود سختی سے پابند ہیں۔ لیکن اگر ہم میں کوئی فرد خواہ وہ کسی درجے کا ہو کسی سے کوئی وعدہ کرلے تو اس کی پابندی اور اس کا احترام امیر لشکر سے لیکر حضرت خلیفہ تک کرتے ہیں۔

جہاں تک آپ سے دست برداری کا تعلق ہے۔ مسلمان آج بھی آپ اور آپکے اہل و عیال سے دست بردار ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ شخصیات کے تحت کوئی ایسی حرکت کریں جس سے اجتماعیت کی روح فنا ہو جائے۔ حلب پر حملہ اب آپ کی ذات کے باعث نہیں نظریاتی اختلافات کے باعث ہیں جن کی بدولت انسان اپنی سطح سے گر کر انسانیت کے لیئے مہلک ہوتا جارہا ہے اور خالق حقیقی سے غداری کا مرتکب ہورہا ہے۔

یہی دیکھ لیجئے کہ جس چیز کو آپ کا ضمیر اچھائی تصور کرتا رہا ہے اس کی حمایت میں آپ نے خود شخصیت کی پرواہ نہیں کی تو پھر آپ ایک بااصول قوم سے اس بات کی کیوں امید رکھتے ہیں۔

جہاں تک ہم دونوں کے یہاں سے چلے جانے کا سوال ہے اُسے میں آپ کے دل کی آواز نہیں سمجھتا۔ اگرچہ آپ کی خود دار طبیعت نے ہم دونوں کو ایک

دوسرے ڈھنگ سے روک رکھا ہے۔ لیکن اب ہم اس منزل میں ہیں جہاں ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے دل کی آواز کے خلاف اپنی عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں آ جائیں۔ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے آپ ایک ایسے عیسائی ہیں جو اپنے مقتضائے طبع کے اعتبار سے ہم سے بہت قریب اور قابل قدر ہیں۔ آپ کے مزاج کی ظاہری تلخی بجائے خود حلاوت و لذت ہے۔ ہم اس کا مفہوم خوب سمجھتے ہیں۔

آپ جیسے بھی ہیں ہم نے آپ کو اپنا بزرگ تسلیم کر لیا ہے۔ اور کوئی بھی عیسائی رہ کر ہم سے اسی طرح اپنی دوستی استوار رکھ سکتا ہے

یوقنا۔ اگر میں عربوں سے ہمیشہ جنگ کرتا رہوں تو۔

سالم۔ اب آپ عربوں سے جنگ کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اس وقت تک آپ نے عربوں سے جنگ اپنے اقتدار کے لئے نہیں کی اپنے اصول کے لئے کی لیکن آپ کی قوم اصول کے لیے جنگ نہیں کرتی، اپنے عیش و عشرت اور جرائم کی مضبوطی و استواری کے لئے کرتی ہے اور ہار جاتی ہے۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ آپ کے کیرکٹر کی بلندی اپنے اصول کی گراوٹ کو پسند نہیں کرتی اس لئے تھوڑی ہچکچاہٹ باقی ہے جسے ہم قابل تحسین سمجھتے ہیں۔

اگر آپ اصولی جنگ لڑتے رہیں اور خود آپ کو اپنا اصول فریب خیال نظر آئے تو ہم کو اس سے بحث نہ ہو گی۔ ہم انسانیت پسند ہیں۔ آپ کی انسانیت نے جو تعلقات دلی قائم کر دئے وہ ہمیشہ اپنی جگہ پر رہیں گے۔ ہم کو آپ کی ذات سے جو شیفتگی ہے اس میں ہمارا اپنا ہاتھ کام نہیں کر رہا ہے بلکہ خدا کا۔ اس کے بعد آپ کا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ ہم دشمن بن کے آئے مگر اس قابل سمجھے گئے کہ آزادی سے

اپنے نظریے آپ کے سامنے پیش کریں۔

کیا آپ کسی دشمن کی باتیں اس طرح سن سکتے تھے۔؟

آپ اپنی ذات کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ہم کو کھینچ کر قریب تر کرتے جاتے ہیں۔

بچپن میں میرے والد کا سایہ میرے سر سے اٹھ گیا۔ باپ کی محبت کی جا بجا چچا عرفجہ کی محبت میں ملی یا آج آپ کی دشمنی میں۔ ہم اس نعمت کو پا کر کھونے کی کوشش نہ کریں گے۔

یوقنا۔ تم اس بڈھے عرفجہ کی باتیں کرنے لگے جو بڑا خطرناک ہے اور تم دونوں، یعنی رابعہ اور سالم، دونوں بڑے ضدی ہو۔

یوقنا کو آج تک کسی نے جھکایا نہ تھا۔

جاؤ! اب میں تمہاری باتیں بالکل نہ سنوں گا۔ تم نے میری تھوڑی سی کمزوریوں کو بھانپ لیا ہے جو ایسی باتیں کرنے لگے ہو۔

اب مجھے تم سب کے ساتھ سختی کرنی ہی پڑے گی۔

پھر یوقنا نے ایک عجیب انداز سے سالم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور رخصت کر دیا۔

اکیسواں باب

قران السعدین

ارمانوسہ کی تعلیم و تربیت ایک بڑی نیک اور زبردست شخصیت نے کی تھی۔ وہ شخصیت تھی، یوحنا کی جس نے سونے کو کندن بنا دیا تھا۔ ارمانوسہ شہزادی تھی حسین و جمیل اور نازک اندام تھی۔ لیکن اس میں غرور و تکبر نام کو بھی نہ تھا۔ وہ حلیم اور ملنسار تھی اور فطرت صالحہ کی مالک تھی۔

رابعہ ایک قیدی کی حیثیت سے آئی، یوقنا اس کی مظلومیت اور معصومیت سے متاثر ہو گیا، اس نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا اور وصیت نامہ میں ارمانوسہ کے برابر حقدار گردانا۔ یوحنا کے اسی رشتہ نے اسے ارمانوسہ کی بہن بنا دیا اور ملکہ نے بھی اسے بیٹی قرار دے دیا۔

خود یوقنا بھی ایک سچا عیسائی تھا اس لیے رابعہ سے اس حد تک متاثر ہوا کہ اب اس کی نگاہ میں رابعہ اور ارمانوسہ دو جداگانہ شخصیتیں نہیں رہ گئی تھیں۔ رابعہ میں یہ کشش اس کے حسن کی کرامت نہ تھی بلکہ اسلام کا معجزہ تھا۔ اگرچہ وہ حسن و نزاکت میں بھی ارمانوسہ سے کسی طرح کم نہ تھی۔

رابعہ یوقنا کی اس درجہ گرویدہ ہو گئی تھی کہ جس طرح اپنے باپ سے محبت کرتی تھی اور بچپن سے بے تکلف تھی اسی طرح اب یوقنا سے بھی بے تکلف ہو گئی اور باپ میں یا یوقنا میں فرق نہیں جانتی تھی۔

لیکن ارمانوسہ کا یہ تو حال ہو چکا تھا کہ جس روز سے اس نے رابعہ کو پایا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی کھوئی ہوئی گرانقدر چیز پا لی ہے اور پا کر اس درجہ حفاظت

کرنے لگی ہے کہ کہیں دوبارہ کھو نہ جائے۔

یہ شیفتگی اس وقت سے اور بھی بڑھ گئی جب وہ اپنے چچا کی وصیت کے مطابق رابعہ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئی۔ جہاں تک اس کی طبیعت کا تعلق تھا اس بات کا یقین تھا کہ اگر یوحنا کی وصیت نہ بھی ہوتی تو ارمانوسہ ضرور مسلمان ہو جاتی۔

بہرحال اب یہ حال تھا کہ سوتے جاگتے ہر وقت رابعہ کو اپنے ساتھ رکھتی۔ ماں اور بیٹی دونوں نے اسلام کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ بہت سے مسئلے مسائل یاد کر لیے تھے۔ بہت سی سورتیں یاد کر لی تھیں۔ ذوق و شوق کے ساتھ نمازیں پڑھتیں، دین کی باتیں سنتیں، جس حد تک رابعہ کو قرآن کریم یاد تھا وہ ان دونوں ماں بیٹیوں کو دونوں وقت سناتی اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ وقت کا انتظار کرتی رہتیں اور بغیر سنے ہوئے چین نہ ملتا۔

ارمانوسہ اور رابعہ عمر کے اعتبار سے بھی قریب قریب ہمسن تھیں اور تقاضائے عمر کے اعتبار سے ان دونوں میں معصومانہ شوخیاں بھی تھیں اور یہ امر واقعہ ہے کہ حسن بغیر شوخی کے بے نمک کی دال ہے۔ وہ حسن ہی کیا جس میں شوخی نہ ہو۔ یہی تو صباحت میں ملاحت و حلاوت پیدا کرتی ہے اور حسن میں چار چاند لگاتی ہے جب آنکھوں میں ستارے ناچتے، لبوں پر چاند سورج جگمگاتے ہیں۔ جب بہار غنچوں اور پھولوں سے آنکھ مچولیاں کھیلتی ہے اور نسیم سحری اٹکھیلیاں کرتی ہے تو حسن زیادہ دلنواز و روح پرور ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جس حسن کے ماتھے پر شکنیں ہوں، ناک پر غصہ ہو، مزاج میں رعونت ہو طبیعت میں تلون ہو اور محرم کا چاند بیاض رخ پر مرثیہ خواں ہو تو حسن آفتاب و ماہتاب ہو کر بھی نظر نواز نہیں ہوتا۔

ارمانوسہ اور رابعہ دونوں ہی ہنس مکھ اور خوش مزاج تھیں، رابعہ کو احساس قید و بند نہ تھا اور بالکل اپنا گھر بن چکا تھا۔ اس لئے اس کی خوش دلی اور خوش مزاجی عود کر آئی تھی، مشاغل سے فرصت پا کر جب یہ دونوں لڑکیاں ایک جگہ بیٹھتیں تو نقرئی قہقہوں کی مترنم جھنکاریں سامعہ نواز ہو جاتیں۔

آج یہ دونوں غنچہ دہن پائیں باغ میں چہل قدمی کرتے کرتے جب تھک گئیں تو ایک بینچ پر بیٹھ گئیں۔

ارمانوسہ نے پہلو میں بیٹھتے ہی چٹکی بھری۔

رابعہ "سی" کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"افوہ! ظالم کی انگلیاں دیکھنے میں تو چنبیلی کی ڈالیوں کی طرح نازک ہیں، مگر ایسا چبھتی ہیں جیسے گلاب کے کانٹے۔

کم سن خادمہ مرینا جو ہر وقت ان دونوں کے ساتھ رہتی تھی رابعہ کی ان تشبیہات پر پھڑک اٹھی اور قہقہے لگانے لگی۔

ارمانوسہ نے رابعہ کو پکڑ کر گھسیٹا اور پھر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

رابعہ۔ نہیں نہیں، میں ذرا دور ہی اچھی ہوں۔ یہ انگلیاں تمہارے قابو میں نہیں رہتیں۔

ارمانوسہ۔ اچھا اب نہ ستاؤں گی۔ مگر آج مجھے ایک بات سچ سچ بتا دے میری ننھی بہن!

رابعہ (بات کاٹ کر) کیا تم مجھ سے بڑی ہو جو مجھے ننھی کہتی ہو۔

ارمانوسہ۔ ننھی منی تو تم ہی ہو۔ ذرا اپنی نزاکت کو دیکھو!

رابعہ۔ اس چکر میں نہ رہنا میری بھاری بھر کم بوڑھیا بہن ....

"بڑھیا بہن"، کے لفظ پر مرینا پھر کھلکھلا کر ہنسی اور ارمانوسہ بھی شرمندگی کی ہنسی ہنسنے لگی۔

رابعہ۔ میں نازک نہیں ہوں۔

ارمانوسہ۔ نازک نہ ہوتیں تو جولیس تمہیں پھول کی طرح اٹھا کیسے لاتا۔

رابعہ۔ اگر وہ بزدل دھوکے سے اچانک مجھے دبوچ نہ لیتا تو میں اس کے تینوں ساتھیوں کا بھی اس کے ساتھ سر کاٹ کر رکھ دیتی۔ لیکن میں تو کھیل میں مشغول تھی اور خالدہ کو دھوکا دینے کے چکر میں تھی۔

آہ خالدہ۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح شوخ و شریر ہے۔ چٹکیاں بھرنے میں اس کی مشق بھی تم سے کم نہیں اور ہنسی تو اس کے ہونٹوں سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتی۔ وہ ہوتی تو تمہیں ٹھیک کر دیتی۔

ارمانوسہ نے سنجیدگی سے کہا۔

کاش وہ پیاری بہن مجھ میں ہوتی۔ دیکھوں کب خدا اس سے ملاتا ہے۔

رابعہ۔ ہاں آج کل وہ مجھے بے حد یاد آ رہی ہے۔ سوتے جاگتے اس کی تصویر آنکھوں میں رہتی ہے۔

ارمانوسہ۔ اس سے تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جلد ملاقات ہونے والی ہے۔

رابعہ۔ انشاء اللہ

ارمانوسہ۔ ہاں تو وہ بات رہ گئی، قتل کیسے کر دیتیں جب تمہارے ہاتھ میں تلوار بھی نہ تھی۔ اور اگر ہوتی بھی تو تم سے اٹھائی نہ جاتی۔

رابعہ۔ معاف کرنا میری بہن، عرب لڑکیاں اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہیں۔ میں انھیں کی تلواریں چھین کر اپنا کام کر جاتی۔

ارمانوسہ۔ تو کیا واقعی تم تلوار لے کر مردوں سے لڑ سکتی ہو۔؟

رابعہ۔ مجھی پر کیا موقوف ہے۔ عرب کی ہر لڑکی لڑ سکتی ہے۔ اور لڑتی ہے وہ باقاعدہ نیزے اور تلوار کا استعمال کرتی ہے۔ گھوڑے کی سواری جانتی ہے۔ تیر نشانہ پر مارتی ہے۔ ہماری ایک بہن حضرت خولہ جو ہماری اور تمہاری طرح کم سن ہیں اور بے حد نازک اندام اور حسین ہیں۔ اپنے بھائی کے دوش بدوش متعدد لڑائیاں لڑ چکی ہیں۔ ان کی تلوار اور نیزے کے سامنے کوئی نہیں ٹھہرتا۔

حضرت ام ابان بھی کمسن اور بے حد خوبرو ہیں وہ تیر اندازی میں مشہور اور بڑی تاک انداز ہیں۔ حضرت ام تمیم حضرت خالد کی بیوی شہسواری اور تلوار بازی کی دھنی ہیں اور قریب قریب ہر مسلم خاتون ضرورت پڑنے پر جنگ کرتی ہے اور مردوں کا منھ پھیر دیتی ہے۔

ارمانوسہ اور مرینا حیرت سے رابعہ کی باتیں سن رہی تھیں۔

پھر ارمانوسہ بولی۔

یہ اچھا ہی ہوا کہ جولیس قتل نہ ہو گیا ورنہ ہم تمہیں کہاں پاتے؟

مرینا۔ سچ تو کہا شہزادی صاحبہ نے۔

ارمانوسہ۔ مرینا۔ تو کیا چاہتی ہے۔ میری اچھی رابعہ یہاں رہے یا اسلامی کیمپ میں چلی جائے۔

مرینا۔ میں ان کو جانے کب دوں گی۔

ارمانوسہ۔ مگر یہ تو جانے کو کہتی ہیں۔

مرینا۔ کیوں۔ جب تو میں بھی آپ سے اجازت لے کر ان کے ساتھ چلی جاؤنگی

اور کچھ دنوں بعد ان کو لے کر واپس آ جاؤں گی

ارمانوسہ۔ یہ کہتی ہیں کہ میں مسلمان ہوں عیسائیوں میں نہیں رہوں گی۔

مرینا۔ کیا عیسائی خراب ہوتے ہیں۔

ارمانوسہ۔ ہاں ان کا کہنا ہے کہ اب دنیا سچا دین بجز اسلام کے کوئی نہیں، اگر عیسائی مذہب خراب نہ ہوتا تو جولیس جیسے آوارہ لوگ نہ پیدا ہوتے، ان کو تو پادریوں اور ننوں کی بد چلنی کا حال بھی معلوم ہے۔ میں بھی سوچتی ہوں کہ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ ہیلن کا حال تو تم نے سنا ہوگا بے چاری غریب لڑکی کتنی شریف و نیک تھی۔ جولیس کی دست درازیوں سے تنگ آکر جب گرجا میں جاکر نن بن گئی تو دوسرے ہی دن گرجا کے بڑے پادری نے بجبر اسے بے عصمت کر دیا۔ اور اس نے اپنی جان شرم و غیرت سے تلف کر ڈالی۔

مرینا۔ ہاں میں نے بھی سنا تھا۔ مگر اس پر یقین نہ آیا۔

ارمانوسہ۔ یہ بالکل سچ ہے۔ میرے ابا جان بہت برہم تھے۔ مگر جنگ کے پیش نظر ابھی انھوں نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔

مرینا۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔

ارمانوسہ۔ ہاں میں بھی سمجھنے لگی ہوں کہ سچی عیسائیت نہیں باقی رہی۔

مرینا کو کچھ شہ ملی تو اس نے کہا۔

شہزادی صاحبہ، اگر خفا نہ ہوں تو میں ایک بات عرض کروں۔

ارمانوسہ۔ کہو۔

مرینا۔ مجھے تو رابعہ بہن کی باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں۔

ارمانوسہ۔ تو تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتیں۔

مرینا سہمتا کنے لگی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی تھی۔

ارمانوسہ۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟

مرینا۔ شہزادی صاحبہ۔ بہت دنوں سے میں یہ بات سوچ رہی تھی۔ لیکن شاہ بادشاہ سلامت اور آپ کے خوف سے اس کی جرأت نہ کر سکی۔

ارمانوسہ۔ تو سنو مذہب کے معاملے میں کسی سے ڈرنا نہ چاہیئے۔

مرینا۔ کیا آپ بھی تو اسلام کو اچھا سمجھنے لگی ہیں تو پھر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتیں۔

ارمانوسہ۔ پگلی، میں تو کب کی مسلمان ہو چکی۔

مرینا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

اور ملکۂ عالیہ؟

ارمانوسہ۔ جو مذہب بیٹی کا وہ ماں کا

مرینا۔ تو مجھے بھی مسلمان کر لیجئے۔

میں عیسائیت سے نفرت کرتی ہوں۔ میں بھی ایک پادری کے دست ہوس کا شکار ہوتے ہوتے بچی ہوں۔ خدا ولی کامل یوحنا کی روح کو چین بخشے ان کی بدولت بچی اور ان کی پناہ میں مطمئن ہوئی۔

یہ کہکر اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔

اور رابعہ نے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔

رابعہ ارمانوسہ کی اس شاہانہ حکمت اور تیزی ذہن سے بہت متاثر ہوئی اس نے کہا۔

"بہن ارمانوسہ۔ تم نے بڑا ثواب لوٹا۔

ارمانوسہ۔ کاش میں ساری دنیا کو مسلمان کر سکتی۔

رابعہ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری استعانت کرے۔

ارمانوسہ۔ مجھے بڑا صدمہ ہے کہ میری اتنی عمر حالت کفر میں کیوں بسر ہوئی؟

رابعہ۔ بہن اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ جس روز کوئی سعید روح اسلام قبول کرتی ہے اس کے پچھلے تمام گناہ دھل جاتے ہیں اور وہ اس طرح معصوم ہو جاتا ہے جیسے اسی دن کا پیدا شدہ بچہ۔

ارمانوسہ۔ کاش میری ساری زندگی اسلام کی خدمت میں بسر ہو جائے۔ میری بڑی تمنا ہے کہ میں مسلم خواتین کو دیکھتی۔ حضرت خولہ وغیرہ کا ذکر سن سن کر زیارت کا شوق بڑھ گیا ہے۔

رابعہ۔ وہ سب اسلامی لشکر میں موجود ہیں۔ انشاء اللہ ضرور ملاقات ہوگی اور ان کو تم بے انتہا خلیق پاؤ گی۔

اس طرح ایک اور سعید روح نور کے دائرے میں داخل ہو گئی اور دین فطرت کی کشش نے مرینا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

شوخی و شرارت کی محفل متانت و انسانیت کی اعلیٰ سطح پر ختم ہوئی۔

بیسواں باب

برائی میں بھلائی

داروغہ جیل نے آکر یوقنا کو مطلع کیا کہ جولیس کا باپ آج جیل میں مر گیا۔

یوقنا نے پوچھا "ارارس" (جولیس کے باپ) کو کیا ہوا تھا؟

داروغہ جیل۔ حضور وہ کئی روز سے شدید بیمار تھا اور اس کی بیماری کی اطلاع آپکو دے دی گئی تھی۔ اس کی دوا علاج کا بہت خیال رکھا گیا لیکن وہ جولیس سے بہت دل برداشتہ ہوگیا تھا۔ اُسے اپنے کئے پر شرمندگی تھی اور آپ کی خفگی سے بہت مغموم تھا۔ اپنی تباہی و بربادی کا ذمہ دار جولیس کو ٹھہرانے لگا۔ اخیر دنوں میں اس نے اپنے بیٹے سے ملاقات اور بات چیت ترک کر دی تھی۔

یوقنا کو اپنے پرانے معتمد کے مرنے کا افسوس ہوا اس لئے کہ ارارس دل کا برا نہیں تھا۔ وہ یوقنا کا وفادار تھا۔ اس میں کمزوری یہ تھی کہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتا تھا اور بے جا طرفداری کرتا تھا۔

یوقنا۔ وحشی جولیس کا کیا حال ہے؟

داروغہ جیل۔ وہ گم صم ہے شاید اپنے افعال پر پشیمان ہے۔

یوقنا۔ اُسے میرے روبرو حاضر ہونے کا حکم پہنچاؤ۔

داروغہ رخصت ہوگیا اور کچھ دیر میں جولیس کو لے کر حاضر ہوا۔

یوقنا نے حکم دیا کہ اسے سالم کے پاس پہنچا دیا جائے۔ آج سے وہ یہیں

جولیس کو سالم کے پاس پہنچا دیا گیا۔

سالم بڑے اخلاق سے پیش آیا۔

جولیس کو معلوم تھا کہ یہی وہ نوجوان ہے جو عرب لڑکی کی تلاش میں آیا تھا اور اس کے ۵۰ ساتھیوں نے حلب کی دیوار کے نیچے یوقنا کی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ سالم کے خون کا پیاسا تھا اور آج اس کی حالت یہ تھی کہ اسکی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ سالم سے آنکھیں ملائے۔

سالم نے پوچھا۔

عیسائی برادر! تمہارا نام کیا ہے؟

جولیس۔ بھائی! ممکن ہے تم میرا نام سن کر مجھ سے نفرت کرنے لگو۔

سالم۔ مسلمان کسی سے نفرت نہیں کرتا۔

جولیس۔ میرا نام جولیس ہے۔

سالم۔ اچھا تم وہی ہو جو رابعہ کو اٹھا لائے تھے۔

جولیس۔ ہاں بھائی، میں وہی بدنصیب ہوں، اگر تم آج اس جرم میں مجھے قتل کر ڈالو تو مسرت ہوگی۔

سالم، بھائی! تم اپنے کئے پر پشیمان معلوم ہوتے ہو، مجھے تم سے ہمدردی ہے بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

جولیس۔ صرف ایک۔

سالم۔ وہ کیا؟

رابعہ بہن سے میرے لئے معافی حاصل کر دو۔ جولیس نے التجائیہ لہجہ میں کہا۔

سالم - میں وعدہ کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ رابعہ ایک پشیمان انسان کی درخواست کو رد نہ کر سکے گی۔

جولیس - میں جانتا ہوں۔ میں نے راستہ میں ان کی خاموشی اور عبادت گزاری سے ان کی نیک دلی کا تھوڑا سا اندازہ لگا لیا ہے۔

ایک اور کرم بھی آپ مجھ پر کریں گے۔

سالم - کہو، میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔

جولیس - میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ سنئے!

میرا نیک دل اور معزز باپ میری حرکتوں سے نالاں اور بددل ہو کر جیل میں مر گیا۔ اس کا بڑھاپا میری وجہ سے خراب ہوا۔ اُس نے کئی روز سے مجھ سے ملاقات اور بات چیت ترک کر دی تھی۔

اس کی موت سے مجھے جھٹکا لگا۔ میں اپنے پچھلے گناہوں پر بہت رویا۔ روتے روتے سو گیا۔ آہ میں نے دیکھا کہ میں ایک بہت گہرے غار کے دہانے پر کھڑا ہوں اس غار میں نیچے سے اوپر تک آگ ہی آگ بھری ہوئی ہے۔ میں نے گھبرا کر بھاگنا چاہا۔ آگ کے شعلے بلند ہو کر میرے چاروں طرف پھیلے اور پھیل کر مجھے جھلسنے لگے۔ میں جس طرف بھاگتا تھا ادھر آگ ہی آگ دکھائی دیتی تھی اور میرا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

میں مدد کے لئے چلانے لگا تب میں نے دیکھا کچھ فاصلے پر دلی یوحنا رابعہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ انھوں نے اشارہ کیا، ادھر آؤ۔ میں ان کی طرف بھاگا تو آگ سے نجات ملی

یوحنا نے کہا رابعہ سے معافی مانگو اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاؤ

ورنہ یہ دوزخ کی آگ تم کو بھون کر رکھ دے گی۔

میں حضرت یوحنا کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔ لیکن خوفناک آگ کی لپٹ میرے آگے پیچھے ہو کر مجھے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہی تھی، خوف و دہشت سے میری چیخیں نکل گئیں۔ اور ان خوفناک چیخوں سے میری آنکھیں کھل گئیں۔

میں پسینہ سے شرابور تھا اور میرا بدن کانپ رہا تھا۔

ہوش و حواس بجا ہوئے تو میں نے سمجھ لیا کہ قدرت کی طرف سے میری تنبیہ و تہدید ہوئی ہے۔ مجھے اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے رابعہ سے معافی مانگنی چاہئے۔ اور حضرت یوحنا کے ارشاد کے مطابق مجھے اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ میرا سچا دل گواہی دے رہا ہے کہ مذہب اسلام حق ہے۔

اس لئے میرے بھائی مجھے مسلمان کر لو اور خدا کے لئے رابعہ بہن سے مجھے معافی دلا دو۔

سالم نے خوشی خوشی جولیس کو مسلمان کر لیا۔ رابعہ نے جولیس کو معاف کر دیا اور بھائی بنا لیا۔

سالم کی کوششوں سے یوحنا نے جولیس کے ساتھی اریاس کو بھی قید سے رہا کر دیا اور وہ بھی اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا۔

[illegible]

بائیسواں باب

یوقنا آغوش اسلام میں

آج یوقنا دن بھر رابعہ اور سالم سے اسلام کے متعلق گفتگو کرتا رہا اور اثنائے گفتگو اس کی خوش طبعی بھی ظاہر ہوتی رہی - یہ سلسلہ مغرب کے وقت تک رہا۔

جب مغرب کی نماز کے لئے سالم اور رابعہ اٹھنے لگے تو یوقنا نے کہا کہ نماز ادا کر کے تم دونوں پھر میرے کمرے میں آجاؤ - کچھ ضروری کام ہے۔ چنانچہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر یکے بعد دیگرے رابعہ اور سالم دونوں یوقنا کے پاس آئے تو یوقنا نے مرینا کو بلوا کر حکم دیا کہ ارمانوسہ اور ملکہ کو بلا لائے۔

ملکہ اور ارمانوسہ کی آمد کے بعد اس نے اپنے بوڑھے خادم ارنوس کی معرفت، عرقجہ، ارسوس راہب، جولیس اور ارماس کو بلوایا۔ پھر ارنوس کو حکم دیا کہ وہ میکائیل کو بھی بلا لائے۔

سبھی اپنی جگہ پر حیران تھے کہ نجانے آج یوقنا کا کیا مقصد ہے بہرنوع جب سب مجتمع ہو گئے تو یوقنا نے کہا۔

ارمانوسہ اور ملکہ! تم دونوں مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ اسلام کا شرف حاصل کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئیں۔ مجھے اسی روز میکائیل ارسوس اور تم دونوں کے اسلام لانے کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر خلاف معمول مجھے ذرا بھی غصہ نہ آیا بلکہ خوشی ہوئی۔

یوحنا کے قتل کے فوراً بعد بھی جب میرا غصہ پیارے بھائی کی لاش دیکھکر فرو ہوگیا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ میں شیطان کا پجاری تھا۔ میرا بھائی سچا تھا مجھ سے زیادہ ذی علم اور خدا شناس تھا۔ اس بناپر تم لوگوں کے اسلام لانے سے مجھے قدرتی طور پر مسرت ہوئی۔

مگر میں آج تک سوچتا رہا کہ جس مذہب حقہ کی رہنمائی میرے بھائی نے کی اور میں نے اس کی زندگی میں قبول نہ کیا بلکہ اپنے بھائی کو بھی کھو دیا تو مجھ جیسے بے رحم اور ظالم کا دوزخ کی آگ میں جلنا ہی بہتر ہے۔ اب کیا اسلام لاؤں۔

پھر مرینا کے اسلام لانے کی خبر ملی۔ اس کے بعد جولیس اور ارماس کے متعلق معلوم ہوا۔ میں نے سمجھ لیا کہ خدا کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔

رابعہ اور سالم نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔ میرا دل اس شرف کے حصول کے لئے بے چین تھا۔ لیکن میں دانستہ اپنے دل کو سزا دے رہا تھا۔

رات میں نے پہلی مرتبہ اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا وہ کہہ رہا تھا۔

آپ نے اپنے کفر کی حالت میں مجھے قتل کر کے میرے ساتھ کوئی برائی نہ کی بلکہ شہادت کے بلند منصب پر فائز کر دیا۔ میرے بھائی اب تم جلدی اسلام قبول کر کے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہو جاؤ۔ وہ دیکھو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے روئے تاباں کو دیکھو، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں۔

یوحنا کے اشارہ کرنے پر میں نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت رسول پاک تشریف فرما ہیں ان کے نورانی چہرے کے سامنے آفتاب و ماہتاب مات تھا۔

آپ نے فرمایا۔ یوقنا اگر تجھے اسلام کے متعلق شک ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ لے۔

ان کے اتنا فرماتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم بالا سے اترتے نظر آئے اور جلد ہی میرے قریب آکر فرمایا۔

یوقنا۔ یہی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان ہی کا دین حق ہے تو کار خیر میں دیر نہ کر۔ اور جلد مسلمان ہو کر جان و دل سے اسلام کی خدمت کر اور جنت کا مستحق بن جا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے تجھے اپنے دیدار کا شرف بخشا ہے کہ تو نے فرزند توحید سالم اور بنت اسلام رابعہ کو اپنی فرزندی میں لے لیا ہے۔ مومن اور مومنہ کے باپ کو کافر نہ ہونا چاہئے۔

میں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا دیا۔

حضرت رسول نے کلمہ پڑھا کر مجھے مسلمان کر لیا۔

اس وقت تک حضرت رسول کے پیراہن مبارک کی خوشبو میری ناک میں بسی ہوئی ہے۔

بس اب میرے بیٹے سالم اور میری بیٹی رابعہ، تم دونوں کی مدعا پوری ہو گئی میرے قریب آؤ اور عالم ظاہر میں بھی مجھے کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کر لو۔ خدا

تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ تم دونوں نے آکر میرے گھر کو رحمت سے بھر دیا۔

سالم نے بڑھ کر یوقنا کا ہاتھ تھام لیا اور آنکھوں سے لگایا اور یوقنا نے کلمہ پڑھ کر اپنے اسلام کی تجدید کی۔

سب کے چہرے مسرت و شادمانی سے کھل اٹھے۔

اس کے بعد یوقنا نے کہا۔

سالم! اب سنو،

میرے مخبر نے اطلاع دی ہے کہ اسلامی لشکر جو پہاڑی دروں میں مقیم ہے اس کا ایک دستہ قلعہ کو فتح کرنے کی آج جد و جہد کرے گا۔

میں تصدیق کرتا ہوں کہ آج قلعہ فتح ہو جائے گا۔ کیسے یہ مجھے معلوم نہیں میں اپنی جگہ سے جنبش نہ کروں گا۔ اور اسلام کا شرف ایک رات پہلے مجھے حاصل ہو چکا اس لئے اب کوئی مجھ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ میں جان کے خوف سے مسلمان ہوا ہوں۔

سالم گواہ رہنا کہ میں نے قلعہ اور اہل قلعہ کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا اور فوج بھی انہی کے حوالے کر دی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے قلعہ کا استحکام اور عیسائیت کی قوت کچھ بھی کام نہ دے گی۔

تیئیسواں باب

دامس بو الہول کا کارنامہ

اسلامی لشکر کو پہاڑی درے میں ٹھہرے ہوئے جب کئی روز ہو گئے۔ تو ایک اندھیری شب میں امین الامت سے اجازت لے کر چالیس آدمیوں کو پیادہ لے کر حضرت دامس قلعہ حلب کی جانب چلے۔

اس چھوٹے سے گروہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رض حضرت عبداللہ ابن عمر بن الخطاب رض حضرت سیف اللہ خالد رض حضرت ضرار رض۔ کعب بن بشر رض۔ عدی بن حاتم طائی رض۔ سہیل بن عدی رض، حضرت نعمان رض۔ حضرت ابو سفیان رض، حضرت مالک بن اشتر اور دوسرے مشہور صحابہ تھے۔ حضرت امین الامت نے حضرت دامس کو ان کا سردار بنایا اور سب نے بطیب خاطر قبول کیا۔

حضرت دامس اپنے دستہ کو لئے ہوئے اندھیرے میں چھپتے چھپاتے قلعہ کے قریب آئے اور ایک پہاڑی کے اوٹ میں رک کر فرمایا۔

آپ لوگ یہیں رہیں۔ میں کسی کو پکڑ کے لاتا اور اہل قلعہ کا حال معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

یہ کہکر حضرت دامس نے بکرے کی ایک کھال نکال کر اوڑھی اور چاروں ہاتھ پاؤں سے چل کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک عیسائی کا ٹیٹوا دبائے ہوئے آئے اور عیسائی سے چند باتیں عربی زبان میں پوچھا۔

وہ رومی زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں جانتا تھا اس لئے خاموش

سے نکما رہا۔ حضرت واس نے اس کو باندھ کر سمجھ کر ڈال ٹھونس کے ایک غار میں
ڈال دیا اور پھر کھال اوڑھ کر ایک جانب چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد ایک
عیسائی کو پکڑ لائے وہ بھی عربی زبان نہیں جانتا تھا۔ اس لئے واس نے
اسے بھی باندھ کر ڈال دیا۔ اسی طرح باری باری وہ چار عیسائیوں کو لائے
وہ سب عربی زبان سے نابلد نکلے۔

تب حضرت واس اللہ کا نام کر اپنے دستہ کے ہمراہ آگے بڑھے اور ایک لمبا
چکر کاٹ کر قلعہ کی اس دیوار کے نیچے آ گئے جو شمالی پہاڑ کی جانب تھی۔ یہاں
قدرتی طور پر اندھیرا زیادہ تھا۔ تین طرف کی فصیلوں پر کافی روشنی تھی اور
نو می گشت کر رہے تھے۔ اس طرف عیسائیوں کی زیادہ توجہ نہ تھی اور
غالباً ادھر کے سپاہی شراب پی کر مطمئن سوئے ہوئے تھے۔

حضرت واس کچھ دیر تک فصیل کی بلندی کا جائزہ لیتے رہے۔
پھر خود دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گئے
اور حضرت خالدؓ سے کہا۔
میں جو کہوں اس پر عمل کیجئے۔
خالدؓ۔ کہو بھائی! کیا کہتے ہو؟
میرے کندھے پر بیٹھ کر دیوار پکڑ لیجئے!
حضرت خالدؓ نے یہی کیا۔
حضرت واس۔ اب ضرار آپ کے کندھے پر بیٹھ جائیں۔
ان کے کندھے پر طارق!
ان کے کندھے پر نعمان۔

نعمان کے کندھے پر کعب بن بشر۔

ان کے کندھے عاصم، ان کے کندھے پر فلاں، فلاں، اس طرح بیس ۲۰
آدمیوں کو حضرت وامس نے اپنے کندھے پر سنبھال لیا۔

تب مالک کو جو سب سے زیادہ لمبے تھے حکم دیا کہ آپ احتیاط سے سب
کے اوپر جاکر بیٹھ جائیں۔

حضرت مالک نے ایسا ہی کیا۔

جب وہ اطمینان سے دیوار تھام کے بیٹھ گئے تو وامس نے حکم دیا۔
دیوار کا سہارا قائم رکھ کر کھڑے ہو جاؤ اور توازن بحال رکھو۔

حضرت مالک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھڑے ہو گئے۔

پھر وامس کے حکم کے مطابق ان کے نیچے کا آدمی کھڑا ہو پھر ان کے نیچے
کا، اسی طرح اکیسویں آدمی حضرت وامس بوالہول ۲۰ آدمیوں کا بوجھ لے کر
خود کھڑے ہو گئے۔ سب کو انکی قوت خداداد پر حیرت ہوئی۔

آدمیوں کی زندہ سیڑھی بن گئی۔ اکیسویں آدمی حضرت مالک بن اشتر کا
سر کنگرے سے ٹکرایا۔

حضرت وامس نے کہا۔

کنگورہ پکڑ کر جھول جاؤ اور فصیل پر پہنچ کر اپنا صافہ لٹکاؤ۔ مگر احتیاط
کو شعار بناؤ۔

حضرت مالک نے یہی کیا اور کنگورے پہ پہنچکر اپنا صافہ لٹکایا، دوسرا
تو وہی وامس صافے کی مدد سے فصیل پہ پہنچ گیا دونوں کے صافوں نے مل کر تیسرے
کو کھینچا۔

اس طرح صافوں کو جوڑ کر نیچے تک پہنچا دیا گیا اور آخری آدمی حضرت
وامس بھی فصیل پر پہنچ گئے۔
برج میں ۲۵ سپاہی شراب پی کر غافل سوئے ہوئے تھے۔
مسلمانوں نے سب کو کاٹ کر ٹھکانے لگا دیا۔
تب حضرت وامس نے مشورہ کیا۔
میں دس آدمیوں کو لے کر بڑھتا ہوں اور پھاٹک کھولنے کی کوشش
کرتا ہوں حضرت خالد بندرہ آدمیوں کی قیادت کریں اور سیڑھی پر عیسائیوں
کو کچھ دیر روکیں تاکہ پھاٹک کھل جائے اور اسلامی فوج جو مستعد کھڑی
ہوں گی۔ قلعہ میں داخل ہو جائے۔
حضرت وامس دس آدمیوں کو لے کر قلعے کی جانب چلے گئے۔
قلعے کے کئی پھاٹک تھے۔ لیکن مشرقی پھاٹک صدر دروازہ تھا اس
کا رخ پہاڑ کی جانب تھا۔
اسی طرف اسلامی فوج تھی۔
پھاٹک میں چار کیس سپاہی بیٹھے بیٹھے سو گئے تھے
وامس اور ان کے سپاہی شیر ببر کی طرح جھپٹے اور پہرہ داروں
کو بے دریغ کرنا شروع کر دیا۔
جب تک وہ نیند سے بیدار ہو کر صورت حال کو سمجھیں۔ موت نے
ان کی آنکھوں کا پھاٹک بند کر دیا۔
وامس نے اطمینان سے پھاٹک کھول دیا۔
حضرت خالد اور ان کے ساتھی سیڑھیوں کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ ایک

مسلمان نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ عیسائیوں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی وہ فصیل سے اُترنے کے لئے سیڑھی کی طرف لپکے مسلمانوں نے تلوار سے ان کا خیر مقدم کیا۔ عیسائی بدحواسی کے ساتھ اُتر رہے تھے اور قتل ہو ہو گر رہے تھے۔ خود آپس میں چپقلش بڑھ گئی تھی۔ لوگ اُترنے میں پہل کر کے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ کوئی ضبط و نظم نہ تھا۔ سب جلدی جلدی اُتر کر پھیل جانا چاہتے تھے۔ بدحواسی کی وجہ یہ تھی کہ فصیل کے سپاہیوں کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ پوری مسلم فوج قلعہ میں داخل ہو چکی ہے۔ حالانکہ ابھی صرف پندرہ مسلمان ان کے مقابلے میں تھے۔

اس افراتفری سے عیسائیوں کو نقصان عظیم پہنچ رہا تھا۔ سب ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور قتل ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کی تلواریں گویا صرف کاٹنے ہی کو بنی تھیں۔

شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

عیسائی حسب معمول چلا رہے تھے۔

مسلمان خاموشی سے فصیل کا شکار رہے تھے۔

شہر میں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ فوجی چھاؤنی میں بگل بجا۔ تیاریاں ہوئیں اور فوج مقابلہ کے لئے چل پڑی۔

سپہ سالار لبیک کرتا ہی محل میں آیا۔

یہاں سکون تھا۔

سپہ سالار نے یوقنا کو خبر دی۔

یوقنا نے سپہ سالار کو بلایا۔

یوقنا۔ کیا بات ہے؟

سپہ سالار۔ عالی جاہ! مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔

یوقنا نے جملے کو دہرایا۔

مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے؟

سپہ سالار۔ "جی ہاں میں نے یہی کہا ہے۔

یوقنا۔ تم نے مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟

سپہ سالار۔ دیکھا نہیں، میں نے ان کے نعروں کی آوازیں سنی ہیں؟

یوقنا۔ تو گویا مسلمان قلعہ میں داخل ہو ہی گئے

یوقنا خاموش ہو گیا۔

سپہ سالار۔ پھر کیا حکم ہے؟

یوقنا دور اندیش تھا۔ اس نے سوچا کہ جنگ بند کر دینے کا حکم دے تو سپہ سالار ہرگز نہ مانے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ یوقنا کو قتل کر دے یا گرفتار کرے۔ فوج تنہا یوقنا کی نہ تھی۔ ہرقل کے بھیجے ہوئے دستے بھی شامل تھے اور ہرقل کا بھیجا ہوا کمانڈر "ہربیس" بھی موجود تھا۔ اس لئے یوقنا نے پوچھا۔

اب کیا ہوگا؟

سپہ سالار۔ جنگ۔ ہم جنگ کے بغیر قلعہ حوالے نہ کریں گے۔ جب تک ایک سپاہی بھی زندہ رہے گا۔ جنگ ہو کر رہے گی۔

یوقنا۔ تم کو پورے اختیارات ہیں جو چاہو کرو۔ تم چلو، میں ابھی آتا ہوں۔

سپہ سالار کو یوقنا کی جانب سے کوئی شک نہ تھا۔ اس لئے وہ یہ اختیار

پلٹتے ہی روانہ ہوگیا۔

یوقنا اطمینان سے اٹھا۔ اس کے چہرے پر دل کی خوشی ناچ رہی تھی۔

وہ سالم کے کمرے میں پہنچا۔

سالم۔ عزیز، ارسوس۔ جولیس، ارماس اور جرجیس کے ساتھی شور وغل سن کر بیدار ہو چکے تھے۔

یوقنا نے آگے بڑھ کر کہا۔

اللہ کے بندو!

مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے۔

تم بڑھو اور بڑھ کر ان کی مدد کرو، عیسائیوں سے جہاد کرو۔ بیدینوں میں اپنی تلوار پوری طاقت سے رکھ دو۔ میں بھی آ رہا ہوں۔

سب لوگ تلوار سونتے ہوئے محل سے باہر نکل گئے۔

مسلم فوج قلعہ میں داخل ہوئی۔

عیسائیوں کی فوج سے ٹکرا گئی۔

جنگ زور شور سے ہونے لگی۔

دامس اور ان کے ساتھی جمع ہو گئے۔

سالم اور اس کے دوست بھی آ گئے۔

یہ جنگ صبح تک ہوتی رہی۔

یوقنا مرد میدان کی طرح عیسائیوں کو کاٹ رہا تھا۔ عیسائی حیران ہو کر اس کو دیکھتے اور قتل ہو جاتے۔

ہربیس مارا گیا۔ یوقنا کا سپہ سالار کام آیا۔ بچی کھچی عیسائی فوج نے ہتھیار

رکھ دیا۔ قدرت کا نوشتہ پورا ہو گیا۔

حق باطل پر غالب آیا۔

حلب پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔

یہ جھنڈا حضرت واسمہ نے نصب کیا اور عیسائی جھنڈے کو نوچ کر پھینک دیا۔
شہریوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی گئی تھی۔ گرجاؤں اور کلیساؤں کی حرمت
برقرار رہی۔ عورتوں، بچوں اور عام شہریوں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک بہت اچھا
رہا۔ جب ہر طرح مکمل سکون ہو گیا تو شہر کے ذمہ داروں اور یوقنا کو جزیہ کی رقم
سے مطلع کر دیا گیا۔

یوقنا امیر لشکر اور حضرت خالدؓ وغیرہ سے مخلصانہ طور پر مل کر بہت محظوظ
ہوا۔ اس نے حضرت عاصم سے کہا۔

میرے بھائی آپ اپنی بیٹی رابعہ سے بھی تو مل لیجئے۔
عاصم نے یوقنا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ رابعہ تو آپ کی بھی بیٹی
ہے، آپ ملائیں گے تو مل لونگا۔

یوقنا۔ میں نے تو اسے اسی وقت جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن
وہ ضدی نہ گئی اور ہنستے ہوئے۔ مجھے اس کی ضد کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔
عاصم۔ ہم لوگوں کو سارا حال معلوم ہے۔ عاصم اور رابعہ نے آپ لوگوں
کیلئے دربار خلافت سے امان طلب کرلی تھی۔ بلکہ دربار خلافت نے یہ لکھا تھا
کہ اگر رابعہ اور سالم چاہیں تو حلب کو نظر انداز کر کے مسلم فوج آگے بڑھ جائے۔
لیکن ان دونوں کی رائے یہ ہوئی کہ اصول کی جنگ باقی رکھی جائے۔
یوقنا۔ ہاں قلعہ حلب کو فتح کرنا ضروری تھا ورنہ ناپاک عیسائیت کا خنجر

ناول پڑن واپس کی
یم دہنیت سالہ بن جمد عم

ثابت ہوتے۔

امیر لشکر نے فرمایا کہ دربار خلافت نے آپ کی سلطنت بحال رکھی ہے۔ حلب آپ کو مبارک ہو یوقنا۔ اب میں باقی زندگی اسلام کی خدمت اور جہاد میں گزاروں گا۔ میرا فیصلہ ہے میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں۔ لیکن اب میں یہ حکومت قبول نہیں کر سکتا۔ اب مجھے اسلامی لشکر سے جدا نہ کیجئے۔

امیر لشکر اس شرط پر راضی ہو گئے کہ کسی کو یوقنا کا نائب بنا کر حلب کی حکومت اس کو تفویض کر دی جائے۔

کعب بن بشر کو نائب بنا کر حلب ان کے سپرد کر دیا گیا۔

یوقنا اہل و عیال کے ساتھ ایک مجاہد کی طرح اسلامی لشکر میں چلا آیا۔ رابعہ اپنے والدین اور اعزا سے ملی سب کو بے حد مسرت ہوئی۔ ملکہ اور یوقنا رابعہ اور سالم کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ یوقنا کی تحریک پر سالم کی شادی پری چہرہ رابعہ سے ہو گئی۔ خالدہ اور ارمانوسہ نے دلہن کو پھولوں کے ہار سے لاد دیا تھا۔

دلہن پھولوں کی گٹھری بنی ہوئی لمحات زریں کی لطافتوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ خالدہ۔ ارمانوسہ، مرینا دبے قدموں چپکے سے نکل گئیں۔

سالم آہستہ آہستہ خلوت میں داخل ہوا۔ رابعہ کے قریب جا کر بیٹھا رابعہ شرم سے سکڑ کر گٹھری بن گئی۔ سالم نے بسم اللہ کہہ کر گھونگھٹ الٹا دیا شرمایا ہوا چاند اور بھی شرما کر دل فریب بن گیا۔

اسلامی لشکر شادی کی خوشی میں ایک ہفتہ ٹھہر کر آگے بڑھ گیا۔

ختم شد